کارل مارکس

فریڈریک اینگلس

کارل مارکس
فریڈرک اینگلس

منتخب تصانیف

حصہ دوم

دارالاشاعت ترقی، ماسکو

ترجمه: ظ انصاری

فہرست

صفحہ

کارل مارکس۔ سیاسی معاشیات کی تنقید پر ۷
کارل مارکس۔اجرت، قیمت اور منافع ۱۴
شروعات کے چند جملے ۱۴
۱ - پیداوار اور اجرت ۱۵
۲ - پیداوار، اجرت اور منافع ۱۸
۳ - مزدوری اور نقد رقم ۳۰
۴ - سپلائی اور مانگ ۳۶
۵ - اجرتیں اور قیمتیں ۳۸
۶ - قدر اور محنت ۴۲
۷ - محنت کی قوت ۵۴
۸ - قدرزائد کی پیداوار ۵۸
۹ - محنت کی ویلیو ۶۱
۱۰ - کسی مال کو اس کی ویلیو پر فروخت کرکے منافع کمایا جاتا ہے ۶۳
۱۱ - وہ مختلف حصے جن میں قدرزائد بکھر جاتی ہے ۶۴
۱۲ - منافع، اجرت اور قیمتوں کا باھمی رشتہ ۶۸
۱۳ - وہ خاص موقع جب اجرت کو بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے یا اسے گرنے سے روکنے کی ۷۱
۱۴ - سرمائے اور محنت کی کشمکش اور اس کے نتیجے ۷۹
کارل مارکس۔ ''سرمایہ،، کی پہلی جلد کے پہلے جرمن ایڈیشن ۸۸

کا دیباچہ کارل مارکس ۔ سرمائے کا نام‌نہاد ابتدائی سمٹاؤ (''سرمایہ،، کی جلد اول کا ۲۴واں باب) ۹۵
فریڈرک اینگلس ۔ ''جرمنی میں کسانوں کی جنگ،، کا دیباچہ ۱۰۱
۱۸۷۰ء کے دوسرے ایڈیشن کے لئے ۱۰۱
۱۸۷۵ء کے تیسرے ایڈیشن کے لئے ۱۸۷۰ء والے دیباچے کا تکملہ ۱۱۳
کارل مارکس ۔ فرانس میں خانہ‌جنگی ۱۲۲
۱۸۹۱ء کے فریڈرک اینگلس کا دیباچہ ۱۲۲
فرانس اور پروشیا کی جنگ پر پہلا خط جو انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کی جنرل کونسل نے بھیجا ۱۴۱
فرانس اور پروشیا کی جنگ پر انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کی جنرل کونسل کا دوسرا خط ۱۴۸
فرانس میں خانہ‌جنگی ۔ انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کا خط ۱۶۰
۱ ۔ ۱۶۰
۲ ۔ ۱۷۴
۳ ۔ ۱۸۵
۴ ۔ ۲۰۶
نوٹس ۲۲۵
فریڈرک اینگلس ۔ مزدور طبقے کے سیاسی عمل کے بارے میں ۲۳۱
کارل مارکس ۔ گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر ۲۳۳
فریڈرک اینگلس کا دیباچہ ۲۳۳
کارل مارکس ۔ ولہلم براکے کے نام خط ۲۳۵
کارل مارکس ۔ جرمن مزدور پارٹی کے پروگرام پر ایک نظر ۲۳۸
۱ ۔ ۲۳۸
۲ ۔ ۲۵۳
۳ ۔ ۲۵۶
۴ ۔ ۲۵۷
فریڈرک اینگلس ۔ بیبل کے نام خط ۲۶۶
فریڈرک اینگلس ۔ ''فطرت کی جدلیات،، کا تعارف ۲۷۷
تشریحی نوٹ ۳۰۴
ناموں کا اشاریہ ۳۵۸

کارل مارکس

سیاسی معاشیات کی تنقید پر[1]

دیباچہ

میں بورژوا معیشت کے نظام کا اس ترتیب سے جائزہ لینا چاہتا ہوں: سرمایہ، زمین جائداد، مزدوری (اجرتی محنت)، ریاست، غیرملکی تجارت اور عالمی منڈی۔ پہلے تین عنوانوں کے تحت ان تین بڑے طبقوں کی زندگی کے معاشی حالات کی چھان بین کروں گا جن میں آج کی بورژوا سوسائٹی بٹی ہوئی ہے۔ باقی تینوں عنوانوں کا باھمی تعلق تو ظاہر ہے۔ کتاب اول کا پہلا حصہ جس میں سرمائے سے بحث کی گئی ہے، تین بابوں پر تقسیم ہے: (۱) مال، (۲) زر یا روپیہ یا صرف رقم کی گردش، (۳) سرمایہ عام طور سے۔ پہلے دو باب میں موجودہ کتاب کا سارا بیان آجاتا ہے۔ تمام سروسامان میرے سامنے مونو گرافوں کی صورت میں پھیلا ہوا ہے جو مختلف اوقات میں بڑے بڑے وقفوں سے لکھے گئے تھے اور اشاعت کے خیال سے نہیں بلکہ صرف ذاتی وضاحت یا تشریح کی خاطر لکھے گئے تھے۔ اوپر دئے ہوئے نقشے کے مطابق ان مونو گرافوں کا آگے تک پھیلاؤ اس پر منحصر ہے کہ باہر کے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

میں نے جو عمومی دیباچے (۲) کا خاکہ تیار کر رکھا تھا اسے چھوڑتا ہوں کیوں کہ جب گہرائی تک نظر ڈالی تو میں اس فیصلے پر پہنچا کہ ایسے نتیجوں کا پہلے سے قیاس کر لینا جو ابھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے ہیں، الجھاؤ پیدا کرے گا، پس یہی مناسب ہے کہ پڑھنے والا جو میرے ساتھ آنا چاہے وہ خاص سے عام کی طرف بڑھتا چلا

آئے ۔ البتہ کچھ یادداشتیں جو میں نے اپنے سیاسی معاشی مطالعے کے سلسلے میں تیار کی تھیں، یہاں موقع موقع سے بیان ہوتی رہیں گی۔

تعلیم میں میرا خاص مضمون تھا قانون، تاہم فلسفے اور تاریخ کے ساتھ ساتھ میں قانون کے مضامین کو ثانوی حیثیت سے سیکھتا رہا ۔ ۱۸۴۲ء — ۴۳ میں جب «Rheinische Zeitung» (۳) کا ایڈیٹر تھا تو مجھ کو مشکل پیش آئی کہ پہلی بار ان اختلافی سوالوں پر زبان کھولنی پڑی جنھیں 'مادی مفاد، کہتے ہیں ۔ رائن صوبے کے لاندتاگ (قانون‌ساز اسمبلی) میں جنگل کی چوریوں اور زمین جائداد کی تقسیم پر جو بحثابحثی ہوئی، رائن صوبے کے اس وقت کے ''اوبر پریسیڈنٹ،، (چیرمین) فان شاپر کی موزیل کے کسانوں کی حالت پر جو سرکاری بحث «Rheinische Zeitung» اخبار کے ساتھ چلی اور ہوتے ہوتے آخر تجارت کی آزادی اور حفاظتی ڈیوٹی لگانے پر جو مباحثے چھڑ گئے، ان سب نے ٹھوکے دے کر مجھے معاشی اقتصادی سوالوں کا مطالعہ کرنے میں لگادیا ۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ ان دنوں جب ''قدم آگے بڑھانے،، کی تمنا تو کہیں زیادہ تھی لیکن موضوع کی معلومات بہت کم، «Rheinische Zeitung» اخبار میں فرانسیسی سوشلزم اور کمیونزم کی گونج بھی سنائی دینے لگی، اگرچہ فلسفیانہ رنگ اتنا چوکھا نہیں تھا ۔ میں نے اس ادھ کچرے‌پن کے خلاف اظہار خیال کیا لیکن آگس‌برگ کے اخبار «Allgemeine Zeitung» (۴) سے سوال جواب کرنے میں کھلے طور سے یہ مان لیا کہ فی الحال میری معلومات اتنی نہیں ہیں کہ فرانسیسی رجحانات کی حقیقت پر کوئی فیصلہ دینے کی ہمت کر سکوں ۔ اور تو اور، میں نے «Rheinische Zeitung» اخبار چلانے‌والوں کی اس خوش‌فہمی سے بروقت اور خوب کام نکالا کہ اگر اخبار نرم یا مصالحت آمیز رویہ اختیار کرلے تو اس کا پھانسی کا پھندا ڈھیلا ہوجائے گا ۔ اور میں نے سماجی اکھاڑہ چھوڑ کر مطالعے‌والے کمرے کا رخ کیا ۔

پہلی تصنیف جسے میں نے اپنی الجھنیں دور کرنے کے لئے سامنے رکھا وہ ہیگل کے فلسفۂ حقوق کا تنقیدی مطالعہ * تھی جس کا دیباچہ

---

* کارل مارکس ''ہیگل کے فلسفۂ حقوق کی تنقید پر،، ۔ (ایڈیٹر)

۱۸۴۴ء میں پیرس سے شائع ہونےوالے اخبار «Deutsch-Französische Jahrbücher» (۵) میں شائع ہوا تھا۔ میری تحقیق و تلاش نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ ریاست کی مختلف شکلوں کی طرح حقوق یا قانون کی کڑیوں کو بھی، نہ تو بجائے خود سمجھا جا سکتا ہے نہ اس کی مدد سے سلجھایا جاسکتا ہے جسے انسانی اسپرٹ کی عام اٹھان کہتے ہیں، بلکہ اس کے برخلاف باہمی حقوق کی جڑیں زندگی کے ان مادی تعلقات کے اندر اتری ہوئی ہیں جن کے مجموعے کو ہیگل فلسفی نے اٹھارویں صدی کے انگریز اور فرانسیسی ادیبوں کی دیکھا دیکھی ''شہری سماج،، کا نام دیا ہے اور اگر اس شہری سماج کے کل پرزے معلوم کرنے ہوں تو سیاسی معاشیات میں تلاش کرنے ہوں گے۔ اس مضمون کا مطالعہ میں نے پیرس میں شروع کیا تھا اور جب وہاں سے مجھے مسٹر گیزو کے حکم سے جلاوطن کیا گیا تو میں بروسلز میں بس گیا اور یہاں بھی یہ مطالعہ جاری رکھا۔ میں اپنی تلاش میں جس عام نتیجے تک پہنچا اور جو بعد میں میری تحقیق کے لئے نشان راہ بنتا چلا گیا وہ مختصر طریقے سے یوں پیش کیا جا سکتا ہے: لوگ جب مل کر زندگی میں کوئی چیز پیدا کرتے ہیں تو پیدا یا تیار کرتے وقت لازمی طور سے وہ باہم ایسے تعلقات بھی بنا لیتے ہیں جن تعلقات میں ان کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا البتہ پیداوار میں یہ تعلقات ان کی مادی پیداواری طاقتوں کے اس خاص مرحلے سے (جس پر وہ پہنچے ہوں) ضرور میل کھاتے ہیں۔ پیداوار میں لوگوں کے ان باہمی تعلقات کی کل میزان ہے سماج کا معاشی ڈھانچہ یا وہ اصلی داغ بیل جس پر قانون اور سیاست کی عمارتیں چنی جاتی ہیں اور سماجی شعور کی مختلف شکلیں بھی اسی سے مناسبت رکھتی ہیں۔ مادی زندگی کا طریق پیداوار ہی عام طور سے زندگی کے سماجی، سیاسی اور ذہنی عمل کی راہیں طے کرتا ہے۔ وہ لوگوں کا شعور نہیں ہے جو زندگی کا رخ مقرر کرتا ہو بلکہ اس کے برخلاف لوگوں کی سماجی زندگی ان کے شعور کا رخ مقرر کرتی ہے۔ سماج کی مادی پیداواری طاقتیں جب ترقی کرکے ایک خاص مرحلے پر پہنچتی ہیں تو اس وقت کے پیداوار میں قائم‌شدہ تعلقات سے ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے، یا اگر قانونی لفظوں

میں کہنا ہو تو یوں کہیں‌گے کہ ملکیت کے ان تعلقات سے ٹکرا جاتی ہیں جن کے ہوتے وہ اب تک ترقی کرتی رہی تھیں۔ پیداوار میں یہ تعلقات اب تک تو پیداواری طاقتوں کی ترقی کی شکل تھے، اب وہ ان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ تب سماجی انقلاب کا دور شروع ہوتا ہے۔ معاشی اقتصادی بنیاد بدل‌جانے کے ساتھ کم و بیش تیزی کے ساتھ اوپر چنی ہوئی عمارتوں کی بھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ جب اس کایاپلٹ پر غور کیا جائے تو لازم ہے کہ پیداوار کے معاشی حالات میں اس مادی تبدیلی کو، جسے قدرتی سائنسوں کی سی ناپ تول کے ساتھ قطعی طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے، ان قانونی، سیاسی، مذہبی، فنی اور فکری، مختصر یہ کہ ان نظریاتی شکلوں سے شناخت کرنا چاہئے جن کے ذریعے لوگ اس تصادم یا ٹکراؤ کا اظہار کرتے ہیں اور جن میں اس ٹکراؤ سے نکلنے کےلئے طاقت لگاتے ہیں۔ جس طرح ہم کسی آدمی کے متعلق اپنی رائے قائم کرنے میں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے، عین اسی طرح کایاپلٹ کے کسی خاص دور پر فتوا دیتے وقت اس دور کے شعور کو بنیادی وجہ نہیں مان لینا چاہئے۔ اس کے برخلاف ہونا یہ چاہئے کہ اس شعور یا سوجھ بوجھ کی وجہ معلوم کی جائے مادی زندگی کے تضاد میں، اور اس بات میں کہ سماجی پیداواری طاقتوں کے اور پیداوار میں انسانی تعلقات کے درمیان کونسا ٹکراؤ چل رہا تھا۔ کوئی سماجی نظام اس وقت تک تلپٹ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تمام پیداواری طاقتیں جن کے پنپنے کی اس نظام میں گنجائش ہوتی ہے، خوب پھل پھول نہ چکی ہوں، پیداوار میں نئے اور زیادہ بلند سطح کے تعلقات اس وقت تک کبھی نہیں ابھرتے جب تک کہ اسی پرانے سماج کے وجود کے اندر سے اس کے لئے مادی حالات اور اسباب پک کر تیار نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم انسانیت اپنے ذمے وہی فریضے لیتا ہے جو وہ پورے کر سکے، چناں‌چہ اگر زیادہ غور کیا جائے تو ہمیشہ یہ بات کھل کر سامنے آجائےگی کہ خود فریضہ بھی تبھی سامنے آتا ہے جب اس کے لئے مادی حالات یا تو موجود ہوں یا کم‌ازکم اتنا ہو کہ آگے بڑھتے بڑھتے کسی مقام پر ان کی نوبت آجائے۔ موٹے اندازے سے یوں

کہیں گے کہ ایشیائی قدیم یونانی جاگیرداری اور موجودہ زمانے کا بورژوائی طریق پیداوار — ان سب کو معاشی سماجی بناوٹ کے درجہ بدرجہ مختلف دور سمجھنا چاھئیے۔ پیداوار میں جو بورژوائی تعلقات ھیں وہ پیداوار کے سماجی عمل میں تناتنی کی ایک آخری شکل ھیں، مطلب یہ نہیں کہ کوئی ذاتی کشاکش ھے بلکہ اس کا مطلب ھے کہ افراد کی زندگی کے سماجی حالات سے یہ تناتنی اور ٹکراؤ کی صورت نکلتی ھے۔ یہی پیداواری طاقتیں جو بورژوائی سماج کے وجود کے اندر پنپتی ھیں، اس تناتنی سے نکلنے کے مادی حالات و اسباب بھی پیدا کر دیتی ھیں۔ چناں‌چہ بورژوائی سماجی بناوٹ کے ھاتھوں انسانی سماج کے ماقبل تاریخ کا سلسلہ ختم ھو جاتا ھے۔

جب سے فریڈرک اینگلس کا وہ شاندار خاکہ شائع ھوا جو انھوں نے اقتصادی درجوں کی تنقید پرلکھاتھا * («Deutsch-Französische Jahrbücher» اخبار میں) میں ان کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے برابر تبادلۂ خیالات کرتا رھا اور اینگلس دوسرے راستے سے (ملاحظہ ھو ان کی تصنیف ''انگلینڈ میں مزدور طبقے کی حالت ۱۸۴۴ء میں،،) اسی نتیجے پر پہنچے جس پر میں پہنچا تھا اور جب ۱۸۴۵ء میں انھوں نے بھی بروسلز شہر کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنا لیا تو ھم نے فیصلہ کیا کہ مل کر جرمن فلسفے کے نظریاتی خیالات کے توڑ پر اپنے خیالات کا پورا نقشہ تیار کریں، یا اصلیت میں، اپنے تب تک کے فلسفیانہ ضمیر کا حساب صاف کر دیں۔ اس فیصلے نے عملی جامہ یوں پہنا کہ ھیگل کے بعد کے فلسفے کی تنقید لکھی گئی**۔ اس کتاب کا مسودہ، جو آٹھ ورق فی جز کے حساب سے دو موٹی موٹی جلدوں میں تھا، ویسٹ‌فالیا میں اشاعت کے انتظار میں بہت دن پڑا رھا یہاں تک کہ ھمیں اطلاع دی گئی کہ حالات بدل جانے سے اب اس مسودے کی چھپائی نہیں ھو سکتی۔ ھم نے بڑی خوشی سے وہ مسودہ چوھوں کی کٹیلی تنقید کے سپرد

---

* فریڈرک اینگلس ''سیاسی معاشیات کی تنقید پر ایک نظر،،۔ (ایڈیٹر)

** مارکس، اینگلس ''جرمن آئڈیالوجی،،۔ (ایڈیٹر)

کر دیا کیوں کہ ھمارا جو اصل مقصد تھا کہ مسئلہ اپنی نظر میں صاف ھو جائے، وہ مقصد حاصل ھو چکا تھا۔ اور ان مختلف تحریروں میں سے، جو ھم نے اپنے نقطۂ نظر کی کسی نہ کسی سمت سے تشریح کے خیال سے ان دنوں پبلک کے سامنے پیش کی تھیں، یہاں صرف چند کا تذکرہ کر دوں، ایک وہ، جس کی تصنیف میں اینگلس اور میں شریک ھیں، ''کمیونسٹ پارٹی کا مینی‌فسٹو''* اور ایک ''تجارت کی آزادی پر بیان،، جو خود میں نے شائع کرایا تھا۔ ھمارے خیالات کے فیصلہ کن نکتے پہلی بار علمی طریقے سے، اگرچہ ان میں مناظرے کا رنگ تھا، میری تصنیف ''فلسفے کا افلاس،، میں پیش ھوئے جو ۱۸۴۷ء میں شائع ھوئی اور اس کا رخ تھا فلسفی پرودھوں کے خلاف۔ ''مزدوری اور سرمایہ،،** نام کا ایک مقالہ، جہاں میں نے اس موضوع پر بروسلز جرمن ورکرز سوسائٹی (۶) کے سامنے دئے ھوئے اپنے سب لکچر جرمن زبان میں لکھے ھوئے جمع کر دئے تھے، ابھی پریس میں تھا کہ فروری ۱۸۴۸ء کے انقلاب (۷) اور اس کے بعد بروسلز سے میرے نکالے‌جانے کے سبب اشاعت سے رہ گیا۔

۱۸۴۸ء اور ۱۸۴۹ء کے زمانے میں «Neue Rheinische Zeitung» (۸) اخبار کی ایڈیٹری نے اور اس کے بعد کے واقعات نے معاشیات پر میرے مطالعے کا سلسلہ توڑ دیا جو لندن پہنچ کر کہیں ۱۸۵۰ء میں پھر جاری ھوا۔ برٹش میوزیم میں سیاسی معاشیات کی تاریخ کے موضوع پر جو زبردست ذخیرہ موجود ھے، وہ اور اس کے علاوہ خود لندن جو بورژوائی سماج کا مطالعہ اور مشاھدہ کرنے کے‌لئے بڑے موقع کی جگہ ھے اور اوپر سے اس سماج کی ترقی کا تازہ‌ترین مرحلہ جس میں سب سے تازہ کیلی‌فورنیا (امریکہ) اور آسٹریلیا میں سونے کی دریافت ھونا شامل ھے، ان حالات نے مجھ سے یہ فیصلہ کرایا کہ پھر شروع سے ھی مطالعہ کرنا چاھئے اور نئے میٹریل میں خوب چھان بین کرنی چاھئے۔ اس طرح لگ‌کر کام کرنے سے، کچھ تو یہ مطالعہ بجائے خود ایسے سوالوں کی طرف کھینچ لے گیا جو پہلی نظر میں اصل مضمون سے

* اسی سلسلے کے حصۂ اول میں شامل ھے۔ (ایڈیٹر)

** اسی سلسلے کے حصۂ اول میں شامل ھے۔ (ایڈیٹر)

قطعی بے تعلق معلوم ہوتے تھے، لیکن ان پر مجھے تھوڑا بہت اور جم کر کام کرنا پڑا۔ کام کی جتنی مہلت ملی اس کا بھی ایک حصہ یوں کٹ گیا کہ گزر اوقات کے لئے کچھ کام کرنا اور وقت خرچ کرنا پڑتا تھا۔ اب مجھے پہلے انگریزی امریکی اخبار «New-York Daily Tribune» (۹) کے لئے کام کرتے آٹھ سال ہو گئے ھیں (اخبار کے لئے میں یوں بھی کسی خاص وجہ کے بغیر نہیں لکھتا) جس سے میرے علمی مشغلوں میں غیرمعمولی خلل پڑتا رہا ھے اور ان کا سلسلہ اکثر ٹوٹتا رہا ھے۔ بہرحال انگلینڈ میں اور یورپ میں اقتصادی زندگی کے نمایاں واقعات پر مضامین لکھنے کی خاطر مجھے اخباروں میں اپنی محنت کا خاصہ بڑا حصہ لگا دینا پڑا اور مجبوراً ایسی عملی تفصیلات سے بھی آگاھی حاصل کرنا ضروری ھو گیا جو سیاسی معاشیات کے اصل علمی مضمون سے باھر کی بات ھیں۔

سیاسی معاشیات کے دائرے میں اپنی مصروفیت اور مطالعے کی رفتار کا جو تذکرہ میں نے یہاں کیا ھے، اس سے صرف اتنا ھی ظاھر کرنا مقصود ھے کہ میرے یہ خیالات، چاھے ان کے بارے میں کوئی بھی فتوا دیا جائے اور حاکم طبقوں کے خودغرضانہ تعصبات سے چاھے وہ کتنی ھی کم مطابقت رکھتے ھوں، تاھم وہ دیانت‌داری کے ساتھ برسوں کی تلاش اور ریسرچ کا حاصل ھیں۔ رھا علم تو اس کے دروازے پر بھی باب دوزخ کی طرح یہی نقش ھونا چاھئے کہ:

«Qui si convien lasciare ogni sospetto;
Ogni viltà convien che qui sia morta».*

لندن، جنوری ۱۸۵۹ء کارل مارکس

یہ دیباچہ برلن ۱۸۵۹ء میں شائع ھونےوالی کتاب «Zur Kritik der politischen Oekonomie von Karl Marx». Erstes Heft. میں پہلی بار شائع ھوئی تھی۔

*"لرزتے قدموں کا اس جا گزر نہیں ھوتا
نگاہ و دل کو یہاں کچھ خطر نہیں ھوتا۔"
(دانتے۔ "طربیہ خداوندی")۔ (ایڈیٹر)

کارل مارکس

اُجرت، قیمت اور منافع ۱۰

شروعات کے چند جملے

صاحبان!

نفس مضمون کی طرف آنے سے پہلے، شروعات کے چند جملے کہنے کی اجازت دیجئیے۔

فی الحال پورے یورپ میں ہڑتالوں کی ایک وبا پھیلی ہوئی ہے اور اجرت بڑھوانے کی مانگ ہر طرف عام ہے۔ ہماری کانگرس میں یہ سوال زیربحث آئے گا۔ آپ لوگ جو انٹرنیشنل ایسوسی‌ایشن (۱۱) کے سربراہ ہیں، آپ کی رائے اس نہایت اہم مسئلے پر خوب جچی تلی ہونی چاہئیے۔ لہازا میں اسے اپنا فرض سمجھتاہوں کہ مسئلے کی جڑ بنیاد تک پہنچوں اور اس کی خاطر آپ صاحبان کی قوت برداشت کو امتحان میں ڈالنے کا خطرہ بھی مول لے رہا ہوں۔

شروع کرتے وقت دوسرا ریمارک مجھے ویسٹن صاحب کی بابت دینا ہے۔ انھوں نے مزدور طبقے کے مفاد کی خدمت کے خیال سے نہ صرف آپ کے سامنے بلکہ پبلک کے سامنے کھلے طور پر ایسے خیالات کی حمایت کی ہے جو مزدور طبقے میں، جیسا کہ انھیں خبر ہوگی، انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں اخلاقی جرأت کے ایسے اظہار کی بڑی قدر ہونی چاہئیے۔ مجھے امید ہے کہ اگرچہ میری تقریر کا لب و لہجہ تیکھا ہوگا، لیکن اس کے تمام ہونے پر

ویسٹن صاحب دیکھ لیں گے کہ میں اس خیال سے اتفاق رکھتا ہوں جس سے انھوں نے (میرا یہ اندازہ ہے) اپنے نظریاتی مقالے کی تیاری و ترتیب میں آغاز کیا ہوگا اگرچہ اب جو شکل ان مقالوں کی ابھر کر آئی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں نظریاتی لحاظ سے باطل اور عملی لحاظ سے خطرناک ہوگی۔

خیر، اب میں سوال زیربحث کی طرف آتا ہوں۔

۱ - پیداوار اور اجرت

ویسٹن صاحب کا سارا استدلال دو قیاسوں پر رکھا ہوا ہے:

اول یہ کہ ساری کی ساری قومی پیداوار کوئی ایک جامد چیز ہے، اس کی ایک مستقل مقدار یا علم حساب‌والوں کی زبان میں یوں کہیں کہ ایک قطعی حاصل جمع ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اصل اجرت کی کل رقم، یعنی سب اجرتیں مل ملا کر اس حساب سے جتنا مال وہ خرید سکتی ہوں، وہ بھی ایک جامد رقم ہے اور اس کا حاصل جمع بھی قطعی ہوتا ہے۔

اب یہ پہلا ہی دعوا صاف غلط نکلتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سال بسال پیداوار کی ویلیو اور کل مقدار بڑھتی جاتی ہے، قومی محنت کی پیداواری طاقت برابر بڑھ رہی ہے، اور اس بڑھتی ہوئی پیداوار کو گردش میں رکھنے کے لئے جتنی نقد رقم کا ہونا لازمی ہے، اس کی مقدار بھی لگاتار بدلتی جا رہی ہے۔ ایک دوسرے سے مقابلہ یا موازنہ کرتے وقت جو بات پورے سال کے لئے یا مختلف برسوں کے لئے درست ہے، وہی کسی سال کے مختلف دنوں یا ہر ایک دن کے لئے درست ٹھہرتی ہے۔ قومی پیداوار کی کل مقدار یا حاصل جمع لگاتار بدلتی رہتی ہے۔ اس حاصل جمع کو ثبات نہیں، تغیر ہے۔ آبادی کی تعداد میں جو کمی بیشی ہوتی ہے، اس سے اگر قطع نظر کر لیا جائے، تب بھی قومی پیداوار کی کل مقدار ایک حال پر اس وجہ سے

نہیں رہ سکتی کہ سرمائے کا ذخیرہ ہونا اور محنت کی پیداواری طاقت یہ دونوں لگاتار بدلتے رہتے ھیں۔ یہ بالکل درست ھے کہ اگر کسی روز اجرتوں کا عام معیار چڑھ جائے تو چاھے بعد میں کچھ بھی نتیجے نکلیں، تاھم صرف اس معیار کے چڑھ جانے سے پیداوار کے حاصل جمع پر براہ راست کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو صورت حال اس وقت ہوگی شروع میں اسی کی بنیاد پر کام چلتا رہےگا۔ لیکن اگر قومی پیداوار اجرتیں بڑھ جانے سے پہلے تک کوئی جامد نہیں بلکہ متحرک یا بدلتی رہنے والی کل مقدار ھے تو پھر اجرتیں بڑھ جانے کے بعد بھی وہ جامد نہیں بلکہ متحرک ھی رہےگی۔

اچھا فرض کریں کہ قومی پیداوار کی کل مقدار متحرک نہیں بلکہ جامد یا ایک حال پر رہنےوالی ھے۔ تب بھی وہ بات جسے ہمارے دوست ویسٹن ایک منطقی نتیجہ سمجھ رھے ھیں لفظی الٹ پھیر کے سوا اور کچھ نہیں ٹھیرتی۔ اگر ایک مقررہ عدد ہمارے سامنے ھے، فرض کیجئے آٹھ ھے، تو آٹھ کے عدد کی جو واقعی حد ھے، اس کے اندر رہ‌کر باقی دوسرے عدد اپنی باھمی نسبت آسانی سے بدل سکتے ھیں۔ اس آٹھ کے عدد میں اگر منافع کا عدد چھہ ھے اور اجرت کا دو تو یہ ممکن ھے کہ اجرت بڑھ‌کر ۶ ہو جائے اور منافع دو رہ جائے۔ یوں بھی دونوں کی جمع آٹھ ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ پیداوار کی کل مقدار کے نہ‌بدلنے کا کسی صورت میں بھی یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اجرتوں کی کل مقدار بھی ایک حال پر رہی ہو۔ اس صورت میں ہمارے دوست ویسٹن کیونکر ثابت کرتے ھیں کہ اجرت کی کل مقدار ایک حال پر رہتی ھے؟ ثابت ھی نہیں کرتے، اس پر اصرار کرتے ھیں۔

چلئے، ان کا یہ اصرار بھی مان لیا — تب تو اسے دونوں سمتوں میں کارگر ہونا چاھئے، لیکن وہ صرف ایک سمت میں اسے کارگر دکھاتے ھیں۔ اگر اجرتوں کی کل مقدار ایسی حاصل جمع کا نام ھے جو بدلتی نہیں، تو پھر نہ وہ بڑھنی چاھئے، نہ گھٹنی۔ مطلب یہ کہ اگر مزدور عارضی طور سے اپنی اجرتیں بڑھوانے کی کوشش کرتے ھیں تو

ان کی یہ حرکت معقول نہیں ہے، تب سرمایہ‌داروں کی بھی یہ حرکت نامعقول ہوئی کہ وہ عارضی طور سے ان کی اجرتیں گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے دوست ویسٹن کو اس سے انکار نہیں کہ خاص حالات میں مزدور یہ کر سکتے ہیں کہ سرمایہ‌داروں کو مجبور کر کے اپنی اجرتیں بڑھوا لیں، لیکن چوں‌کہ اجرتوں کی کل مقدار قدرتی طور سے معین معلوم ہوتی ہے، اس لئے اجرتیں بڑھوا لینا آخر رنگ لائے گا۔ دوسری طرف سے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سرمایہ‌دار یہ کرسکتے ہیں کہ اجرتیں گھٹا دیں اور سچ پوچھئے تو وہ مستقل اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن اجرتوں کی مجموعی مقدار ایک حال پر رہنے کا اصول یہ کہتا ہے کہ اجرتیں گھٹانا بھی، اجرتیں بڑھوا لینے کی طرح رنگ لاتا ہے۔ چناں‌چہ اجرتیں گھٹائے جانے یا گھٹانے کی کوشش ہونے کے جواب میں محنت‌کش صحیح کارروائی کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے یہ صحیح کارروائی ہے کہ اپنی اجرتیں بڑھوائیں، کیوں‌کہ اجرتیں گھٹانے کی جوابی کارروائی یہی ہوگی کہ اجرتیں بڑھوانے کے لئے کارروائی کی جائے۔ ویسٹن صاحب کے نزدیک اجرتوں کے ایک حال پر رہنے کا اصول یہ کہتا ہے کہ محنت‌کشوں کو بعض خاص حالات میں یہ کرنا چاہئے کہ اجرتیں بڑھوانے کے لئے متحد ہوں اور اس کی پوری کوشش کریں۔

اگر انھیں اس نتیجے سے انکار ہے تو پھر جس قیاس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اسی قیاس سے انکار کریں۔ انھیں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اجرتوں کی کل مقدار ایک جامد مقدار ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اجرتوں کی کل مقدار نہ تو بڑھ سکتی ہے اور نہ اسے بڑھنا چاہئے، البتہ جب بھی سرمایہ مناسب جانے، وہ گھٹ سکتی ہے اور اسے گھٹ جانا چاہئے۔ اگر سرمایہ‌دار کے دل میں نیکی آئے کہ وہ آپ کو گوشت کی جگہ آلو اور گیہوں کے بجائے جو کھلائے تو آپ اس کی یہ مرضی سیاسی معاشیات کا قانون سمجھ کر پوری کیجئے اور اس کے سامنے سر جھکا دیجئے۔ اب اگر ایک ملک میں اجرتیں دوسرے ملک کی اجرتوں سے زیادہ ہیں، مثلاً یہ کہ ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ میں

انگلینڈ سے زیادہ ھیں تو آپ اجرتوں کے معیار کے اس فرق کی یہ تشریح کر سکتے ھیں کہ امریکی سرمایہ‌دار کی مرضی اور برطانوی سرمایہ‌دار کی مرضی میں فرق پڑتا ھے۔ یہ ایسی ترکیب ھے جو صرف معاشی اقتصادی مظاھر کو ھی نہیں بلکہ اور تمام مظاھر کے مطالعے کو بھی بے‌حد آسان اور سیدھا سادہ بنا دیتی ھے۔

پھر اس معاملے میں بھی ھم وھی سوال اٹھا سکتے ھیں: آخر امریکی سرمایہ‌دار کی مرضی برطانوی سرمایہ‌دار کی مرضی سے مختلف کیوں ھے؟ اس کا جواب دینے کے لئے آپ کو مرضی کے دائرے سے باھر کہیں جانا پڑے گا۔ ایک پادری یہ کہہ سکتا ھے کہ خدا کی مشیت فرانس میں اور ھے اور انگلینڈ میں کچھ اور۔ اس پر بھی اگر میں اصرار کروں کہ آخر پروردگار کے ھاں مشیت کی یہ دوئی کیوں ھے تو وہ ھچکچائے بغیر جواب دے سکتا ھے کہ خدا کی باتیں خدا ھی جانے، فرانس میں اس کی ایک مرضی ھے، انگلینڈ میں دوسری۔ مگر ظاھر ھے کہ ھمارے دوست ویسٹن اس قسم کی دلیل میں پناہ نہیں لینے‌والے جہاں کسی طرح کے استدلال کی گنجائش نہ رھے۔

اس میں شک نہیں کہ سرمایہ‌دار کی مرضی ھے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ وصول کرسکے، کرلے۔ لیکن ھمارا کام یہ نہیں کہ اس کی مرضی کی تشریح کرتے پھریں بلکہ ھمارا کام یہ ھے کہ سرمایہ‌دار کی طاقت کا کھوج لگائیں، اس طاقت کی حدوں کا اور ان حدوں کی نوعیت کا پتہ لگائیں۔

۲ ۔ پیداوار، اجرت اور منافع

ویسٹن صاحب نے جو خطبہ ھمیں سنایا ھے اس کا لب لباب پیش کیا جاسکتا ھے۔

ان کی ساری دلیلیں گھوم پھرکر یہیں آتی ھیں کہ: اگر مزدور طبقہ سرمایہ‌دار طبقے کو مجبور کرکے نقد اجرت کی صورت میں چار کے بجائے پانچ شلنگ وصول کرتا ھے تو سرمایہ‌دار اس کے جواب میں

جو سامان دے گا وہ پانچ کا نہیں، چار شلنگ کی مالیت کا ہوگا۔ اب مزدور طبقے کی جیب سے اسی سامان کے پانچ شلنگ جائیں گے جس کے وہ اجرت بڑھنے سے پہلے چار شلنگ دیا کرتا تھا۔ مگر ایسا ہوتا ہی کیوں ہے؟ سرمایہ‌دار پانچ شلنگ کے بدلے میں صرف چار شلنگ کی مالیت کا سامان ہی کیوں دیتا ہے؟ کیوں کہ اجرت کی رقم مقرر ہے۔ مگر وہ چار شلنگ کی مالیت کے سامان پر ہی کیوں ٹھیری ہوئی ہے؟ تین یا دو شلنگ یا کسی اور رقم پر کیوں مقرر نہیں؟ اگر اجرت کی رقم کی حد کسی معاشی قانون سے طے پاتی ہے، وہ نہ سرمایہ‌دار کی مرضی کی تابع ہے، نہ محنت کش کی مرضی کی پابند — تو ویسٹن صاحب کو پہلا کام یہ کرنا چاہئے تھا کہ وہ قانون بیان کریں اور اسے ثابت کر دیں۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی ثابت کرنا چاہئے تھا کہ اجرت کی رقم جو کسی ایک وقت میں ادا کی جاتی ہے وہ ہمیشہ اتنی ہی ہوتی ہے جسے لازمی رقم شمار کیا جائے — اس تناسب سے کبھی ادھر یا ادھر نہیں ہوتی۔ اب اگر ایسا ہوتا کہ اجرت کی موجودہ رقم کی حدیں یا تو سرمایہ‌دار کی محض ذاتی مرضی پر منحصر ہوتیں یا اس کے لالچ کی حدوں کی پابند ہوتیں تو یہ حدیں من مانی ہیں، ان میں کچھ بھی لازمی اور قطعی نہیں، سرمایہ‌دار کی مرضی کے مطابق بھی بدل سکتی ہیں اور مرضی کے خلاف بھی۔

ویسٹن صاحب نے اپنے نظریے کی تصویر یوں کھینچی ہے کہ اگر ایک دیگچی میں شوربے کی مقررہ مقدار سماتی ہے جو گنتی کے مقررہ آدمیوں کے لئے تیار کی گئی ہے، چمچہ یا کفگیر اگر اور بڑا ہو جائے تو اس سے شوربے کی مقدار نہیں بڑھ جائے گی۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ اس مثال میں چمچہ بہت پھرا دیا گیا ہے۔ اس پر مجھے ایک ایسا ہی واقعہ یاد آ گیا جسے مننینی آگریپا نے بیان کیا ہے۔ جب روم کی پرجا (plebeians) نے روم کے آقاؤں (patricians) کے خلاف هڑتال کی تو آقا آگریپا نے ان سے کہا کہ پتریشین (مالک) پیٹ سے ملک کے بدن کے پلےبین (پرجاوالے) اعضا کو غذا پہنچتی ہے۔ تاهم وہ یہ کہنے سے چوک گیا کہ ایک کا پیٹ بھر کر دوسرے کے اعضا کو غذا پہنچائی جا سکتی ہے۔ ویسٹن صاحب بھی چوک گئے کہ

جس دیگچی سے محنت کشوں کو غذا ملتی ہے وہ قومی محنت کی پوری پیداوار سے بھری جاتی ہے، وہ چیز جو انہیں دیگچی میں سے کچھ زیادہ لینے سے روکتی ہے وہ دیگچی کا چھوٹا ہونا یا اس کے اندر کا مال تھوڑا ہونا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ ان کے چمچے چھوٹے ہیں۔

وہ کونسی ہوشیاری ہے جس سے ایک سرمایہ‌دار یہ راستہ نکال لیتا ہے کہ چار شلنگ کی مالیت پانچ شلنگ میں دے؟ جو مال اسے فروخت کرنا ہے اس کی قیمت بڑھا کر یہ راستہ نکالا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قیمت کا بڑھنا، بلکہ عام طور سے مال کی قیمتوں کا گھٹنا بڑھنا یا مال کی قیمتیں محض سرمایہ‌دار کی مرضی پر منحصر ہیں؟ یا یوں ہے کہ اس مرضی کو عمل میں لانے کے لئے کچھ اور شرطوں کا ہونا لازم ہے؟ اگر ان حالات کا، ان شرائط کا تقاضا نہ ہو تو بازار بھاؤ کا تیز یا مندا ہونا، اس کا لگاتار بدلتے رہنا ایک بن بوجھی پہیلی بن جائے۔

اگر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ نہ تو محنت کی قوت پیداوار میں کوئی تبدیلی ہوئی، نہ سرمائے اور محنت کی اس مقدار میں کوئی فرق پڑا جو لگی ہوئی ہے، نہ روپے کی اس مالی حیثیت میں فتور آیا جس کے ذریعے سامان کی قیمتیں لگائی جاتی ہیں — بلکہ صرف اجرت کے معیار میں فرق آیا ہے تو پھر وہ کون‌سا طریقہ ہے جس سے اجرتوں کے بڑھ جانے کا اثر مال کی قیمتوں پر پڑجاتا ہے؟ اجرتوں کا بڑھنا قیمتوں پر صرف اسی صورت میں اثر ڈالتا ہے کہ مال کی مانگ اور سپلائی کے درمیان جو اصلی نسبت ہے اس نسبت کو متاثر کر دیتا ہے۔

یہ بالکل درست ہے کہ مزدور طبقہ — اس کی پوری تعداد نظر میں رکھیئے تو — اپنی آمدنی سب سے مقدم ضروریات پر خرچ کرتا ہے اور اس خرچ پر مجبور ہوتا ہے۔ اس لئے جوں ہی اجرتوں کا معیار عام طور پر اونچا اٹھتا ہے، ضروریات کی سب سے مقدم چیزوں کی مانگ بھی بڑھ جاتی ہے — نتیجہ یہ کہ بازار بھاؤ بھی اسی کے ساتھ بڑھ جاتے ہیں۔ بازار میں آنےوالا یہ سامان جن سرمایہ‌داروں کے ہاتھ سے نکلتا ہے، وہ اگر ایک طرف اجرت بڑھاتے ہیں تو دوسری طرف اپنے سامان کے بازار بھاؤ بڑھا کر حساب برابر کر لیتے ہیں۔ مگر ان

سرمایہ‌داروں کا کیا بنےگا جو سب سے مقدم ضروریات کا سامان تیار نہیں کرتے؟ ایسے سرمایہ‌دار کچھ کم ہوں‌گے، یہ سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ اگر آپ یہ دھیان میں رکھیں کہ قومی پیداوار کی دو تہائی کا استعمال آبادی کا صرف پانچواں حصہ کرتا ہے — بلکہ حال میں ہی دارالعوام کے ایک سمبرنے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آبادی کا صرف ساتواں حصہ ان کا استعمال کرتا ہے — تو سوچنے کی بات ہے کہ قومی پیداوار کا کتنا زبردست حصہ صرف عیش و آسائش کے سامان کے طور پر تیار کیا جاتا ہے یا ایسے سامان سے اس کا تبادلہ کیا جاتا ہے، اور مقدم ضروریات زندگی کا کتنا زبردست حصہ ہوگا جو فالتو خدمتگاروں پر، گھوڑوں، بلیوں وغیرہ پر ضائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنے تجربے سے معلوم ہے کہ جوں ہی مقدم ضروریات زندگی کے سامان کے بھاؤ بڑھنے لگتے ہیں، اس فضول خرچی کی حدیں ہمیشہ سکڑ جاتی ہیں۔

خیر، تو ان سرمایہ‌داروں کی پوزیشن کیا ہوگی جو ضروریات زندگی کا سامان تیار نہیں کرتے؟ کیوں‌کہ اجرتیں عموماً بڑھ جانے سے ان کے منافع کی شرح تو گرےگی اور وہ اپنے مال کے بھاؤ بڑھوا کر اس‌لئے حساب برابر نہیں کر سکتے کہ اس مال کی مانگ نہیں بڑھتی۔ ایسے سرمایہ‌داروں کی آمدنی گھٹےگی اور گھٹنے پر بھی انہیں ضروریات کا مہنگا سامان خریدنے کےلئے زیادہ خرچ کرنا پڑےگا۔ مگر یوں نہیں ہوتا۔ جب ان کی آمدنی گھٹتی ہے تو انہیں عیش و آسائش کے سامان پر اپنا خرچ گھٹانا پڑتا ہے اور اس صورت میں خود انھی کے اپنے مال پر آپس میں ایک دوسرے کی مانگ بھی گھٹتی چلی جاتی ہے۔ ہوتے ہوتے نتیجہ یہ کہ ان کے مال کی قیمتیں گرتی ہیں۔ اس کا اثر یہ کہ صنعت کی ان شاخوں میں منافع کی شرح اتر جاتی ہے اور یہ اترتی ہے اجرتوں کا معیار عام طور پر بڑھ جانےکی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اجرتوں کا معیار عموماً بڑھ جانا، مقدم ضروریات کی چیزوں کے بھاؤ چڑھ جانا اور عیش و آسائش کے سامان کی قیمتوں کا گرجانا، سب مل کر اس پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

صنعت کی مختلف شاخوں میں لگے ہوئے سرمایوں کو جب منافع کی شرح میں یہ فرق پڑے گا تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ لازمی بات ہے کہ وہی نتیجہ نکلے گا جو چاہے کسی حالت میں بھی ہو اور کسی سبب سے بھی ہو، لیکن پیداوار کے مختلف دائروں میں اوسط شرح منافع پر فرق پڑنے سے نکلتا۔ سرمایہ اور محنت دونوں کم نفع کی شاخوں سے نکل کر زیادہ نفع والی شاخوں کا رخ کرتے ہیں اور ایک سے دوسری میں ڈھلنے کا یہ سلسلہ تب تک چلتا رہتا ہے جب تک کہ صنعت کی بعض شاخوں میں مال کی سپلائی بڑھی ہوئی مانگ سے میل نہ کھائے اور صنعت کی دوسری شاخوں میں سپلائی کم ہوتے ہوتے گھٹی ہوئی مانگ کے برابر نہ آجائے۔ جب دونوں پلڑوں میں یہ ادل بدل ہو چکتی ہے تو صنعت کی مختلف شاخوں میں شرح منافع کا اوسط ایکسار ہو جاتا ہے۔ چوں کہ یہ ساری اونچ نیچ شروع ہوئی تھی صرف اس بات سے کہ مختلف مالوں کی رسد اور طلب کے باہمی توازن میں فرق پڑ گیا تھا، لہازا سبب دور ہونے پر اس کا اثر بھی جاتا رہا اور قیمتیں پھر پہلے کی سطح پر اور باہمی توازن پر پہنچ گئیں۔ منافع کی شرح کا گرنا، جو اجرتیں بڑھنے کا نتیجہ ہوتا ہے، صنعت کی بعض بعض شاخوں تک محدود رہنے کے بجائے سب میں عام ہو جاتا ہے۔ ہم نے جو فرض کیا تھا اس کی رو سے، نہ تو محنت کی قوت پیداوار میں فرق پڑا، نہ پیداوار کی کل میزان میں، البتہ تیار ہونے والے سامان کی کل مقدار کی صرف شکل بدل گئی۔ چناں چہ اب تیار ہونے والے سامان کا بڑا حصہ سب سے مقدم ضروریات زندگی کی شکل میں موجود ہے اور تھوڑا حصہ آسائش کے سامان کی صورت میں، یا اسی کو یوں کہیں کہ تھوڑا حصہ ایسا ہے جو عیش و آسائش کے بدیسی سامان سے بدلا جاتا ہے اور بیشتر اپنی اصل شکل میں ہی کھپ جاتا ہے، یا پھر اسی بات کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ دیسی پیداوار کا بڑا حصہ ایسا ہے جو آسائش کے سامان کے بدلے میں نہیں بلکہ بدیسی سامان ضرورت کے تبادلے میں جاتا ہے۔ لہازا جب اجرتوں کا معیار عام طور سے اونچا ہوتا ہے تو بازار کے بھاؤ میں تھوڑی بہت اونچ نیچ ضرور آتی

ہے، لیکن اس کے اثر سے صرف منافع کی شرح عام طور پر گر جاتی ہے — البتہ یہ نہیں ہوتا کہ مال کی قیمتوں میں کوئی مستقل* تبدیلی ہوجائے۔

اگر مجھ سے کہا جائے کہ اوپر جو دلیل دی ہے اس میں یہ فرض کرکے چلاھوں کہ اجرت میں جتنا اضافہ ہوگا وہ سارے کا سارا مقدم ضروریات زندگی پر خرچ ہو جائےگا تو جواب میں مجھے یہ کہنا ہے کہ میں نے فرض کرنے میں ویسٹن صاحب کی سہولت کو مدنظر رکھا ہے۔ اگر اجرت کے اضافے کی رقم ایسی چیزوں پر خرچ ہونے لگے جو مزدور پہلے استعمال نہیں کیا کرتے تھے تو پھر یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ مزدوروں کی اصل قوت خرید بڑھ گئی۔ تاہم چوں‌که ان کی قوت خرید کا یہ اضافہ محض نتیجہ ہے اجرت کے بڑھنے کا، اس لئے جس نسبت سے اجرت بڑھے اسی نسبت سے سرمایہ‌داروں کی قوت خرید گھٹنی چاہئے۔ اگر ایسا ہوتا تو مال کی جتنی مانگ ہوتی ہے اس کا عام ناپ تول نہ بڑھتا بلکہ مانگ کے اندر ضروریات اور آسائش کے سامانوں کا تناسب بدل جاتا۔ ایک طرف سے پلہ جھکتا تو دوسری طرف سے اٹھ جاتا۔ اور پھر چوں‌که مانگ کی مجموعی مقدار جوں کی توں بنی رہتی تو مال کے بازار بھاؤ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے تھا۔

یہاں ایک اور گتھی پڑتی ہے: یا تو یوں ہے کہ اجرتوں کا اضافہ استعمال کی سبھی چیزوں پر مساوی حیثیت سے خرچ ہوتا ہے، اس صورت میں مزدور طبقے کی طرف سے مانگ بڑھنے میں سرمایہ‌دار طبقے کی طرف سے مانگ گھٹنا لازم آتا ہے، یا پھر یوں ہے کہ اجرتوں کا اضافہ استعمال کی صرف بعض چیزوں پر ہی خرچ ہوتا ہے جن کا بازار بھاؤ عارضی طور سے تیز ہو جاتا ہے، اس صورت میں صنعت کی بعض شاخوں میں شرح منافع کا بڑھنا اور اسی نسبت سے دوسری شاخوں میں شرح منافع کا گرنا یہ رنگ لائےگا کہ سرمایہ اور محنت اپنے اپنے ٹھکانے بدلیں اور تب تک بدلتے رہیں جب تک کہ کسی کسی صنعت میں سپلائی بڑھی ہوئی مانگ سے میل نہ کھائے اور دوسری صنعت میں گھٹتے گھٹتے وہ مانگ کی سطح پر نہ آجائے۔ اگر ہمارا پہلا

فرض درست ہے تو مال کی قیمتوں میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہونےوالی، اور اگر دوسرا درست ہے تو بازار بھاؤ میں تھوڑی بہت اونچ نیچ ہونے کے بعد مال کی قوت تبادلہ وہیں آکر ٹھہرےگی جہاں وہ پہلے تھی۔ دونوں مفروضوں کا حاصل یہ ہوا کہ اجرتوں کا عام معیار بڑھ جانے سے اگر کوئی آخری نتیجہ نکلنےوالا ہے تو وہ صرف اسی قدر ہے کہ شرح منافع عام طور سے گر جائے۔

آپ کے تخیل پر زور دینے کی خاطر ویسٹن صاحب تجویز کرتے ہیں کہ زرا آپ غور فرمائیں اور ان مشکلات کا اندازہ کریں جو انگلستان کے فارموں میں کام کرنےوالوں کی اجرت نو کے بجائے اٹھارہ شلنگ کر دینے سے پیش آئیں‌گی۔ وہ آپ کو چونکاتے ہیں کہ زرا غور تو کیجئے؛ ایسا ہوا تو مقدم ضروریات زندگی کی مانگ کہاں سے کہاں پہنچ جائےگی اور اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ قیمتیں بڑھتے بڑھتے بھیانک حد کو پہنچیں‌گی۔ آپ صاحبان واقف ہیں کہ امریکہ کے فارموں میں کام کرنےوالوں کا اوسط اجرت انگلستان کے فارموں کے مزدوروں سے دوگنے سے بھی کچھ زیادہ ہے اگرچہ امریکہ میں زراعتی پیداوار کا سامان برطانیہ عظمی کے مقابلے میں سستا ہے، اور محنت اور سرمائے کے درمیان عام تعلقات امریکہ میں بھی وہی ہیں جو انگلینڈ میں ہیں، اگرچہ ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ کی سالانہ پیداوار انگلینڈ کی سالانہ پیداوار سے بہت کم ہے۔ تو پھر ہمارے یہ دوست کیوں خطرے کی گھنٹی بجا رہے ہیں؟ صرف اس خیال سے کہ ہمارے سامنے جو اصل سوال ہے وہ ٹل جائے۔ اجرت کا نو سے ایک دم اٹھارہ شلنگ ہوجانے کا مطلب یہ ہوا کہ اجرت ایکاایکی سو فیصدی بڑھ جائے۔ مگر سوال زیر بحث یہ ہئی نہیں کہ کیا انگلستان میں اجرت کا عام معیار ایک دم سو فیصدی بڑھ سکتا ہے؟ ہمیں اس بات سے قطعی کوئی واسطہ نہیں کہ اجرت کا اضافہ کس قدر ہو کیوں‌کہ جہاں بھی یہ سوال اٹھےگا خود وہاں کے حالات پر منحصر ہوگا اور انھی کی مناسبت سے وہ فیصل ہوگا۔ ہمیں تو صرف اتنی بات صاف کرنی ہے کہ اگر اجرتوں کا معیار عام طور سے بڑھے، چاہے وہ ایک فیصدی سے بھی آگے نہ بڑھے، تو اس کے نتیجے کیا ہوں‌گے۔

ہمارے دوست ویسٹن نے اجرت میں سو فیصدی اضافے کے جو خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں، انہیں رد کرکے میں آپ کی توجہ اس طرف لانا چاہتا ہوں کہ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۹ء کے عرصے میں برطانیہ عظمی کے اندر اجرتیں واقعی کتنی بڑھی ہیں۔

آپ سب پر روشن ہے کہ ۱۸۴۸ء میں دس گھنٹے کے کام کا بل، بلکہ ساڑھے دس گھنٹے کام کا بل پیش کیا گیا تھا (۱۲)۔ یہ ایک نہایت اہم اقتصادی تبدیلی تھی جو ہماری آنکھوں کے سامنے آئی۔ اس بل کا مطلب تھا کہ اجرتیں ایک دم اور لازمی طور سے بڑھائی جائیں، کسی ایک مقامی کاروبار میں نہیں بلکہ صنعت کی ان نمایاں شاخوں میں جن کے سہارے انگلستان عالمی منڈی پر حاوی ہو گیا ہے۔ اجرتوں میں یہ اضافہ ایسے حالات میں کیا گیا جو نہایت ہی ناسازگار تھے۔ ڈاکٹر یور، پروفیسر سینئر اور ان تمام ماہرین معاشیات نے جو بورژوازی کے حق میں سرکاری ترجمانی کرتے ہیں، ثابت کر دیا تھا، بلکہ میں کہوں کہ ہمارے دوست مسٹر ویسٹن کی منطقی دلیلوں سے کچھ زیادہ ہی گہرے اترکر ثبوت فراہم کر دئے تھے کہ دس گھنٹے کام کے بل نے انگریزی صنعت کی موت کی سنانی دی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا تھا کہ یہ صرف اجرتیں بڑھانے کا سیدھا سا معاملہ نہیں ہے بلکہ اجرتوں میں اس قسم کے اضافے کا سوال ہے جو لگنےوالی محنت کی مقدار کم کئے جانے کا نتیجہ بھی ہے اور اس پر مبنی بھی۔ ان لوگوں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ سرمایہ‌دار کے ہاتھ سے جو کام لینے کا بارھواں گھنٹہ چھینا جا رہا ہے، یہ وہی گھنٹہ ہے جس سے وہ اپنا منافع وصول کرتا ہے۔ انہوں نے ڈرایا کہ سرمائے کا ذخیرہ کم ہونے لگےگا، قیمتیں چڑھ جائیں‌گی، منڈیاں ہاتھ سے نکل جائیں‌گی، پیداوار گھٹےگی، اس کا اثر یہ پڑےگا کہ اجرتیں گریں‌گی اور آخر میں بربادی پھیلےگی۔ انہوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ میکسی‌میلیان روبس‌پیئر نے جو قوانین (Maximum Laws) (۱۳) بنائے تھے وہ اس کے سامنے ہیچ تھے، اور ایک معنی میں ان کا کہنا تھا بھی سچ۔ لیکن پھر انجام‌کار کیا ہوا؟ فیکٹریوں میں کام کرنےوالوں کی نقد اجرتیں بڑھ گئیں حالاں‌کہ کام کے گھنٹے کم ہوگئے تھے؛ کارخانے کے

مزدوروں کی تعداد میں خاصا نمایاں اضافہ ہوگیا؛ کارخانوں میں بننےوالے مال کی قیمتیں برابر کم ہوتی چلی گئیں؛ کارخانے کے مزدوروں کی قوت کارکردگی میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا؛ کارخانوں کے تیارشدہ مال کی منڈیاں رفتہ رفتہ اتنی پھیل گئیں کہ پہلے کبھی سان گمان نہ تھا۔ ۱۸۶۰ء کی بات ہے، مانچسٹر میں ایک جلسہ تھا سائنس کی ترقیوں کی سوسائٹی کا، جہاں میں نے خود مسٹر نیومین کو یہ اقرار کرتے سنا کہ وہ بذات خود، ڈاکٹر یور اور پروفیسر سینئر اور علم معاشیات کے تمام سرکاری نمائندے غلط نکلے، مگر عام لوگوں کی فطری سوجھ بوجھ صحیح ثابت ہوئی۔ میں پروفیسر فرینسس نیومین کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں، میرا روئے سخن ہے مسٹر ڈبلیو نیومین (۱۴) کی طرف، جو معاشیات کے علم میں ایک بلند پایہ رکھتے ہیں، وہ تھومس ٹوک کی کتاب ''قیمتوں کی تاریخ،، میں مصنف کے شریک بھی ہیں اور ایڈیٹر بھی۔ یہ ایک شاندار تصنیف ہے جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۵۶ء تک کی قیمتوں کی تاریخ کا سراغ لگاتی ہے۔ اگر ہمارے دوست ویسٹن کے دماغ میں بیٹھا ہوا خیال صحیح ہوتا کہ اجرتوں کی کل مقدار ایک حال پر رہتی ہے، پیداوار کی کل مقدار، محنت کی پیداواری طاقت اور سرمایہداروں کی مرضی، یہ اور دوسری چیزیں ایک حال پر قائم، بےتغیر اور قطعی رہتی ہیں تو پروفیسر سینئر کی وہ حسرتناک پیش گوئیاں بھی کب کی صحیح ثابت ہو جاتیں اور رابرٹ اووین غلط نکلتا جس نے اب سے بہت پہلے ۱۸۱۵ء میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کام کے گھنٹوں کا کم کیا جانا مزدور طبقے کی نجات ''شرط اول قدم،، ہے (۱۵)۔ اس نے عام تعصب کے سامنے سینہ سپر ہوکر اور ذاتی خطرہ مول لےکر نیو لنارک کے مقام پر اپنی ذاتی کپڑامل میں مزدوروں کے کام کے گھنٹے کم کرکے دکھا دئے تھے۔

عین اس وقت جب دس گھنٹے کام کا قانون بنا اور اس کی بدولت اجرت میں اضافہ ہوا تو برطانیہ عظمیٰ میں کچھ ایسے اسباب سے جن کا تفصیلی ذکر یہاں بےموقع ہوگا، فارموں میں کام کرنےوالوں کی اجرتیں بھی عام طور سے بڑھتی نظر آنے لگیں۔

اس وقت جو مقصد میرے پیش نظر ہے ، اگرچہ یہ اس کا تقاضا نہیں ہے تاہم اس خیال سے کہ میری بات کا غلط مفہوم نہ نکالا جائے ، یہاں میں کچھ ابتدائی نکتے جتا دینا چاہتا ہوں۔

اگر کسی شخص کو ہفتے میں دو شلنگ ملتے تھے اور اب اس کی اجرت بڑھ کر چار شلنگ تک پہنچ گئی تو اجرت کا معیار سو فیصدی بڑھا۔ اگر اضافے کے معیار کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اجرت میں زبردست اضافہ ہو گیا لیکن حقیقت میں اجرت کی کل رقم ہوئی چار شلنگ فی ہفتہ ، جو بجائے خود کچھ حیثیت نہیں رکھتی ، پیٹ بھرنے کو بھی کافی نہیں۔ اس لئے اجرت کے ناپنے میں فیصدی کے بلندبانگ اضافے کو بڑھاچڑھا کر بیان کرنا کچھ مناسب نہیں۔ ہمیشہ ہمارا سوال یہ ہوگا کہ اجرت کی اصل مقدار کتنی تھی؟

اب آگے دیکھئے تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر دس مزدور ہفتے میں فی کس دو شلنگ پاتے ہیں، ۵ مزدور ۵ شلنگ فی ہفتہ پاتے ہیں اور ۵ مزدور ۱۱ شلنگ فی ہفتہ تو بیس آدمی کو ملا کر سو شلنگ یا پانچ پونڈ فی ہفتہ وصول ہوتا ہے۔ ان کے ہفتہ بھر کی اجرت کی مجموعی رقم میں بیس فیصدی اضافہ کیا جائے تو پانچ کی جگہ انہیں چھہ پونڈ ملیں گے۔ اس کا اوسط نکالیں تو ہم کہیں گے کہ اجرت کا عام معیار بیس فیصدی بڑھا لیکن درحقیقت دس مزدوروں کی اجرت وہی رہی جو تھی ، پانچ آدمی کے گروپ کی اجرت بڑھی تو فی کس پانچ کے بجائے چھہ شلنگ تک ملنے لگی ، اور دوسرے پانچ آدمی کے گروپ کی اجرت کی مجموعی رقم ۵۵ سے ۷۰ شلنگ ہو گئی۔ مزدوروں کی آدھی تعداد کی حالت زرا بھی بہتر نہیں ہوئی، چوتھائی تعداد کی حالت ذرہ ظہور بہتر ہوئی ، صرف باقی چوتھائی کو واقعی اجرت کے اضافے کا فائدہ پہنچا۔ تاہم اگر مجموعی رقم کے حساب سے اوسط نکالاجائے تو ان بیس مزدوروں کی اجرت میں بیس فیصدی کا اضافہ ہوا۔ چوں کہ یہ معاملہ پورے سرمائے کا ہے جو ان مزدوروں کو کام پر لیتا ہے اور ان کے بنائے ہوئے مال کی قیمتوں کا ہے ، اس لئے اندازہ ایسے ہی کیا جائے گا گویا اجرت کا اوسط اضافہ سارے مزدوروں کو یکساں پہنچ گیا ہے۔ اوپر کی مثال میں اگر فارموں میں کام کرنے والوں کو

رکھا جائے جن کی اجرتیں انگلینڈ اور اسکاٹ‌لینڈ کے الگ الگ تعلقوں میں بالکل علاحدہ معیار رکھتی ھیں تو مزدوروں میں اجرتوں کے بڑھنے کا انداز ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوگا۔

آخری بات یہ کہ جن دنوں اجرتوں میں یہ اضافہ ھوا ، اسی‌زمانے میں کئی ایسے واقعے پیش آئے جنھوں نے مخالف سمت میں اپنا وزن ڈالا ، مثلاً : نئے ٹیکس لگے جو روس سے جنگ (۱۶) کا تقاضا تھے ، فارموں میں کام کرنے‌والوں کے مکان بڑے پیمانے پر ڈھائے گئے (۱۷) وغیرہ وغیرہ۔

اتنا کچھ جتا دینے کے بعد ، میں یہ کہنا چاھتاھوں کہ ۱۸۴۹ ء سے ۱۸۵۹ ء کے درمیانی عرصے میں برطانیہ عظمی کے اندر فارموں کے کام کرنے‌والوں کا اوسط اجرت قریب قریب چالیس فیصدی بڑھا ھے۔ میں اپنے اس دعوے کی تائید میں بہت وسیع پیمانے پر اور تفصیلی مٹیریل پیش کرتا ، لیکن پیش‌نظر مقصد کے لئے فی‌الحال اتناھی کافی ھے کہ مرحوم جان مارٹن نے لندن سوسائٹی آف آرٹس (۱۸) کے جلسے میں جو نہایت محنت ، تحقیق اور چھان‌بین کے بعد لکھا ھوا مقالہ ۱۸۶۰ ء میں پیش کیا تھا اور جس کا عنوان تھا ” زراعت میں استعمال ھونے‌والی طاقتیں “، اسی کا حوالہ دے دوں۔ مسٹر جان مارٹن نے اسکاٹ‌لینڈ کے بارہ اور انگلینڈ کے ۳۵ تعلقوں میں رھنے‌والے تقریباً سو کاشتکاروں کے بہی کھاتے ، حساب اور باضابطہ کاغذات جمع کرکے ان سے اپنے نتیجے نکالے ھیں۔

ھمارے دوست ویسٹن صاحب کے خیال کے مطابق ، خاص کر اگر یہ بھی نظر میں رکھا جائے کہ کارخانے کے مزدوروں کی اجرتیں بھی اس عرصے میں بڑھی ھیں تو ھونا یہ چاھئے تھا کہ ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۹ ء کے درمیان زراعتی پیداوار کی قیمتیں کہیں سے کہیں پہنچ جاتیں۔ مگر دراصل ھوا کیا ؟ حالاں‌کہ روس سے جنگ بھی چل رھی تھی اور ۱۸۵۴ ء سے ۱۸۵۶ ء کی کئی فصلیں بھی خراب گئیں ، پھر بھی انگلینڈ کی اصل زراعتی پیداوار یعنی گیہوں کی اوسط قیمت جو ۱۸۳۸ ء اور ۱۸۴۸ ء کے درمیانی عرصے میں تقریباً تین پونڈ فی کوارٹر تھی ، گرکر ۱۸۴۹ ء اور ۱۸۵۹ ء کے درمیانی برسوں میں

دو پونڈ دس شلنگ فی کوارٹر تک جا پہنچی۔ مطلب یہ کہ جب فارموں میں کام کرنےوالوں کی اجرت کا اوسط چالیس فیصدی بڑھا ہے، اسی‌وقت گیہوں کی قیمت سولہ فیصدی سے بھی کچھ نیچے گر گئی۔ اب اگر ایک سرے کو دوسرے کے سامنے رکھا جائے یعنی ۱۸۴۹ ء کا ۱۸۵۹ ء سے مقابلہ کیا جائے تو سرکاری رجسٹروں کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۴۹ ء میں اگر مفلس قلاشوں کی تعداد ۹۳۴۴۱۹ تھی تو گھٹ کر ۸۶۰۴۷۰ رہ گئی، یعنی دس سال بعد ۷۳۹۴۹ مفلس کم تھے۔ مانتا ہوں کہ یہ کمی کچھ خاص قابل شمار نہیں اور بعد کے برسوں میں وہ پھر نہ ہونے کے برابر پہنچ گئی— تاہم کمی تو ضرور ہوئی تھی۔

کہہ سکتے ہیں کہ اناج کی قانونی پابندی (۱۹) ہٹنے کے بعد ۱۸۴۹ ء سے ۱۸۵۹ ء کے درمیان سرحد پار سے اناج کی درآمد اتنی ہو گئی جو ۱۸۳۸ ء اور ۱۸۴۸ ء کے درمیانی عرصے کے مقابلے میں دوگنی تھی۔ تو پھر کیا ہوا؟ ویسٹن صاحب کے نقطۂ نظر سے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ سرحد پار کی منڈیوں میں اناج کی یہ زبردست انداد ھند اور لگاتار بڑھتی ہوئی مانگ زراعتی پیداوار کی قیمتوں کو آسمان پر پہنچا دیتی کیوں‌کہ بقول ان کے بڑھی ہوئی مانگ کا اثر جوں کاتوں رہتا ہے چاہے یہ مانگ ملک کے اندر سے اٹھی ہو یا باہر سے۔ لیکن حقیقت میں کیا ہوا؟ اس تمام عرصے میں سوائے ان برسوں کے جب فصل بگڑ گئی، فرانس میں مستقل فریاد بلند رہی کہ اناج کے بھاؤ چوپٹ ہوئے جا رہے ہیں، امریکیوں نے مجبوراً کئی بار اپنی فالتو پیداوار جلا ڈالی، اور اگر مسٹر اورکارٹ کا بیان صحیح ہے تو روس نے ہی ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ میں خانہ‌جنگی (۲۰) کو ہوا دی ہے کیوں کہ یورپ کی منڈیوں میں امریکیوں کے مقابلے نے روس کی زراعتی پیداوار کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔

اب اگر ویسٹن صاحب کے استدلال کو ایک عام کلیے کی شکل دی جائے تو وہ یوں ہوگی: مانگ میں ہر قسم کی بڑھوتری تبھی ہوتی ہے جب سامان یا پیداوار کی اتنی مقدار مہیا ہو۔ لہاذا مانگ بڑھنا کسی حالت میں بھی استعمالی سامان کی سپلائی نہیں بڑھا سکتا البتہ

روپے کی شکل میں اس کی قیمت بڑھا سکتا ہے ۔ تاہم بڑے معمولی مشاهدے سے بھی یہ بات روشن ہے کہ بعض موقعوں پر مانگ کے بڑھنے سے مال کے بازار بھاؤ بالکل نہیں بدلتے اور بعض موقعوں پر عارضی طور سے بھاؤ چڑھ جاتے ہیں اور اس کی بدولت سپلائی بھی بڑھ جاتی ہے ۔ سپلائی بڑھنے کے کارن قیمتیں اپنے پہلے کے معیار پر اتر جاتی ہیں بلکہ بعض موقعوں پر اس سے بھی نیچے ۔ یہ مانگ کا بڑھنا اجرت بڑھنے کے سبب ہوتا ہے یا کسی اور وجہ سے ، اصل مسئلے پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا ۔ ویسٹن صاحب کے نقطۂنظر سے یہ اسی قسم کا ایک عام مظہر ہے جسے سمجھنا سمجھانا مشکل ہے جیسے انہوں نے واقعات کی صورت میں یعنی اجرتوں کے بڑھ جانے کی حالت میں پیش آتا ہے ۔ لہاذا جو مسئلہ ہمارے زیرغور ہے ، اس میں ویسٹن صاحب کا استدلال قطعی طور پر کچھ ثابت نہیں کرتا ۔ ان کے استدلال سے صرف یہ راز کھلتا ہے کہ ایسے اصولوں اور قانونوں کا پتہ لگانا ان کے بس کی بات نہیں جن کے تحت مانگ بڑھ جانا سپلائی بڑھنے کا تقاضا کرتے ہے اور ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ بازار بھاؤ بھی بڑھ جائیں ۔

۳ ۔ مزدوری اور نقد رقم

بحث کے دوسرے دن ہمارے دوست ویسٹن صاحب نے اپنا پرانا عقیدہ نئے لباس میں پیش کیا ۔ انہوں نے فرمایا کہ : جب اجرت کی رقم عام طور سے بڑھتی ہے تو اس بڑھی ہوئی اجرت کو ادا کرنے کےلئے ضروری ہے کہ زیادہ نقدی ھاتھ میں ہو ۔ اگر نقدی میں کمی بیشی نہیں ہوتی تو پھر اس نہ‌بدلنےوالی مجموعی رقم میں سے اجرت کی وہ مجموعی رقم کیسے ادا ہوگی جو پہلے سے بڑھ چکی ہے ؟ پہلے یہ مشکل درپیش تھی کہ مزدور کے حصےمیں خریداری کے لئے جو سامان آتا ہے وہ اتنے کا اتناهی رہا حالاں‌کہ نقد اجرت بڑھ گئی ۔ اب دوسری دشواری کا سامنا ہے کہ مزدور کی نقد اجرت تو بڑھ گئی

لیکن سامان کی مقدار نہیں بڑھنے پاتی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر آپ ویسٹن صاحب کے خیال کی بنیادی اینٹ کھسکا دیں تو اوپر کی دوسری الجھنیں خودبخود نکل جائیں گی۔

پھر بھی میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ نقد رقم کے بارے میں جو سوال ہے اسے زیربحث مسئلے سے دور دور کوئی واسطہ نہیں۔

آپ کے ملک میں روپے کے لین دین کی چول اس کمال کے ساتھ بٹھائی گئی ہے کہ یورپ کے کسی ملک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بینکوں کا سسٹم اس خوبی کے ساتھ پھیلا ہونے اور سب کڑیاں جڑی ہونے کی بدولت یہ سہولت حاصل ہے کہ جتنی مالیت کو گردش میں رکھنا ہے، یا جتنی رقم کی بزنس جاری رکھنی ہے، اتنی یا اس سے زیادہ رقم کی بزنس چلانے کے لئے کہیں کم نقدی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثال لیجئے، اجرت کا معاملہ یوں ہے: انگلینڈ میں کارخانے کا مزدور ہر ہفتے جو اجرت پاتا ہے وہ لاکر دوکاندار کے حوالے کرتا ہے، دوکاندار ہر ہفتے یہ رقم بینکر کو بھیج دیتا ہے، وہ ہر ہفتے کارخانہ‌دار کو لوٹا دیتا ہے جو پھر اپنے مزدوروں کو ادا کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ چلتا ہے۔ اس مشینی عمل کا کرشمہ ہے کہ مزدور کی سال بھر کی اجرت، فرض کیجئے اگر باون پونڈ ہو، تو وہ محض ایک اشرفی (گنی) کے گھماؤ سے ادا ہو سکتی ہے کیوں‌کہ یہی ایک پونڈ ہر ہفتے گھوم گھوم کر ۵۲ ہفتے پورے کرلے گا۔ انگلینڈ میں بھی یہ مشینی عمل اتنا پختہ نہیں جتنا اسکاٹ‌لینڈ میں۔ اور پھر یہاں بھی ہر جگہ اس کی کارکردگی یکساں مکمل نہیں، چناں‌چہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً جن حلقوں میں صرف کارخانے ہیں، ان کے مقابلے میں بعض دیہاتی حلقوں کے اندر کہیں کم مجموعی مالیت کو گردش میں رکھنے کے لئے کہیں زیادہ نقد رقم کی ضرورت پڑتی ہے۔

اگر آپ چینل پار کرکے یورپ کی طرف جائیں تو دیکھیں گے کہ وہاں نقد اجرتیں انگلینڈ کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ پھر بھی جرمنی، اٹلی، سوئٹزلینڈ اور فرانس میں ان اجرتوں کی ادائگی کے لئے کہیں زیادہ نقد رقم کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں نہ تو ہر اشرفی اتنی

تیزی سے بینکر کے ہاتھ میں پہنچتی ہے اور نہ اس تیزرفتاری سے گھوم پھرکر سرمایہ‌دار کے پاس آجاتی‌ہے ۔ اس‌لئے بجائے ایک اشرفی کے جو سال بھر کا چکر کاٹ کر باون پونڈ کا کام کر دیتی ہے ، یورپ کے براعظم میں ممکن ہے تین اشرفیوں کی ضرورت پڑے تا کہ سال بھر تک نقد اجرت کی صورت میں پچیس پونڈ ادا کئے جائیں ۔ اس طرح انگلینڈ سے یورپ کے ملکوں کا موازنہ کرتے ہوئے آپ فوراً یہ بات نکال سکتے ہیں کہ کم تر اجرتوں کے لئے اس سے زیادہ نقدرقم کی ضرورت پڑ سکتی ہے جتنی زیادہ اجرتیں دینے کے لئے پڑتی ہے — اور حقیقت میں یہ سوال محض ٹیکنیکل ہے جس کا ہمارے موضوع سے قطعی کوئی واسطہ نہیں ۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے زیادہ سے زیادہ صحیح شمار کے حساب سے انگلینڈ کے مزدور طبقے کی سالانہ اجرت کا اندازہ ۲۰ کروڑ پونڈ بیٹھتا ہے ۔ یہ زبردست رقم قریب قریب تیس لاکھ پونڈ نقدی کی مدد سے ادا کی جاتی ہے ۔ فرض کیجئے اجرتیں پچاس فیصدی بڑھا دی جاتی ہیں تو جہاں تیس لاکھ پونڈ نقدرقم لگتی ہے وہاں پینتالیس لاکھ پونڈ کی ضرورت پڑےگی ۔ اب چوں‌کہ مزدور اپنے روزمرہ کے خرچ کا زیادہ تر حصہ چاندی اور تانبے کے سکوں میں ادا کرتا ہے ، یعنی ان معمولی سکوں میں جن کی قدر و قیمت سونے کی نسبت اسی طرح قانون کے حکم سے مقرر کی جاتی ہے جیسے کاغذی کرنسی کی مقرر ہوتی ہے تو اجرتوں کے پچاس فیصدی بڑھائے جانے میں حد سے حد یہی ہونےوالا ہے کہ جتنی اشرفیوں کی کمی پڑتی وہ اور گردش میں شامل کردی جائیں، یہ رقم یوں کہئے کہ دس لاکھ اشرفی ہوگی ۔ فرق یہی ہوا کہ دس لاکھ اشرفی جو فی الحال سونے کی سلاخوں کی یا سکوں کی صورت میں بینک آف انگلینڈ کے یا پرائیویٹ بینکروں کے تہہ‌خانوں میں پڑی ہے ، وہ چلنے لگےگی ۔ اس دس لاکھ اشرفی کا سکہ ڈھالنے میں یا سکہ گھسنے پٹنے میں جو برائے نام خرچ ہوتا ہے اس خرچ کی بھی کفایت کی جاسکتی ہے اور ایسی حالتوں میں جب سکے کی گردش بڑھنے کے سبب سے کہیں رکاوٹ پڑتی ہے تو یہ کفایت کرلی جاتی ہے ۔ آپ کو علم ہے کہ انگلینڈ میں جو زر گردش میں رہتا ہے،

اس کی دو بڑی قسمیں ھیں ۔ ایک قسم میں تو وہ زر آجاتا ھے جس میں ھر طرح کے بینک‌نوٹ شامل ھیں جو تجارت پیشہ لوگوں کے درمیان چلتے ھیں اور زرا بڑی بڑی ادائگیوں میں استعمال کرنےوالوں (صارفوں) اور تاجروں کے درمیان ھاتھ بدلتے رھتے ھیں ۔ دوسری قسم کا زر وہ ھے جس میں دھات کے سکے ھیں اور چھوٹے لین دین میں چلتے ھیں ۔ اگرچہ گردش میں رھنےوالے زر کی یہ دونوں قسمیں ایک دوسرے سے مختلف ھیں تاھم ایک دوسرے پر سے پھلانگتی رھتی ھیں ۔ سونے کے سکے کا عام چلن ھے اور جہاں پانچ پونڈ سے کم کسی طاق رقم کی زرا بڑی ادائگی کرنی ھے وھاں بھی اسی سے کام لیا جاتا ھے ۔ اگر کل کو چار، تین یا دو پونڈ کے بینک نوٹ جاری کر دئے جائیں تو سونے کے یہ سکے جو پانچ پونڈ سے نیچے کی بڑی ادائگی میں جابجا چل رھے ھیں، فوراً یہ‌جگہیں چھوڑ دیں‌گے اور اس طرف کا رخ کریں‌گے جہاں نقد اجرتیں بڑھ جانے کی وجہ سے ان کی ضرورت محسوس ھونےوالی ھے ۔ اس طرح سے پچاس فیصدی اجرت بڑھنے کے نتیجے میں جو اور دس لاکھ اشرفی درکار ھے وہ ایک اشرفی بڑھائے یا بنائے بغیر ھی دست‌یاب ھو جاتی ھے ۔ یہی نتیجہ بینک‌نوٹ کی گنتی بڑھائے بغیر حاصل کیا جاسکتا ھے، صرف زیادہ سرکاری بونڈ گردش میں لانے ھوں‌گے جیسا کہ لنکاشائر میں کافی زمانے تک ھوتا رھا ۔

اگر اجرتوں کے معیار کا عام طور سے بلند ھونا، مثلاً سو فیصدی بلند ھونا، جیسا کہ ویسٹن صاحب نے فارموں پر کام کرنےوالوں کے سلسلے میں سوچا ھے، مقدم ضروریات‌زندگی کی چیزوں کی قیمتیں کافی بڑھا دیتا ھے اور، ویسٹن صاحب کے نظرئے کے مطابق، اوپر سے اور نقد رقم طلب کرتا ھے جو حاصل نہیں کی جاسکتی تو اجرتوں کے عام طور سے گرنے کا اثر بھی ایسا ھی اور اسی حدتک ھونا چاھئے، لیکن اس کے بالکل الٹ ۔ لاجواب بات! آپ سب واقف ھیں کہ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۰ء کا زمانہ سوتی کپڑا ملوں کی صنعت پھلنے پھولنے کا زمانہ تھا، خاص طور سے ۱۸۶۰ء تو ایسا سال گزرا ھے کہ تجارت کی پرانی یادداشتوں میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی ۔ پھر یہی وہ زمانہ ھے جب صنعت کی دوسری شاخوں نے بھی پہلے سے کہیں زیادہ فروغ پایا ۔

سوتی ملوں کے مزدوروں کی اجرت اور اسی سے متعلق دوسری صنعتی شاخوں میں اجرت کا معیار اتنا بڑھا ہوا تھا جو پہلے کبھی نہیں پہنچا۔ اتنے میں امریکی بحران آیا اور ان تمام مزدوروں کی اجرتیں ایکا ایکی ایسی گریں کہ پہلے کے مقابلے میں تقریباً چوتھائی رہ گئیں۔ اس کے برخلاف ہوتا تو یہ تین سو فیصدی بڑھنا کہلاتا کیوں کہ اگر اجرت پانچ سے بیس ہو جائے تو ہم اسے تین سوفیصدی بڑھنا کہتے ہیں۔ اور اگر وہ بیس سے پانچ رہ جائے تو ہم کہیں گے کہ پچھتر فیصدی گھٹ گئی۔ ایک واقعے میں اس کا بڑھنا، دوسرے میں اس کا گھٹنا دونوں کی رقم ایک ہی ہے یعنی پندرہ شلنگ اجرت کے معیار میں۔ اس وقت یہ ایسی اچانک انجانی تبدیلی آئی تھی اور پھر مزدوروں کی اتنی وسیع تعداد کو اس نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا کہ اگر ان سب مزدوروں کو شمار کیا جائے، ان کو بھی جو براہ راست سوتی ملوں میں لگے ہوئے تھے، اور ان کو بھی جو اس صنعت کے سہارے بسر کرتے تھے تو یہ تعداد زراعتی فارموں میں کام کرنےوالوں سے ڈیڑھ گنی ہوتی ہے۔ تو کیا گیہوں کی قیمت گر گئی؟ نہیں، بلکہ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۰ء کے تین برسوں میں قیمت کا سالانہ اوسط ۴۷ شلنگ ۸ پینس فی کوارٹر رہا تھا تو ۱۸۶۱ء — ۱۸۶۳ء کے تین برسوں میں قیمت کا اوسط بڑھ کر ۵۵ شلنگ ۱۰ پینس فی کوارٹر ہوگیا۔ اور جہاں تک سکے کا تعلق ہے تو ٹکسال میں صرف ۱۸۶۱ءمیں ۸۶۷۳۲۳۲ پونڈ بنا کر نکالے گئے، حالاں کہ ۱۸۶۰ء میں یہ مقدار ۳۳۷۸۱۰۲ پونڈ تھی۔ دوسرے لفظوں میں ۱۸۶۱ء کے دوران ۵۲۹۵۱۳۰ پونڈ کا سکہ زیادہ ڈھالا گیا۔ صحیح ہے کہ ۱۸۶۱ء میں جتنے بینک‌نوٹ چل رہے تھے ان کی تعداد ۱۸۶۰ء کے مقابلے میں ۱۳۱۹۰۰۰ پونڈ کم تھی۔ اس پوری رقم کو منہا کر دیں، تب بھی بہرحال ۱۸۶۱ء میں جو زرگردش میں تھا وہ ۱۸۶۰ء کے خوش حالی‌والے سال کے مقابلے میں ۳۹۷۶۱۳۰ یا تقریباً چالیس لاکھ پونڈ زیادہ ہی تھا رہا سونے کا محفوظ ذخیرہ تو بینک آف انگلینڈ کے پاس وہ اس عرصے میں گھٹ گیا۔ اگرچہ اس میں اتنا گھاٹا نہیں آیا، تاہم اس کے قریب قریب کمی پڑی۔

۱۸۶۲ ء کا ۱۸۴۲ ء سے مقابلہ کرکے دیکھیں۔ علاوہ اس کے کہ جو مال گردش میں تھا اس کی مالیت اور مقدار بھی بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچی، لیکن اگر صرف سرمائے کو لیجئے تو انگلینڈ اور ویلز میں ریلوے کے بونڈ پر لگے ہوئے حصوں، قرضوں اور دستاویزی رقموں وغیرہ کا سرمایہ بڑھتے بڑھتے ۱۸۶۲ ء میں ۳۲ کروڑ پونڈ کو پہنچ گیا اور یہ وہ رقم تھی جو ۱۸۴۲ ء میں فرضی داستان معلوم ہوتی۔ پھر بھی زر کی عام مقدار جو ۱۸۴۲ ء اور ۱۸۶۲ ء میں گردش میں تھی وہ قریب قریب اتنی ہی تھی۔ ویسے بھی گردش کرتے ہوئے زر نقد کو رفتہ رفتہ کم کرنے کا رجحان دکھائی دیتا ہے، حالاں کہ مال کی جملہ مالیت بھی بےانتہا بڑھ گئی ہے اور مالیاتی لین دین کا پھیلاؤ بھی زبردست ہو گیا ہے۔ ہمارے دوست ویسٹن کے نقطۂ‌نظر سے یہ ایک بن‌بوجھی پہیلی ہے۔

وہ زرا اور گہرائی میں اترتے تو انہیں پتہ چلتا کہ اگر اجرت کو بالکل ایک طرف رکھ دیں اور فرض کرلیں کہ اجرتوں میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی تب بھی جو مالیت اور مال کی کثیر مقدار گردش میں ہے، مالیاتی لین دین میں جو زبردست سودے ہوتے ہیں، ان کی مجموعی رقم، یہ سب عموماً ہر روز بدلتا رہتا ہے؛ اور یہ کہ جو بینک‌نوٹ جاری کئے جاتے ہیں ان کی مقدار روزانہ بدلتی ہے؛ اور یہ کہ ان ادائگیوں کی مقدار روزانہ بدلتی رہتی ہے جو نقدرقم کے بغیر وصول ہوتی ہیں اور بونڈ، قرضوں، چیکوں، بک کریڈٹوں، کلیرنگ ہاؤسوں کے واسطے سے کی جاتی ہیں؛ اور یہ کہ جہاں تک دھات کے چلتے ہوئے سکوں کی ضرورت ہے تو سکوں کی اس مقدار کا تناسب جو گردش میں رہتا ہے، سکوں اور سلاخوں کی اس مقدار سے جو محفوظ ذخیرے یا بینک کے تہہ‌خانوں میں پڑی ہو، روزانہ بدلتا رہتا ہے؛ اور یہ کہ سونے کی وہ مقدار جو قوم کے ہاتھوں میں گھومتی رہتی ہے اور وہ مقدار جو سرحد پار بھیجی جاتی ہے تاکہ اسے بین‌اقوامی گردش دی جائے، دونوں میں روزانہ فرق پڑتا رہتا ہے؛ انہیں پتہ چل جاتا کہ مجموعی رقم کے اٹل ہونے کا جو اٹل عقیدہ انہوں نے تراشا ہے، وہ ایک ہولناک گمراہی ہے جو ہماری روزمرہ کی‌زندگی سے کہیں

میل نہیں کھاتی ۔ بجائے اس کے کہ وہ کرنسی کے قانونوں سے اپنی بےخبری کو ایک دلیل بنا کر اجرت بڑھائے جانے کے خلاف استعمال کریں ، ویسٹن صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ ان قانونوں کا مطالعہ کریں جو کرنسی میں یہ لوچ پیدا کرتے ہیں کہ وہ اتنے لگاتار بدلتے ہوئے حالات کے مقابلے میں خود کو ڈھالتی چلی جاتی ہے ۔

۴ - سپلائی اور مانگ

ہمارے دوست ویسٹن صاحب اس لاطینی کہاوت کو مانتے ہیں کہ : «repetitio est mater studiorum» یعنی دہرانا علم حاصل کرنے کی ماں ہے ۔ اسی لئے انھوں نے اپنے شروع کے اٹل عقیدے کو نئی شکل میں پھر سے دہرا دیا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ اجرتوں کے بڑھنے کے کارن جو کرنسی کی کمی پڑےگی وہ اپنی لپیٹ میں سرمائے کی کمی وغیرہ لے کر آئےگی ۔ چوں کہ میں زر کے بارے میں ان کی خیالآرائی کے متعلق پہلے ہی کہہ چکا ہوں اس لئے اب ان فرضی نتیجوں پر تفصیل سے بحث کرنا بالکل فضول ہوگا جو ویسٹن صاحب کے خیال میں کرنسی کے اس بھونچال سے ظاہر ہونےوالے ہیں جو خود انھوں نے فرض کر رکھا ہے ۔ بہتر یہی ہے کہ میں ان کے اس اٹل عقیدے کو جو طرح طرح سے دہرائے جانے کے باوجود جوں کا توں رہتا ہے ، دوٹوک طریقے پر نظریاتی شکل میں کھول کر رکھ دوں ۔

انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ کس قدر بےاحتسابی برتی ہے ، یہ صرف ایک ریمارک سے روشن ہوجائےگا ۔ انھیں اجرتوں کے بڑھائے جانے پر اعتراض ہے ، یا اضافے کی وجہ سے جو اجرتیں اونچی ہو جائیںگی ان اونچی اجرتوں پر اعتراض ہے ۔ میں ان سے سوال کرتا ہوں ، یہ بتائیے ، اونچی اجرت اور نیچی اجرت کیا ہوتی ہے ؟ مثلاً ایسا کیوں ہے کہ پانچ شلنگ فی ہفتہ تو نیچی اجرت ٹھیری اور بیس شلنگ فی ہفتہ اونچی اجرت ؟ اگر پانچ شلنگ بیس شلنگ کے مقابلے میں کم اجرت ہے تو بیس شلنگ دو سو شلنگ فی ہفتہ کے سامنے اور

بھی کم اجرت ہوئی ۔ اگر کوئی شخص تھرماسیٹر پر لکچر دیتے ہوئے صرف یہی کہتا رہے کہ پارہ اتنا اونچا چڑھ گیا ، اتنا نیچے گر گیا تو اس سے کسی کو کچھ معلومات نہیں ملنے والی ۔ سب سے پہلے اسے یہ بتانا چاہئے کہ اتنے ڈگری پر پانی جم جاتا ہے ، اتنے پر ابلنے لگتا ہے ، اور فطرت کے قانون نے یہ حدیں مقرر کر رکھی ہیں ، یہ ان لوگوں کا ڈھکوسلا نہیں ہے جو تھرماسیٹر بیچتے یا بناتے ہیں ۔ ویسٹن صاحب نے اجرت اور منافع کے بیان میں یہ کہیں نہیں بتایا کہ معاشی قانون سے ابتدا اور انتہا کے یہ نقطے قرار پاتے ہیں ، بتانا تو کیا ، انھوں نے ان نقطوں کی تلاش کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ وہ اتنے میں ہی مطمئن ہو گئے کہ اونچے اور نیچے کے جو چلتے ہوئے بےحیثیت لفظ تھے انھی کو قبول کر لیا اور سمجھ لیا کہ بس ان میں ایک مقررہ اور قطعی مفہوم پوشیدہ ہے ، اگرچہ یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ کسی ایک پیمانے سے ناپنے کے بعد ، جس کے ذریعے کمی بیشی کا اندازہ کیا جائے اجرت کو چاہے اونچا کہہ لیجئے ، چاہے نیچا ۔

وہ مجھے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ محنت کی ایک مقررہ مقدار کے بدلے میں ایک مقررہ رقم کیوں دی جاتی ہے ۔ اگر وہ جواب دیں کہ سپلائی (رسد) اور ڈیمانڈ (طلب یا مانگ) کے قانون سے یہ رقم طے پاتی ہے تو میں فوراً سوال کروں گا کہ پھر وہ کون سا قانون ہے جس کے ذریعے سپلائی اور ڈیمانڈ میں باقاعدگی پیدا ہوتی ہے ؟ اسی انداز کا جواب انھیں بندگلی میں پہنچا دے گا ۔ محنت کی سپلائی اور اس کی مانگ کے درمیان مستقل کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔ اس کمی بیشی کے ساتھ ساتھ محنت کا بازار بھاؤ بھی بدلتا رہتا ہے ۔ اگر مانگ سپلائی سے بڑھ گئی تو اجرت بڑھ جاتی ہے اور اگر سپلائی مانگ سے اوپر گئی تو اجرت گر جاتی ہے ، اگرچہ اس قسم کے حالات پیدا ہونے پر یہ ٹٹول کر دیکھنا بھی ضروری سمجھا جا سکتا ہے کہ واقعی سپلائی اور ڈیمانڈ کس رنگ میں ہیں مثلاً ہڑتال کے ذریعے یا کسی اور تدبیر سے یہ جانچ کی جا سکتی ہے ۔ لیکن اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ سپلائی اور ڈیمانڈ کا قانون ہی اجرتوں کو

ایک نہج پر رکھنےوالا قانون ہے تو پھر اجرت بڑھنے کے خلاف آپ کا دعوا بچکانہ بھی ہے اور فضول بھی ، کیوں کہ اس حاوی‌مطلق قانون کے مطابق جس‌کا آپ حوالہ دے رہے ہیں ، وقت‌وقت سے اجرت کا بڑھنا بھی اتناھی لازمی اور قاعدے کی بات ہے جتنا وقتاً فوقتاً اجرت کا گرنا۔ لیکن اگر آپ سپلائی اور ڈیمانڈ کو اجرتوں میں باقاعدگی رکھنےوالا قانون نہیں مانتے تو میں اپنا سوال پھر سے دھراتا ہوں : ایسا کیوں ہے کہ محنت کی ایک مقررہ مقدار کے بدلے ایک مقررہ رقم ادا کی جاتی ہے ؟

مگر اس معاملے کو زرا زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ دیکھیں : اگر آپ یہ تصور کرلیں کہ محنت کی قدر (ویلیو) یا کسی اور مال کی قدر بالآخر سپلائی اور مانگ سے ھی طے پاتی ہے تو آپ سراسر غلطی پر ہیں۔ سپلائی اور مانگ تو بازار بھاؤ کی صرف وقتی اونچ نیچ کو چلاتی ہیں۔ ان کے ذریعے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی مال کا بازار بھاؤ اس کی ویلیو سے اوپر کیوں جا رہا ہے یا اس سے نیچے کیوں اتر رہا ہے ، لیکن سپلائی اور مانگ سے خود کسی مال کی ویلیو (قدر) کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ فرض کئے لیتے ہیں کہ سپلائی اور ڈیمانڈ آپس میں ایک دوسرے کا پلہ برابر رکھتے ہیں یا ماھرین معاشیات کے بقول وہ ایک دوسرے کو پورے پڑتے ہیں۔ ٹھیک اس وقت جب یہ دونوں آمنےسامنے کی طاقتیں ایک دوسرے کے برابر تلتی ہیں ، تو وہ ایک دوسرے کو ناکارہ کر دیتی ہیں اور کسی سمت میں بھی حرکت نہیں ہونے دیتیں۔ جب سپلائی اور ڈیمانڈ ہم پلہ ہوجائیں اور اس‌کے باعث اثر تاثیر چھوڑ دیں تو مال کے بازار بھاؤ اس کی اصلی ویلیو (قدر) یا معمول کی قیمت سے میل کھاتے ہیں اور اسی کے آس‌پاس چکر لگاتے رہتے ہیں۔ لہازا جب اس ویلیو کی فطرت کا پتہ لگانے نکلیں تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاھئے کہ سپلائی اور ڈیمانڈ کا بازار بھاؤ پر وقتی اثر کیا پڑتا ہے۔ یہ بات اجرت کے بارے میں بھی اتنی ھی درست ہے جتنی اور تمام قسموں کے مال کی قیمتوں پر صادق آتی ہے۔

۵ - اجرتیں اور قیمتیں

ہمارے دوست کی تمام دلیلیں اگر ان کو نہایت سادہ نظریاتی لفظوں میں سمویا جائے تو لے دے کر اس ایک اذعانی عقیدے کے کلمے پر پہنچتی ہیں : ''مال کی قیمتیں اجرتوں سے طے پاتی ہیں یا ان کے مطابق چڑھتی اترتی ہیں ''۔

اس دقیانوسی اور ٹھکرائی ہوئی غلطبیانی کا توڑ کرنے کے لئے میں عملی تجربے کی مدد بھی لے سکتا ہوں اور یہ بھی کرسکتا ہوں کہ آپ کو یہ حقیقت جتا دوں کہ انگریزی کارخانوں کے مزدور ، کان کھودنےوالے ، جہاز بنانےوالے مزدور وغیرہ یعنی وہ جن کی محنت کے اچھے دام اٹھتے ہیں ، ان کے ہاتھوں جو سامان تیار ہو کر نکلتا ہے ، وہ دوسری قوموں کے تیار کئے ہوئے ویسے ہی سامان کے مقابلے میں کچھ سستا بکتا ہے ، حالاں کہ اس کے سامنے انگریزی فارموں میں کام کرنےوالوں کی محنت سے جو سامان تیار ہوتا ہے — اور یہ وہ ہیں جن کی محنت کم داموں پر جاتی ہے — وہ سامان قریب قریب تمام دوسری قوموں کے اسی سامان سے زیادہ مہنگا بکتا ہے ۔ میں کسی ایک ملک کی بنی ہوئی کئی چیزوں کا مقابلہ کر کے یا کئی ملکوں کے مال کا موازنہ کر کے یہ دکھا سکتا ہوں کہ چند موقعوں کو چھوڑ کر جن میں اصلیت کے بجائے دکھاوا زیادہ ہے ، باقی اوسط موقع ایسے ہیں کہ زیادہ دام پانےوالی محنت سستامال تیار کرتی ہے اور کم‌دام پانےوالی مہنگا مال ۔ اس سے دور دور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک موقع پر محنت کی اونچی قیمت اور دوسرے موقع پر نیچی قیمت ہر بار ایک دوسرے کے بالکل الٹا نتیجہ پیدا کرتی ہیں ، لیکن بہرحال ان سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ محنت کے داموں سے مال کی قیمتیں نہیں چکائی جاتیں ۔ تاہم تجربے سے بات پیدا کرنے کا یہ طریقہ ہمارے لئے بالکل غیرضروری ہے ۔

ممکن ہے کسی کو اس سے انکار ہو کہ مسٹر ویسٹن نے اس

عقیدے پر زور دیا ہے کہ ”مال کی قیمتیں اجرتوں سے طے پاتی ہیں یا ان کے مطابق چڑھتی اترتی ہیں“۔ واقعی انہوں نے خود یہ فارمولا پیش نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برخلاف ان کا کہنا ہے کہ منافع اور کرایہ بھی مال کی قیمتوں میں شریک ہوتے ہیں کیونکہ مال کی قیمتوں میں سے ہی، محنت کرنےوالے کی اجرت کے علاوہ سرمایہ‌دار کا منافع اور زمین جائدادوالے کا کرایہ نکالا جاتاہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ مسٹر ویسٹن کی رائے میں قیمتوں کا تعین کیسے ہوتا ہے ؟ اول تو اجرتوں سے ہوتا ہے۔ پھر کچھ فیصدی سرمایہ‌دار کے منافع کے طور پر اور کچھ فیصدی زمین‌والے کا کرایہ ان قیمتوں میں جوڑ لیا جاتا ہے۔ فرض کیجئے کسی مال کی تیاری میں جو لیبر لگی ہے، اس کی اجرت دس کے برابر ہوئی ہے، منافع کی شرح اگر اجرت‌کے هم‌پله سو فیصدی رکھی جائے تو سرمایہ‌دار مال کی قیمت میں دس اور بڑھا دےگا اور اسی نسبت سے اگر کرایہ زمین‌وغیرہ اجرت کا سو فیصدی ہو تو دس اور بڑھایا جائےگا، یعنی مال کی مجموعی قیمت تیس ہو گئی۔ قیمتوں کا یہ جو تعین ہوا یہ سیدھا سیدھا اجرتوں کے حساب سے قرار پایا ہے۔ اگر اوپر کی مثال میں اجرت دس کے بجائے بیس کو پہنچ جائے تو مال کی قیمت بھی تیس سے ساٹھ ہو جائےگی۔ یہی نسبت آگے چلےگی۔ چناں‌چہ سیاسی معاشیات پر اگلے وقتوں کے جتنے لکھنےوالے گزرے ہیں، جنھوں نے یہ اندھ وشواس پھیلایا کہ اجرتیں ہی قیمتوں کی کمی بیشی طے کرتی ہیں، وہ ثبوت میں ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہے کہ منافع اور کرائے کو اجرتوں پر فیصدی اضافہ سمجھ کر جوڑ دیا جائے۔ لیکن ان میں سے کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ اس فیصدی اضافے کی حدود کو کسی معاشی قانون یا اصول کا پابند کر کے دکھائیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے دل میں سوچ رکھا ہے کہ منافع کا سوال پرانے دستور یا چلن سے، سرمایہ‌دار کی مرضی سے یا کسی ایسے ہی یک‌طرفہ اور انجانے طریقے سے طے پاتا ہے۔ اگر وہ اس پر زور دیں کہ منافعے طے پاتے ہیں سرمایہ‌داروں کے درمیان مقابلے سے، تو یہ کوئی بات نہ ہوئی۔ مقابلہ ہوگا تو مختلف کاروباروں میں منافع کی اونچ نیچ اپنا پلہ برابر کرلےگی یعنی منافع کی مختلف شرحوں کو کسی

اوسط لیول پر لے آئے گی ، لیکن وہ لیول کیا ہونا چاہئے ، یا منافع کی عام شرح کتنی ہو ، یہ کبھی طے نہ کر سکے گی۔

جب ہم کہتے ہیں کہ مال کی قیمتیں اجرتوں سے طے پاتی ہیں تو ہم کہنا کیا چاہتے ہیں ؟ خود اجرت کیا ہے ؟ محنت کی قیمت ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مال کی قیمتیں محنت کی قیمت سے طے پاتی ہیں ۔ مگر چوں کہ " قیمت " ایک قدرمبادلہ ہے (جب بھی میں قدر (ویلیو) کا نام لیتاہوں ، میرا مطلب ہوتا ہے اس ویلیو سے جس پر مالوں کا تبادلہ کیا جائے) تو قیمت وہ ویلیو ہوئی جو نقدی کی صورت میں ظاہر ہو ۔ بیان کا خلاصہ یہ نکلا کہ " مالوں کی قدر (ویلیو) محنت کی ویلیو سے طے پاتی ہے " یا یوں کہیں کہ " محنت کی ویلیو ہی ایک عام پیمانہ ہے جس سے اور قدریں ناپی جاتی ہیں "۔

تو پھر خود " محنت کی ویلیو " کیوں کر طے پاتی ہے ؟ آگے راستہ بند ہے ۔ اگر ہم منطق کی معقولیت سے بحث کریں تو واقعی آگے راستہ بند ہے ۔ لیکن جو لوگ اوپر کے عقیدے کے قائل ہیں انھیں منطقی معقولیت سے کیا سروکار ۔ ہمارے دوست ویسٹن صاحب کی مثال لیجئے ۔ پہلے تو انھوں نے ہمیں بتایا کہ مال کی قیمتیں اجرتوں سے طے پاتی ہیں ، لہازا اجرت بڑھنے سے قیمت بھی ضرور بڑھے گی۔ پھر انھوں نے ایک چکر اور کاٹا اور ہمیں جتایا کہ اجرتوں کے بڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ سامان کی قیمتیں بھی بڑھ چکی ہوں گی اور حقیقت میں اجرتوں کا ناپ ہے اس سامان کی قیمتوں سے جس پر یہ اجرتیں خرچ کی جاتی ہیں ۔ تو اب ہم یہ کہتے کہتے کہ محنت کی ویلیو مالوں (یا سامان) کی ویلیو کا فیصلہ کرتی ہے ، یہ کہنے پر اتر آتے ہیں کہ مالوں کی ویلیو محنت کی ویلیو کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس طرح ہم آگے پیچھے چکر کاٹتے رہ جاتے ہیں اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا ۔

لے دے کے ظاہر یہ ہوا کہ اگر ہم کسی ایک مال کی ویلیو کو چاہے وہ محنت کی ویلیو ہو ، اناج کی ہو یا کسی اور مال کی ، باقی تمام قدروں کا ناپ اور انھیں چلانےوالا مان لیتے ہیں تو ہم مشکل کا

بوجھ صرف ٹال رہے ھیں کیوں کہ ایک ویلیو جو خود اپنا تعین چاھتی ہے ، ھم اس کا تعین دوسری ویلیو سے کئے دے رہے ھیں ۔
یہ اندھ وشواس کہ ” اجرتیں ھی مالوں کی قیمتیں طے کرتی ھیں“، اگر مطلق طریقے سے رکھ دیا جائے تو اس نوبت کو پہنچا دیتا ھے کہ ”ویلیو طے پاتی ھے ویلیو سے“ اور اس کا مطلب یہ ھوا کہ ھمیں ویلیو کے بارے میں دراصل کچھ پتہ ھی نہیں ھے ۔ اگر اس قیاس کو بنیاد مان لیا جائے تو سیاسی معاشیات کے عام اصولوں کے بارے میں سارا بحث و استدلال توتلا ھوکر رھا جاتا ھے ۔ چناں‌چہ ماھر معاشیات ریکارڈو کا زبردست کارنامہ یہ ھے کہ اس نے اپنی ۱۸۱۷ء میں شائع شدہ تصنیف ”سیاسی معاشیات کے اصول“ میں اس پرانے ، بوسیدہ ، مقبول عام مفروضے کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیا کہ ” اجرتیں ھی قیمتوں کا فیصلہ کرتی ھیں“۔ یہ ایک ایسا مفروضہ تھا جسے آدم اسمتھ اور اس کے فرانسیسی پیشرو اپنی معاشی تحقیقات کے اصل علمی حصوں میں تو رد کر چکے تھے لیکن پھر بھی انھوں نے ھلکے پھلکے اور گھٹیاقسم کے بابوں میں اسی کو پھر دھرا دیا تھا ۔

٦ - قدر اور محنت

صاحبان اب میں اس نکتے پر آگیا ھوں جہاں سوال زیربحث کو قطعی طور پر صاف کرنا ضروری ھے ۔ میں یہ وعدہ نہیں کرتا کہ آپ کی پوری تسلی کر سکوں گا کیوں کہ اس کے لئے تو سیاسی معاشیات کا پورا میدان چھاننا پڑے گا ۔ البتہ اتنا ھے کہ بقول فرانسیسیوں کے «effleurer la question» یعنی میں صرف بنیادی نکتوں کو چھوتا ھوا گزروں گا ۔

پہلا سوال ھمیں یہ اٹھانا ھوگا : کسی مال کی ویلیو (قدر) کیا ھوتی ھے ؟ اور کیسے طے پاتی ھے ؟

پہلی نظر میں پتہ چل جاتا ھے کہ کسی مال کی ویلیو ایک اضافی یا نسبتی چیز ھے اور وہ طے نہیں پاتی جب تک کہ ایک مال کو

دوسرے مالوں کی نسبت سے نہ تولا جائے۔ حقیقت میں جب ہم ویلیو کا لفظ زبان سے نکالتے ہیں، یعنی مال کے بدلے میں جو ویلیو ملتی ہے، وہ کہتے وقت ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تبادلے میں جو دوسرے مال ملیں گے ان کی مقداروں کی نسبت اتنی ہوگی۔ تب سوال یہ ہوگا کہ جن نسبتوں میں مالوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ ہوتا ہے وہ نسبتیں کم و بیش کیوں کر ہوتی رہتی ہیں۔

تجربے نے ہمیں بتا دیا ہے کہ یہ نسبتیں برابر ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ صرف کسی ایک مال کو لےلیجئے۔ مثال کے طور پر گیہوں ہے۔ دیکھئے کہ گیہوں کی ایک بوری کو دوسرے مختلف مالوں کے بےشمار تناسب سے بدلا جاتا ہے۔ پھر بھی اس کی ویلیو جوں کی توں رہتی ہے، چاہے ہم اسے ریشم سے بدلیں، سونے سے یا کسی اور مال سے، مگر وہ جو ویلیو ہے وہ مختلف چیزوں کے ساتھ تبادلے کی شرح بدلتے رہنے کے باوجود الگ اپنا کوئی وجود رکھتی ہے۔ مختلف مالوں سے تبادلے میں جو طرح طرح کی نسبتیں بنتی ہیں ان سے ہٹ کر بھی کسی الگ صورت میں ویلیو کو ظاہر کرنے کا امکان تلاش کرنا چاہئے۔

آگے چلئے: اگر میں کہوں کہ گیہوں کی ایک بوری لوہے کی ایک خاص مقدار سے بدلی جاتی ہے یا گیہوں کی ایک بوری کی ویلیو لوہے کی اتنی مقدار میں ظاہر ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ گیہوں کی ویلیو اور اس کے مساوی لوہے کی ویلیو برابر ہیں کسی تیسری چیز کے، جو نہ گیہوں ہے، نہ لوہا، کیوں کہ میرے ذہن میں ان دونوں کی ایک خاص مقدار دو مختلف صورتوں میں آئی ہے۔ چناں چہ گیہوں یا لوہا، دونوں میں سے کوئی بھی مال ایک دوسرے سے قطعی بےتعلق رہ کر اس تیسری چیز کے مساوی ہوگا جس میں ان دونوں کا مشترکہ ناپ موجود ہے۔

اسی پوائنٹ کو اور واضح کرنے کے لئے میں سیدھی اقلیدسی شکل لیتا ہوں۔ مثلثوں کی جتنی بھی شکلیں بن سکتی ہیں اور جتنے بھی چھوٹے بڑے مثلث بنائے جاسکتے ہیں ان کے رقبے کا موازنہ کرنے میں، یا

مثلثوں کا مستطیل کے رقبے سے یا زاویہ قائمہ کی کسی اور شکل کے رقبے سے موازنہ کرنے میں ہمیں کیا کرنا ہوتا ہے ؟ ہم کسی بھی مثلث کو لے کر اس کا رقبہ ایسی صورت میں نکال لیتے ہیں جو اس مثلث کی ظاہرا شکل سے قطعی مختلف ہوتی ہے - خود مثلث کی بناوٹ سے ہی ہم نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ بنیاد کو بلندی سے ضرب دے کر جو حاصل ضرب ہوگا ، مثلث کا پورا رقبہ اس سے آدھا ہوگا - اب ہم اس رقبے کو ہر قسم کے مثلثوں اور طرح طرح کی شکلوں کے مستطیلوں کے مختلف رقبوں سے ملا کر دیکھ سکتے ہیں کیوں کہ ان کے جتنے بھی رقبے نکلیں گے وہ سب مثلثوں کی کسی نہ کسی تعداد کے رقبے کے برابر ہی پہنچیں گے -

مختلف مالوں کی ویلیو نکالنے میں بھی حساب کا یہی قاعدہ اپنایا جا سکتا ہے - ہمیں ان سب کی قدروں کو کسی ایسی صورت میں ڈھالنا چاہئے جو سب میں مشترک ہو البتہ وہ خاص ناپ ان مالوں میں جتنا کم یا زیادہ ہو اسی نسبت سے وہ ایک دوسرے سے الگ پہچانے جائیں -

چوں کہ مالوں کے اندر مبادلے کی قدریں صرف ان چیزوں کی سماجی کارگزاری میں ہی ہوتی ہیں اور ان چیزوں کی قدرتی خاصیتوں سے ویلیو کو کچھ واسطہ نہیں ہوتا اس لئے ہمارا پہلا سوال یہ ہوگا کہ مالوں کے اندر وہ کونسا سماجی جوہر ہے جو سب میں مشترک ہو ؟ وہ ہے لیبر (محنت) - کسی مال کو تیار کرنے میں محنت کی خاصی مقدار یا تو اس پر لگانی پڑتی ہے یا اس میں کھپی ہوتی ہے - میرا کہنا یہ ہے کہ محض محنت کی نہیں بلکہ سماجی محنت کی خاص مقدار - جب کوئی شخص ایک چیز فوری ضرورت کے لئے ، ذاتی استعمال کے لئے تیار کرتا ہے تو وہ ایک تیار چیز ہوئی ، تیار مال نہیں ہوا - اس شخص نے اپنا کام چلانے کو ایک چیز تیار کی تو اسے سماج سے کچھ سرورکار نہیں - لیکن مال تیار کرنے میں ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف وہی چیز نہیں بناتا جو کسی سماجی ضرورت کی تسکین کر دے بلکہ خود اس کی محنت بھی اس مجموعی مقدار محنت کا ایک لازمی حصہ ہوتی ہے جو سماج نے چیزوں کے بنانے پر خرچ کی ہے

ہر آدمی کی محنت اس محنت کی تقسیم کی پابند ہے جو سماج کے اندر جاری ہوتی ہے۔ سماجی محنت کی دوسری کڑیوں سے الگ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ انھی کو جوڑنے اور ان کا حصہ بننے میں یہ ذاتی محنت کام آتی ہے۔

جب ہم مالوں کو قدریں شمار کرتے ہیں تو ہماری نظر میں ان کا صرف ایک ہی پہلو ہوتا ہے کہ وہ حاصل کی ہوئی، سمٹی ہوئی، اور آپ چاہیں تو یوں کہئے کہ ٹھوس شکل میں سمائی ہوئی سماجی محنت ہیں۔ اس حیثیت سے ان میں اگر کوئی فرق ہے تو اس بات کا کہ محنت کی کم مقدار لگی ہے یا زیادہ۔ مثلاً ایک ریشمی رومال تیار کرنے میں محنت کی زیادہ مقدار لگی ہوگی اور اینٹ تیار کرنے میں کم۔ سوال یہ ہے کہ محنت کی مقدار کیسے ناپی جائے؟ ناپ ہوگا جتنی دیر محنت کی گئی وہ وقت — گھنٹوں اور دنوں وغیرہ کے حساب سے محنت ناپی جائےگی۔ اور اس ناپ سے کام لے کر ہم سب طرح کی محنتوں کا ایک اوسط یا معمولی محنت کی سطح پر لا کر ان کی اکائی معلوم کرلیں گے۔

چناں‌چہ اب ہم اس نتیجے پر پہنچے: مال میں ایک ویلیو ہوتی ہے، وجہ یہ کہ سماجی محنت کا ایک ٹھوس شکل اختیار کرنا ہی مال ہے۔ اس کی ویلیو کا سائز یا نسبتی ویلیو کتنی بڑی ہے، یہ بات منحصر ہے اس پر کہ جو سماجی جوہر اس مال میں موجود ہے وہ زیادہ ہے یا کم۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اس مال کی تیاری میں جو مجموعی محنت صرف ہونی لازم ہے اس کی نسبتی کمی بیشی پر ویلیو کا سائز منحصر ہوتا ہے۔ مختلف مالوں کی قدروں کا باہم کم و بیش ہونا اس سے طے پاتا ہے کہ ان میں محنت کی کتنی کتنی مقدار لگ چکی ہے، کھپی ہوئی ہے، یا جمع ہے۔ محنت کے یکساں وقت میں جو مال بنتے ہیں ان کی مالیت بھی یکساں ہوتی ہے۔ یا یوں کہیں کہ ایک مال کی ویلیو دوسرے مال کی ویلیو سے وہی نسبت رکھتی ہے جو نسبت ایک مال میں لگی ہوئی محنت اور دوسرے مال میں لگی ہوئی محنت کے درمیان ہوتی ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میں سے اکثر لوگ سوال کر بیٹھیں گے کہ مال کی قدریں اجرت سے طے پانے میں یا محنت کی جتنی مقدار اس مال کی تیاری میں لگنی ضروری ہے ، اس مقدار کی نسبت سے طے پانے میں کیا واقعی اتنا بڑا یا کچھ بھی فرق پڑتا ہے ؟ آپ یہ تو ضرور جانتے ہیں کہ محنت کا انعام اور محنت کی مقدار ، یہ دونوں بالکل الگ چیز ہیں ۔ آئیے ، فرض کریں کہ ایک بوری گیہوں میں اور ایک اونس سونے میں برابر کی محنت لگی ہوئی ہے ۔ میں نے یہ مثال اس لئے اختیار کی کہ بنجامن فرینکلن نے ۱۷۲۹ ء میں شائع‌شدہ اپنے پہلے مضمون میں یہی مثال لی تھی ۔ مضمون کا عنوان تھا ''کاغذی کرنسی کی فطرت اور ضرورت کے بارے میں ایک ہلکی سی تحقیق''۔ ویلیو کی اصلیت ٹٹولنے کی یہ بھی ایک اولین کوشش تھی ۔ خیر تو ہم فرض کر لیتے ہیں کہ گیہوں کی ایک بوری اور ایک اونس سونے میں برابر کی ویلیو ہے یا قدر میں دونوں مساوی ہیں کیوں کہ دونوں میں اوسط درجے کی محنت کی ایک سی مقدار ٹھوس شکل اختیار کئے ہوئے ہے ، اتنے دن یا اتنے ہفتے کی محنت ان کے اندر اکٹھی ہو گئی ہے ۔ اس طرح سے جب ہم سونے اور اناج کی نسبتی قدریں طے کرتے ہیں تو کیا کہیں ان اجرتوں کا حوالہ بھی آتا ہے جو زراعت کے محنتی کو یا کان کھودنے‌والے کو دی گئی ہے ؟ قطعی نہیں ۔ ہم اس کے بارے میں کوئی سوال ھی نہیں کرتے کہ ان دونوں کی روزانہ یا ہفتہ‌واری محنت کیونکر ادا کی گئی بلکہ یہ سوال تک درمیان میں نہیں آتا کہ ان مالوں میں اجرتی محنت (مزدوری) لگی بھی ہے یا نہیں ۔ اگر ایسا ہوا ہے تو دونوں کی اجرتوں میں بڑا فرق رہا ہوگا ۔ وہ مزدور جس کی محنت گیہوں کی ایک بوری میں لگی ہے ، ممکن ہے اسے اجرت میں صرف اناج کے دو تھیلے ملے ہوں ، اور جس نے کان پر کام کیا اسے سونے کا آدھا اونس مل گیا ہو ۔ یا فرض کیجئے کہ ان کی اجرتیں برابر تھیں ، تب بھی ممکن ہے کہ جو مال انھوں نے تیار کئے ہیں ان کی قدروں سے اجرتوں کا تناسب انتہائی مختلف رہا ہو ۔ مال کی قدروں کے سامنے وہ آدھا ہو ، تہائی ، چوتھائی یا پانچواں

حصہ ہو ، ایک بوری اناج اور ایک اونس سونے کا کوئی سا حصہ ہو سکتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جو مال انہوں نے تیار کیا ہے اس کی ویلیو کی حد سے اجرت بڑھ نہیں سکتی ، زیادہ نہیں ہو سکتی ، لیکن کم ہونے کو وہ کتنی بھی کم ہو سکتی ہے۔ تیارشدہ مال کی قدروں نے ان کی اجرتوں کی حد مقرر کر رکھی ہے لیکن اجرتوں نے تیارشدہ مال کی قدروں پر حد نہیں لگائی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مثال میں اناج اور سونے کی قدریں ، نسبتی قدریں ، لگی ہوئی محنت کی ویلیو یعنی اجرت شمار کئے بغیر ہی طے ہو جاتی ہیں۔ لہاذا مالوں میں جتنی جتنی مقدار لیبر کی لگی ہوئی ہے ، اسی نسبت سے مالوں کی قدریں طے پانا قطعی اور بات ہے ، اور یہ طریقہ کہ محنت کی ویلیو یعنی اجرت کی نسبت سے مالوں کی قدریں طے پانا بالکل دوسری چیز ہے۔ آگے کی چھان‌بین میں یہ نکتہ اور بھی واضح ہو جائے گا۔

کسی مال کی قدرسبادلہ (اکس‌چینج‌ایبل ویلیو) نکالتے وقت ہمیں چاہئے کہ پیداوار کے آخری مرحلے پر محنت کی جتنی مقدار لگی ہے اسی میں پہلے کی لگی ہوئی محنت کی مقدار بھی جوڑ لیں — یعنی اتنی محنت جو اس کے کچے مال پر خرچ ہو چکی ہے ، اوزار ، کل پرزے ، مشین اور بلڈنگ پر لگ چکی ہے ، جس سے بعد کی محنت کو مدد ملی۔ مثال کے طور پر سوتی دھاگے کی کسی ایک مقدار کی ویلیو معلوم کرنے کےلئے روئی کی کتائی ہوتے وقت لگی ہوئی محنت کی مقدار کو محنت کی اس مقدار کے ساتھ جوڑیں جو خود روئی تیار ہونے میں لگ چکی ہے۔ اور اسی میں محنت کی وہ مقدار بھی جو کوئلے ، تیل اور دوسرے استعمالی مسالوں میں کھپی ہوئی ہے ، پھر وہ مقدار جو بھاپ کے انجن میں ، تکلیوں اور سانچوں میں ، فیکٹری کی عمارت میں کھپی ہوئی ہے ، یہ سب یکجا کی جائیں‌گی۔ وہ جو بجا طور پر پیداوار کے اوزار کہلاتے ہیں ، جیسے اوزار ، مشین ، عمارتیں پیداوار کے مسلسل عمل میں تھوڑے یا بہت عرصے کے لئے برابر کام دئے جاتے ہیں۔ اگر وہ بھی کچےمال ہی کی طرح ایک دم استعمال میں آکر تمام ہو جائیں تو ان کی بھی تمام ویلیو ان مالوں پر ڈال دی جائے گی

جنھیں تیار کرنے میں وہ کام آتے ھیں ۔ مگر چوں کہ ان کا مصرف رفتہ رفتہ ھوتا ھے ، جیسے سوتی مل کا سانچہ دیر تک چلتا ھے تو اس کا بھی کارکردگی کی مدت کے حساب سے ایک اوسط نکالا جاتا ھے اور اس حساب سے کسی مقررہ مدت مثلاً ایک دن کی گھسائی اور ٹوٹ‌پھوٹ کا اوسط نکل آتا ھے ۔ اس طرح ھمیں معلوم ھو جاتا ھے کہ ایک سانچے کی پوری ویلیو کا کتنا حصہ ایک دن کی کتائی میں نکل جاتا ھے اور اسی طرح یہ بھی کہ ایک پونڈ دھاگے کے اندر محنت کی جو کل مقدار لگی ھوئی ھے اس میں محنت کی کتنی مقدار پہلے سے خرچ ھو کر ایک سانچے کے حصے میں آچکی تھی ۔ جو مقصد فی‌الحال پیش نظر ھے ، اس کا تقاضا ھے کہ زیربحث نکتے کو زیادہ نہ پھیلائیں ۔

ممکن ھے یوں نظر آئے کہ اگر کسی مال کی ویلیو محنت کی اس مقدار سے ھی طے ھونی ٹھیری جو مال کی تیاری میں کھپ گئی ھے تو پھر آدمی جتنا سست یا کام چور ھوگا اس کے مال کی ویلیو بھی اتنی ھی بڑھ جائے گی کیوں کہ مال پر اپنا کام پورا کرنے میں وہ محنت کا اور بھی زیادہ وقت لگائے گا ۔ نہیں ، یہ افسوسناک غلط‌فہمی ھوگی ۔ یاد کیجئے کہ میں نے ’’ سماجی محنت ،، کا لفظ استعمال کیا تھا ۔ اس ایک ’’ سماجی ،، کی شرط میں کئی نکتے پوشیدہ ھیں ۔ جب ھم کہتے ھیں کہ کسی مال کی ویلیو محنت کی اس مقدار سے طے پاتی ھے جو اس پر لگائی گئی یا اس میں ٹھوس طریقے سے موجود ھے تو ھمارا مطلب ھے کہ محنت کی وہ مقدار جو اس مال کی تیاری کے لئے لازم ھے ، سماج کی ایک خاص حالت میں ، پیداوار کے جو اوسط سماجی حالات ھیں ان میں ، کام کی رفتار کا جو سماجی اوسط ھے اور لیبر کی ھنرمندی یا قابلیت کے اوسط درجے میں ۔ انگلینڈ میں جب پاور لوم نے ھینڈلوم (کھڈی کی بنائی) سے مقابلہ شروع کیا تو دھاگے کی مقررہ مقدار کو ایک گز سوت یا ایک گز کپڑا بنانے کے لئے پہلے سے صرف آدھا وقت محنت کافی ھونے لگا ۔ ھاتھ کے بنکر غریب جو پہلے نو دس گھنٹے روزانہ کام کیا کرتے تھے ، اب انھیں روز سترہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنا پڑ گیا ۔ پھر بھی جتنامال وہ بیس گھنٹے کی محنت سے تیار کرتے تھے

وہ سماجی وقت محنت کے دس گھنٹے کے برابر رہا، یا یوں کہئے کہ دھاگے کی مقررہ مقدار کو سوتی کپڑا بنانے میں دس گھنٹے کی محنت سماجی طور پر لازم رہ گئی۔ چناں‌چہ اب بیس گھنٹے میں جو مال ھاتھ کے بنکر نے تیار کیا اس کی ویلیو اتنی ھی رہ گئی جتنی پہلے دس گھنٹے میں تیار کئے ھوئے مال کی ھوا کرتی تھی۔

غرضکہ تیار ھونےوالے مال میں جو سماجی طور سے لازمی محنت لگی ھوئی ھے، اس محنت کی مقدار سے ھی مال کی قدرمبادلہ طے پاتی ھے تو اس مال کی تیاری کی خاطر محنت کی مقدار جتنی بڑھےگی، وہ مال کی ویلیو بھی بڑھا دےگی اور محنت کی مقدار جتنی گھٹےگی، مال کی ویلیو بھی اتنی ھی گھٹا دےگی۔

الگ الگ مالوں کی تیاری کے لئے جتنی محنت ضروری ھے اگر اس‌کی الگ الگ مقدار ایک حال پر قائم رھتی ھے تو ان کی نسبتی قدروں کو بھی قائم رھنا چاھئے۔ لیکن ایسا ھوتا نہیں ھے۔ کسی مال کی تیاری کے لئے محنت کی جو مقدار لازم ھوتی ھے وہ برابر بدلتی رھتی ھے اس لیبر کی پیداواری طاقت کے فرق کے ساتھ جس سے کام لیا گیا ھے۔ لیبر کی پیداواری طاقت جتنی زیادہ ھوگی اتنا ھی زیادہ مال ایک مقررہ وقت محنت میں بن کر تیار ھوگا۔ اور اسی طرح لیبر کی پیداواری طاقت جتنی کم ھوگی، اتناھی کم مال اسی وقت محنت میں بن کر تیار ھو سکےگا۔ مثال کے طورپر اگر آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ کمزور زمینوں پر کاشت کرنا ضروری ھو جائے تو پیداوار کی وھی پہلے کی سی مقدار حاصل کرنے کے لئے محنت کی زیادہ مقدار خرچ کرنی پڑےگی، نتیجہ یہ کہ زرعی پیداوار کی ویلیو برابر بڑھتی جائےگی۔ اب دوسری طرف سے دیکھئے کہ اگر پیداوار کے جدید ذریعوں سے کام لےکر کوئی ایک بنکر کپاس کی مقدار کو جس کام کے ایک دن کے دوران چرخی کاتا کرتی تھی، اتنے ھی وقت میں اس‌سے کئی ھزار گنا دھاگا بناکر رکھ دیتا ھے تو یہ ظاھر بات ھے کہ کپاس کا ھر ایک پونڈ پہلے کے مقابلے میں کتائی کی محنت ھزاروں گنی کم جذب کریگا۔ نتیجہ یہ کہ کپاس کے ایک ایک پونڈ میں کتائی سے جو ویلیو بڑھ جایا کرتی تھی، وہ پہلے سے

ہزاروں گنا کم ہو جائےگی اور اسی حساب سے دھاگے کی ویلیو بھی بہت نیچے جائےگی۔

مختلف لوگوں میں قدرتی صلاحیت، طاقت اور کام کرنے کے خاص اکتسابی تجربے کا جو فرق ہوتا ہے، اس سے قطع‌نظر لیبر کی پیداواری طاقت خاص طور سے ان باتوں پر منحصر ہے:

اول، تو محنت کے قدرتی حالات پر، مثلاً زمین کی زرخیزی، کانوں وغیرہ کی حالت پر؛

دوسرے، لیبر کی سماجی طاقت کی رفتہ رفتہ بہتری پر۔ ایسی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں تب جب بڑے پیمانے پر مال تیار کیا جائے، بڑا سرمایہ لگاہو اور لیبر بہت اکٹھی ہو چکی ہو، محنت کی تقسیم در تقسیم چل گئی ہو، مشینری، ترقی‌یافتہ طریقے، کیمیکل اور دوسری قدرتی صلاحیتوں کا استعمال ہو، رسل‌ورسائل اور سامان لانے لے جانے کی سہولت کے ذریعے وقت اور جگہ کی بچت کی گئی ہو، اور بھی مختلف ایجادوں سے جن کے ذریعے سائنس قدرتی صلاحیتوں کو انسانی محنت کی خدمت میں لگا دیتی ہے اور جن کی بدولت لیبر کا سماجی یا مل کر کام کرنےوالا کردار ابھرآتا ہے۔ لیبر کی پیداواری طاقتیں جتنی بڑھتی جائیں‌گی سامان کی ایک مقدار تیار کرنے میں اتنی ہی کم محنت کھپےگی اور اس کے باعث مال کی ویلیو بھی اور گھٹ جائےگی۔ اور لیبر کی پیداواری طاقت جتنی کم ہوگی، سامان کی پہلےوالی مقدار تیار کرنے میں اتنی ہی زیادہ محنت کھپےگی۔ پس اس کی ویلیو بھی اور بڑھ جائےگی۔ اب ایک کلیے کی شکل میں ہم اسے یوں رکھتے ہیں کہ:

مالوں کی قدریں سیدھے سیدھے محنت کے اس وقت سے مناسبت رکھتی ہیں جو اس سامان کی تیاری میں لگا ہے، اور دوسری سمت میں وہ لگی ہوئی محنت کی پیداواری طاقت سے الٹی مناسبت رکھتی ہیں۔

اب تک ساری گفتگو ویلیو (قدر) پر ہوتی رہی، اب کچھ قیمت کے بارے میں بھی کہتا چلوں۔ قیمت ہی ایک نرالا روپ ہے ویلیو کا۔

قیمت بجائے خود کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ نقدی کی صورت میں ظاہر ہونےوالی ویلیو ہے۔ مثلاً یہاں، انگلینڈ میں جتنے مال

بن کر نکلتے ھیں ان کی ویلیو سونے کی قیمتوں میں ظاھر کی جاتی ھے اور براعظم یورپ کے سارے مالوں کی قدریں چاندی کی قیمتوں میں۔ دوسرے مالوں کی طرح خود سونے چاندی کی قیمتیں بھی محنت کی اس مقدار کی پابند ھیں جو ان دونوں دھاتوں کے حاصل کرنے میں کھپنی ضروری ھے۔ آپ اپنی قومی پیداوار کی ایک خاص مقدار جس میں آپ کی قومی محنت کی ایک خاص مقدار ٹھوس شکل میں موجود ھے سونا اور چاندی پیدا کرنےوالے ملکوں کے ھاتھ بدلتے ھیں اور ان ملکوں کا سامان لیتے ھیں جس میں ان ملکوں کی محنت کی بھی ایک خاص مقدار ٹھوس شکل میں موجود ھے۔ اس طرح مال کی ادلا بدلی سے آپ سونے اور چاندی کی صورت میں تمام مالوں کی قدریں ظاھر کرنے لگتے ھیں یعنی جتنی جتنی محنت ان پر لگ چکی ھے اس کا اظہار سونے، چاندی میں کرتے ھیں۔ ویلیو کا نقدی میں جو اظہار ھوتا ھے یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ ویلیو جو قیمت کے روپ میں ظاھر ھوتی ھے، اس کو اگر اور گہرائی تک دیکھئے تو یہ کھلےگا کہ ایک سلسلہ‌وار عمل ھے جس کے ذریعے آپ تمام مالوں کی قدروں کو الگ سے اور ایکسار روپ دے دیتے ھیں، یا جس کے ذریعے آپ یوں کرتے ھیں کہ برابر کی سماجی محنت کی مقداروں میں تمام مالوں کی ویلیو ظاھر ھو جائے۔ قیمت کی یہ جو حیثیت ھے کہ وہ نقدی کے روپ میں ظاھر ھونےوالی ویلیو ھی ھوتی ھے — تو اس کا نام آدم اسمتھ نے نیچرل پرائس رکھا ھے اور فرانسیسی Physiocrats (۲۱) نے اسے ”لازمی قیمت“ (Prix nécessaire) کہا ھے۔

اچھا تو ویلیو اور بازار کی قیمتوں میں یا یوں کہیں کہ قدرتی قیمتوں اور بازار کے داموں میں کیا نسبت ھے؟ آپ سب کو معلوم ھے کہ کسی ایک قسم کے تمام مالوں کے بازار دام ایک ھی ھوتے ھیں، چاھے مال تیار کرنےوالوں کے اپنے حالات میں کتناھی فرق کیوں نہ ھو۔ بازار دام سے صرف اتنا ظاھر ھوتا ھے کہ کسی ایک چیز کی کوئی خاص مقدار بازار میں لانے کے لئے، اس کے پیداوار کے اوسط حالات میں سماجی محنت کی کتنی اوسط مقدار لازم ھوتی ھے۔ کسی ایک خاص قسم کے مال کی پوری کھیپ پر بازار دام کا حساب پھیلایا

جاتا ہے ۔ یہاں تک تو بازار دام مال کی ویلیو سے میل کھاتے ہیں ۔ لیکن دوسری طرف بازار میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے ، کبھی قدرتی قیمت یا ویلیو سے بازار اوپر گیا ، کبھی نیچے اتر گیا ، یہ منحصر ہے مانگ اور سپلائی کے اتار چڑھاؤ پر ۔ بازار کے داموں کا پلہ ویلیو کے برابر نہ ٹھیرنا مستقل نظر آتا ہے ، لیکن جیسا کہ آدم اسمتھ نے کہا ہے ، بات یوں ہے کہ :

’’ نیچرل قیمت ہی وہ بیچ کی قیمت ہے جس کی طرف تمام مالوں کی قیمتیں ہرپھر کر آتی رہتی ہیں ۔ اتفاقی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو قیمتوں کو کبھی اچھا خاصا اوپر لے جاکر تھامے رہتے ہیں اور کبھی انہیں نیچے اترنے پر مجبور کر دیتے ہیں ۔ لیکن بیچ کی اس پکی قیمت سے ہٹانے والی چاہے کتنی ہی رکاوٹیں کیوں نہ آتی رہیں — تاہم بار بار قیمت اسی درمیانی نقطے پر آکر ٹھیرنا چاہتی ہے ۔ ،، (۲۲)

میں فی الحال اس سوال کی زیادہ چھان بین نہیں کرتا ۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر مانگ اور سپلائی میں توازن بنا رہے تو مالوں کے بازار دام ان کی نیچرل قیمتوں سے تال میل رکھتے ہیں ، یعنی اس ویلیو سے مناسبت رکھتے ہیں جو کسی مال کی تیاری میں لگنے والی محنت کی مقدار سے ہی طے پاتی ہے ۔ مگر سپلائی اور مانگ کو مستقل ایک دوسرے کا پلہ برابر رکھنے میں لگا رہنا چاہئے ، حالاں کہ ہوتا یہ ہے کہ کبھی ایک اور کبھی دوسرا پلہ بھاری کر کے ، یعنی کبھی تیزی کو مندی سے اور کبھی اس کے برعکس کر کے وہ کمی بیشی کا حساب برابر کر لیتے ہیں ۔ اگر ایک دن کی تیزی مندی کو نظر میں رکھنے کے بجائے آپ زیادہ عرصے تک بازار کے داموں کی رفتار کا تجزیہ کریں جیسا کہ مسٹر ٹوک نے اپنی تصنیف ’’ قیمتوں کی تاریخ ،، میں کیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ بازار کے داموں کا چڑھنا اترنا ، ویلیو سے ہٹا رہنا ، تیزی اور مندی ایک دوسرے کا اثر زائل کرتی اور باہم تلافی کر لیتی ہے ۔ سوائے اس کے کہ اجارہ داری

اور بعض دوسری وجہیں جو اثر انداز ہوا کرتی ہیں ، ان سے قطع نظر کرتے ہوئے مجھے اتنا کہنا ہے کہ مالوں کی جتنی قسمیں ہوتی ہیں وہ سب کی سب اوسط میں اپنی قدروں یا نیچرل قیمتوں پر ہی فروخت کی جاتی ہیں ۔ اوسط مدت جس کے اندر بازار دام اونچ نیچ کے ذریعے اپنا حساب برابر کر لیتے ہیں ، مال کی مختلف قسموں کے معاملے میں مختلف ہوتی ہے، کیوں کہ ایک قسم کا مال سپلائی اور مانگ کے مطابق خود کو زیادہ آسانی سے ڈھال لیتا ہے اور دوسرا زیادہ مشکل سے ۔

اب اگر پورے پھیلاؤ کے ساتھ اور بڑی مدت کے لین دین کو نظر میں رکھ کر یہ صحیح ہے کہ مال کی سب قسمیں اپنی اپنی قدروں کے حساب سے بکتی ہیں تو یہ فرض کرنا بےمعنی ہوگا کہ خود منافع ، ایک آدھ معاملے میں نہیں ، بلکہ مختلف کاروباروں میں مستقل اور معمول کے منافع مالوں کی قیمتوں میں اوپر سے نکالے جاتے ہیں یعنی منافع اس طرح وصول ہوتے ہیں کہ چیزوں کو ان کی ویلیو سے بڑھا کر بیچا جاتا ہے ۔ اگر آپ اس مفروضے کو پھیلا کر دیکھیں تو اس کی لغویت بالکل ہی سامنے آ جائے ۔ اگر یوں ہوتا تو آدمی جو منافع بیوپاری کی حیثیت میں اٹھاتا وہ گاھک کی حیثیت میں ھاتھ سے دیتا رہتا ۔ یہ کہنے سے تو کام چلے گا نہیں کہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بیوپاری تو ہیں ، گاھک نہیں یا مال اٹھانے والے (صارف) تو ہیں ، بنانے والے نہیں ۔ مال بنانے والے کو جو کچھ ادا کرنا ہے وہ پہلے مفت میں انھی سے وصول بھی ہونا چاہئے ۔ اگر کوئی شخص پہلے آپ سے روپیہ لے لے اور پھر مال خریدنے میں وھی روپیہ آپ کو ادا کر دے تو آپ چاھے اپنا مال اس شخص کے ھاتھ کتنا ہی مہنگا کیوں نہ بیچیں ، مالدار ہونے سے رہے ۔ اس طرح کے لین دین میں یہ تو ممکن ہے کہ نقصان کم ہو لیکن نفع کی کوئی گنجائش نہیں ۔

لہاذا منافع کی عام فطرت بیان کرنے کے لئے آپ کو اس کلیے سے شروع کرنا چاہئے کہ اوسط میں سارے مال اپنی اصلی ویلیو پر بیچے جاتے ہیں اور انہیں ان کی ویلیو پر بیچ کر ہی یعنی ان کے اندر جتنی لیبر کھپی ہو اسی کی نسبت سے بیچ کر منافع نکالا جاتا ہے ۔

اگر منافع کو ہم اس قاعدہ کلیہ میں نہ ڈھال سکے تو پھر منافع کی کوئی تشریح نہیں ہو سکتی۔ ظاھرا یہ ایک قول محال (Paradox) معلوم ہوتا ہے اور روزانہ کے مشاھدے کے خلاف جاتا ہے۔ لیکن یہی کیا اور بھی قول محال ھیں جیسے یہ کہنا کہ زمین سورج کا چکر کاٹتی ہے یا پانی ایسی دو گیسوں سے مل کر بنا ہے جن میں بھڑک اٹھنے کی خاصیت ہے۔ سائنسی حقیقت کو اگر آپ روزمرہ کے تجربے سے جانچیں جو چیزوں کا صرف رواں دواں منظر دیکھتا ہے تو وہ ھمیشہ ھی قول محال نکلے گی۔

۷ - محنت کی قوت

جتنا ممکن تھا ویلیو کا، اور کسی بھی مال کی ویلیو کی فطرت کا سرسری تجزیہ کر چکنے کے بعد اب ھمیں اپنی توجہ اس طرف پھیرنی چاھئے کہ محنت کی خاص ویلیو کیا ہوتی ہے۔ اس دفعہ پھر میں ایک ظاھرا قول محال پیش کر کے آپ کو حیرت میں ڈالنا چاھتا ہوں۔ آپ سب حضرات کو یقین ہے کہ جو کچھ آپ ھر روز بیچتے ھیں وہ ہے آپ کی محنت ، یعنی محنت کی ایک قیمت ہے، اور چوں کہ کسی مال کی قیمت اس کی ویلیو کا نقدی میں ظاھر ہونا ھی ہے تو محنت کی ویلیو نام کی کسی چیز کا وجود ضرور ھوا۔ لیکن عام معنوں میں محنت کی ویلیو جیسی کسی چیز کا وجود نہیں ہوتا۔ تاھم چوں کہ ھم دیکھ چکے ھیں کہ کسی مال کے اندر لازمی محنت کی جو مقدار ٹھوس شکل میں موجود ہے وھی اس کی ویلیو بنتی ہے۔ تب ھم ویلیو کے بارے میں اس کلیے کو اپناتے ہوئے یہ کیسے معین کریں کہ کام کے دن کے دس گھنٹے کی ویلیو کیا ہوئی۔ اس ایک دن میں کتنی محنت پڑی ہے؟ دس گھنٹے کی محنت۔ یہ کہنا کہ کام کے دن کے دس گھنٹے کی ویلیو برابر ہے دس گھنٹے کی محنت کے یا اتنی محنت کے جتنی اس وقت میں سمائی ہوئی ہے، یہ لفظی الٹ پھیر بلکہ

بے معنی بیان ہوگا۔ مانی ہوئی بات ہے کہ جب ''محنت کی ویلیو،، کے صحیح اور درپردہ مفہوم تک ہماری پہنچ ہو چکی ہے تو جیسے اجرام فلکی کی صحیح رفتار کا یقین کر چکنے کے بعد ہم ان کی ظاہرا یا محض قاعدے کی پابند حرکت و رفتار کی تشریح بھی کر سکیں‌گے، اسی طرح اب ہم سمجھا سکتے ہیں کہ ویلیو کی اس انمل بےجوڑ اور بظاہر ناممکن سی عملی صورت کیا ہوتی ہے۔

جو چیز مزدور بیچتا ہے، وہ براہ‌راست اس کی محنت نہیں ہوتی، بلکہ محنت کرنے کی طاقت (قوت محنت) ہوتی ہے جسے عارضی طور پر وہ سرمایہ‌دار کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ ایسی نپی تلی بات ہے کہ قانون بنا دئے گئے ہیں — مجھے انگلینڈ کے بارے میں تو نہیں معلوم، لیکن کم از کم یورپ کے کئی ملکوں میں ایسے قانون ہیں کہ آدمی اپنی محنت کو زیادہ سے زیادہ اتنے وقت کے لئے بیچ سکتا ہے۔ اگر وقت کی کسی طرح کی قید نہ رکھی جائے تو پھر سے غلامی کا دور دورہ ہو جائےگا۔ اس طرح کی فروخت اگر ساری عمر چلتی رہے تو وہ فوراً انسان کو عمر بھر کے لئے ملازمت دینے‌والے کا غلام بنا ڈالےگی۔

ایک سب سے پرانے ماہر معاشیات اور نہایت اچھوتے خیالات کے انگریز فلسفی تھومس ہوبس نے اپنی تصنیف «Leviathan» میں بے اختیار اس نکتے کو چھو لیا تھا جسے بعدوالوں نے نظرانداز کر دیا۔ وہ کہتا ہے:

> ''اور سب چیزوں کی طرح، انسان کی ویلیو یا مالیت بھی اس کی قیمت ہے، یعنی جو اس کی طاقت استعمال کرنے کے بدلے دی جاتی ہے۔،،

اگر ہم اس بنیاد سے چلیں تو جیسے اور مالوں کی ویلیو نکالتے ہیں، محنت کی ویلیو کا فیصلہ بھی کر سکیں‌گے۔

لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ عجیب و غریب صورت‌حال کیوں کر سامنے آئی کہ بازار میں ایک طرف تو گاہکوں کا حلقہ ہے جس کے پاس زمین ہے، مشین ہے، کچامال

ہے، ضروریات زندگی کا سروسامان ہے، اچھوتی زمینوں کے علاوہ ان میں سے ہر چیز محنت کی پیداوار ہے، دوسری طرف بیچنےوالوں کی صف ہے جس کے پاس بیچنے کو کچھ شئی نہیں سوائے قوت محنت کے، سوائے محنت کرنےوالے بازو اور دماغ کے؟ ایک صف ایسی کہ برابر خریداری کرتی چلی جاتی ہے تاکہ منافع سے خود کو مالا مال کرتی رہے، دوسری صف لگاتار بیچتی رہتی ہے تاکہ گزر اوقات کا ذریعہ کمائے۔ اس سوال کی چھان بین کا مطلب ہوگا اس چیز کی تحقیق جسے ماہرین معاشیات نے پہلے کی اور شروع والی جوڑ جمع کہا ہے اور جسے دراصل شروع کا قبضہ مخالفانہ (Expropriation) کہنا چاہئے۔ اس تحقیق سے ہمیں پتہ چل جاتا کہ وہ جسے شروع والی جوڑ جمع کا نام دیا گیا ہے، اس کا صرف اتنا مطلب ہے کہ تاریخ کے سلسلہ‌وار عمل نے یہاں تک پہنچا دیا کہ محنت کرنےوالے اور محنت کے اوزاروں کے درمیان جو شروع کی یگانگی چلی آتی تھی اس کے جوڑ کھل گئے۔ خیر یہ تحقیق میرے پیش نظر مضمون کے دائرے سے باہر ہے۔ محنت کرنےوالے اور محنت کے اوزار کے درمیان یہ جدائی ایک بار ہوگئی تو پھر آگے بھی قائم رہتی ہے اور لگاتار بڑے پیمانے پر خود کو پھیلاتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ وقت آتا ہے جب طریق پیداوار میں ایک نیا اور گہرا انقلاب برپا ہو، اس جدائی کا تختہ الٹے اور نئی تاریخی شکل میں پہلے کی سی یگانگی پھر بن جائے۔

اچھا تو قوت محنت کی ویلیو کیا ہے؟

اور مالوں کی طرح قوت محنت کی ویلیو بھی یوں ہی طے ہوتی ہے کہ اسے پیدا کرنے کے لئے محنت کی کتنی مقدار لازم ہے۔ انسان کی محنت کی طاقت صرف اس میں ہے کہ وجود جیتا جاگتا رہے۔ ضروریات زندگی کی بہت ساری چیزیں ہیں کہ انسان اپنی نشوونما اور زندگی باقی رکھنے کے لئے انہیں استعمال میں لاتا ہے۔ لیکن مشین کی طرح آدمی بھی ٹوٹ کر رہ جاتا ہے، اس کی جگہ لینے کو دوسرا آدمی چاہئے۔ خود اپنا وجود باقی رکھنے کی خاطر جو بہت ساری چیزیں اسے درکار ہوتی ہیں، ان کے علاوہ اسے ضروریات کی ایک اور مقدار بھی حاصل کرنی

ہے تاکہ بچوں کی کسی ایک تعداد کو پال پوس کر بڑا کرے جو لیبر کے بازار میں اس کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور مزدوروں کی یہ دوڑ ہمیشہ چلتی رہے ۔ پھر یہ کہ اس کی قوت محنت کو بڑھانے اور کوئی خاص ہنر ہاتھ میں لینے کی خاطر اور بھی کچھ قدریں خرچ کرنی پڑیں گی ۔ ہماری موجودہ بحث کے لئے صرف اوسط محنت پر غور کرنا کافی ہوگا جس کی تعلیم اور ترقی پر برائے نام ہی خرچ آتا ہے۔ تاہم اس موقع پر میں یہ جتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مختلف قسم کی قوت محنت پیدا کرنے کی لاگت میں چوں کہ فرق ہوتا ہے اس لئے کاروبار کی مختلف شاخوں میں لگی ہوئی قوت محنت کی ویلیو میں بھی فرق ہونا لازم ہے ۔ لہاذا یہ چیخ پکار کہ اجرتوں میں مساوات ہو، ایک غلط فہمی پر مبنی ہے اور ایسی جنونی تمنا ہے جو کبھی پوری نہیں ہونےوالی ۔ یہ شوشہ چھوڑا ہوا ہے اس فرضی اور سطحی گرم سیاست کا جو مبادیات تو اپنا لیتی ہے لیکن نتیجوں سے جان چراتی ہے ۔ مزدوری کے نظام میں قوت محنت کی ویلیو اسی طرح طے پاتی ہے جیسے دوسرے کسی بھی سال کی ۔ اور چوں کہ محنت کرنے کی مختلف طاقتوں کی قدریں بھی مختلف ہوتی ہیں، یا یہ کہ انھیں وجود میں لانے کے لئے محنت کی مختلف مقداریں درکار ہوتی ہیں اس لئے محنت کے بازار میں ان کے دام بھی الگ الگ ہونے لازمی ہیں ۔ اجرتوں کے اس نظام کے ہوتے یہ تمنا کرنا کہ محنت کا صلہ سب کو برابر یا کچھ نہیں تو منصفانہ ملنے لگے، یہ ایسی ہی بات ہے جیسے غلامی کے نظام کے ہوتے آزادی کے خواب دیکھنا۔ جس بات کو آپ انصاف کا تقاضا یا منصفانہ سمجھ رہے ہیں اس کا سوال ہی نہیں اٹھتا ۔ سوال صرف اتنا ہے کہ ایک مقررہ نظام پیداوار میں کیا ہونا لازمی ہے جس سے مفر نہیں ۔

اب تک جو کہا گیا اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قوت محنت کی ویلیو طے پاتی ہے ان ضروریات کی ویلیو سے جو محنت کی اس قوت کو پیدا کرنے، بڑھانے، باقی رکھنے اور آئندہ جاری رکھنے میں درکار ہوتی ہیں ۔

۸ - قدرزائد کی پیداوار

اب ہم فرض کرتے ہیں کہ محنت کرنےوالے کی روزمرہ ضروریات کی اوسط مقدار تیار کرنے کے لئے چھ گھنٹے روز کی اوسط محنت درکار ہے - یہ بھی فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی اوسط محنت سونے کی ایک مقدار میں سمائی ہوئی ہے اور یہ مقدار ہے ۳ شلنگ کے برابر - تو پھر تین شلنگ قیمت ٹھیری یا اس آدمی کی قوت محنت کے ایک دن کی ویلیو اتنی نقدی میں ظاہر ہوئی - اگر وہ چھه گھنٹے روز کام کرے تو روزانه اتنی ویلیو پیدا کرےگا جتنی روزمرہ ضروریات کی اوسط مقدار خریدنے کے لئے کافی ہے یا محنت کرنےوالے کی حیثیت میں اسے باقی رکھنے کو پوری پڑتی ہے -

لیکن یہ آدمی اجرت پر کام کرتا ہے - اس لئے اپنی قوت محنت سرمایہ دار کے هاتھ بیچنی ہی ہے - اگر وہ تین شلنگ روز پر بیچے یا ۱۸ شلنگ فی هفته پر، تو وہ اپنی قوت اس کی ویلیو کے حساب سے بیچ رہا ہے - فرض کیجئے، کتائی کا کام کرتا ہے - اگر وہ چھه گھنٹے روز کام کرے تو کپاس کی ویلیو میں تین شلنگ روز کی ویلیو بڑھاتا ہے - یہ جو ویلیو اس نے بڑھائی ہے، یہ ٹھیک اتنی ہی ہے جتنی اسے اجرت ملتی ہے یا روزانه اپنی محنت کی قیمت کے طور پر وصول ہوتی ہے - اس حالت میں سرمایہ‌دار کو نه تو کوئی زائد قدر ہاتھ آئی، نه زائد پیداوار - یہاں ہم الجھن میں پھنستے ہیں -

جب سرمایہ‌دار مزدور سے محنت کی طاقت خریدتا ہے اور اس کی قدر ادا کر دیتا ہے تو دوسرے خریداروں کی طرح اسے بھی یہ حق پہنچا کہ اپنے خریدے ہوئے مال کو خرچ یا استعمال کرے - آپ ایک آدمی کی قوت محنت خرچ یا استعمال کرتے ہیں اسے کام میں لگا کر، ٹھیک اسی طرح جیسے کسی مشین کو چلا کر اسے صرف یا استعمال کرتے ہیں - کام کرنےوالے کی قوت محنت کی ویلیو روز کے

روز یا ہفتہوار ادا کر کے سرمایہدار نے یہ حق حاصل کیا ہے کہ پورے دن یا ہفتہ بھر کے لئے اس قوت محنت کا استعمال کرے یا اسے کام سے لگائے رکھے۔ اس میں شک نہیں کہ کام کا ایک دن یا ایک ہفتہ بھی کچھ حدود کا پابند ہے لیکن ان حدود پر ہم بعد میں زیادہ نزدیک غور کریں گے۔

فی الحال ایک فیصلہ کن نکتے کی طرف آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔

قوت محنت کی ویلیو تو پابند ہے محنت کی اس مقدار کی جو اسے باقی رکھنے یا پھر سے پیدا کرنے کے لئے لازم ہوتی ہے، لیکن اس قوت محنت کا استعمال وہاں تک ہوتا ہے جہاں تک مزدور میں کام کرنے کی طاقت اور جسمانی قوت موجود ہے۔ قوت محنت کی روزانہ کی یا ہفتہواری ویلیو اور چیز ہے اور اس قوت کا عمل میں آنا کچھ اور، اسی طرح جیسے گھوڑا جو خوراک طلب کرتا ہے، وہ اور جتنی دیر وہ شہسوار کو سواری دیتا ہے، دونوں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ محنت کی وہ مقدار جس پر کام کرنےوالے کی قوت محنت کی ویلیو نے حد کھینچی ہوئی ہے ہرگز محنت کی اس مقدار کو محدود نہیں کرتی جو اس کی قوت محنت انجام دینے قابل ہوتی ہے۔ کتائی کرنےوالے کی ہی مثال لے لیجئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ روزانہ اپنی قوت محنت کو پھر سے پیدا کرنے کے لئے اسے ہر روز تین شلنگ کی ویلیو پیدا کر کے دینی ہے جو چھ گھنٹے کے کام سے وہ پوری کر دیتا ہے۔ مگر اس کے سبب یہ نہیں ہوتا کہ اب دس، بارہ یا بارہ سے زیادہ گھنٹے کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ لیکن کتائی کرنےوالے کی قوت محنت کو روزانہ یا ہفتہواری ویلیو ادا کر کے سرمایہدار نے یہ حق پایا ہے کہ محنت کی اس قوت کو سارے دن یا سارے ہفتے استعمال کرے۔ لہازا اب مثال کے طور پر بارہ گھنٹے بھی اس سے کام لے گا۔ ان چھ گھنٹوں کے علاوہ جو اس کی اجرت کی یا قوت محنت کی ویلیو ادا کرنے کے لئے لازم ہیں اسے اوپر سے چھ گھنٹے اور کام کرنے پڑےگا جنھیں میں زائد محنت کے گھنٹے کہتا ہوں یعنی وہ فالتو محنت جو خود کو قدر زائد (Surplus value) اور زائد پیداوار

میں بدل دیتی ہے۔ اگر وہ کتائی کرنےوالا شخص اپنی روزکی چھہ گھنٹہ محنت سے کپاس میں تین شلنگ کی ویلیو بڑھاتا ہے، یعنی جتنی اجرت پائی ہے اس کے بالکل مساوی، تو وہ بارہ گھنٹے کام کرکے چھہ شلنگ کی مالیت اس کپاس کو دے دیتا ہے اور اسی نسبت سے زائد دھاگا تیار کرتا ہے۔ مگر جب وہ اپنی قوت محنت سرمایہ‌دار کے ہاتھ بیچ چکا تو اس نے جتنی بھی ویلیو یا سامان تیار کیا وہ بھی سرمایہ‌دار کی ملکیت ٹھیرا کیوں‌کہ وہی وقتی طور پر اس کی قوت محنت کا مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ سرمایہ‌دار تین شلنگ مزدور کو دےکر چھہ شلنگ کی ویلیو وصول کرےگا کیوں‌کہ اتنی ویلیو کے بدلے جس میں محنت کے چھہ گھنٹے موجود ہیں، وہ ایسی ویلیو وصول کرتا ہے جس میں محنت کے بارہ گھنٹے جمع ہیں۔ روزانہ اسی عمل کو دوہرا کر سرمایہ‌دار ہر روز تین شلنگ دیتا اور چھہ شلنگ اپنی جیب میں ڈالتا رہےگا جس کا آدھا حصہ پھر اجرت کی شکل میں دیا جائےگا اور باقی آدھا فالتو ویلیو (قدر زائد) بنتا جائےگا جس کے عوض سرمایہ‌دار کو کچھ ادا نہیں کرنا۔ سرمائے اور محنت کے درمیان تبادلے کا یہ ہے وہ انداز جس پر سرمایہ‌داری پیداوار یا اجرت کا نظام کھڑا ہوا ہے اور جس کا مستقل نتیجہ یہی ہوگا کہ محنت کرنےوالے کو پھر مزدور اور سرمایہ‌دار کو پھر سرمایہ‌دار بناتا چلا جائے۔

باقی سب حالات یکساں ہوں تو قدر زائد کی شرح منحصر ہوتی ہے اس پر کہ قوت محنت کی ویلیو پھر سے پیدا کرنے کے لئے کام کے جتنے گھنٹے دینے ضروری ہیں ان میں اور جو زائد وقت یا زائد محنت سرمایہ‌دار کے لئے دئے گئے ان میں کیا تناسب ہے۔ لہازا جس حدتک مزدور اپنی قوت محنت کی ویلیو یا اجرت کا حساب پورا کرنے کے لئے کام کرتا ہے، ان گھنٹوں سے زائد یا فالتو کام کے جتنے گھنٹے ہوں‌گے، ان دونوں وقتوں کے تناسب پر قدرزائد کی شرح منحصر رہےگی۔

۹ ۔ محنت کی ویلیو

اب ہمیں اسی بیان کی طرف واپس آنا ہوگا کہ ''محنت کی ویلیو یا اس کی قیمت،، ۔

ہم نے دیکھ لیا کہ حقیقت میں وہ صرف قوت محنت کی ویلیو ہے جو اس سامان کی قدروں میں ناپ کر دی جاتی ہے جس سامان کا ہونا لازمی ہے قوت محنت باقی رکھنے کے لئے ۔ لیکن چوں کہ محنت کرنےوالے کو کام پورا کر چکنے کے بعد اجرت ملتی ہے اور پھر وہ خود سمجھتا ہے کہ اس نے سرمایہ‌دار کو جو کچھ دیا وہ اس کی محنت تھی تو اپنی قوت محنت کی ویلیو یا قیمت اسے لازمی طور سے خود اپنی محنت کی ہی قیمت یا ویلیو نظر آتی ہے ۔ اگر اس کی قوت محنت کی قیمت تین شلنگ ہو جس میں چھه گھنٹے کی محنت وصول ہو جاتی ہے اور پھر وہ بارہ گھنٹے کام کرے تو ناچار یہی سوچتا ہے کہ یہ تین شلنگ بارہ گھنٹے کی محنت کی ویلیو یا قیمت ہیں ، اگرچہ محنت کے یہ بارہ گھنٹے خود چھه شلنگ کی ویلیو میں لگے ہوتے ہیں ۔ اس عمل کی دوہری تاثیر ہوتی ہے :

اول یہ کہ قوت محنت کی ویلیو یا قیمت ایسی نظر آتی ہے گویا خود محنت کی ہی ویلیو یا قیمت ہے ۔ حالاں کہ اگر سچ پوچھئے تو محنت کی ویلیو یا قیمت کے کچھ معنی نہیں ہوتے ۔

دوسرے یہ کہ اگرچہ کام کرنےوالے کی روزانہ محنت کا صرف ایک حصہ ہے جس کی اجرت ادا کی گئی، دوسرا حصہ ادائگی کے بغیر رہا ۔ یہی حصہ یا زائد (فالتو) محنت اصل میں وہ ذخیرہ ہے جس میں سے قدر زائد یا منافع نکلتا ہے، لیکن بظاہر یوں نظر آتا ہے گویا مجموعی طور پر محنت کا معاوضہ دیا گیا ۔

یہ ظاہر کا دھوکا اجرت پر کی ہوئی مزدوری کو محنت کی دوسری تاریخی شکلوں سے جدا کر دیتا ہے ۔ اجرت کا نظام کچھ اس طرح کا بنا ہوا ہے کہ بےمعاوضہ محنت بھی اجرت دی ہوئی محنت نظر آتی ہے ۔ غلام کا معاملہ اس کے برعکس تھا، اس کی محنت کے جس حصے

کا معاوضہ دیا جاتا تھا وہ بھی دیکھنے میں مفت کی بیگار تھی۔ لازمی بات ھے کہ کام کرنے کی خاطر غلام کو زندہ رھنا چاھئے لہٰذا محنت کے دن کا ایک حصہ اس ویلیو کو پورا کرنے میں لگ جاتا ھے جو اس کا وجود باقی رکھنے کے لئے ضروری ھے۔ لیکن چوں کہ غلام اور آقا کے درمیان کوئی سودا نہیں ھوتا اور فریقین میں خرید وفروخت کا معاملہ نہیں بنتا تو اس کی ساری محنت یوں نظر آتی ھے گویا مفت گئی۔

اب دوسری طرف زمین سے بندھے ھوئے (نیم غلام) کسان کو لے لیجئے جو ابھی کل تک سارے مشرقی یورپ میں موجود تھا۔ یہ کسان، مثلاً تین دن تو خود اپنے کھیت پر، یا جو کھیت اسے سونپا گیا ھے، وھاں اپنے لئے کام کرتا تھا اور باقی کے تین دن آقا یا مالک کی جاگیر پر جبری محنت یا بیگار بھرتا تھا۔ یہاں پھر محنت کا وہ حصہ جس کا معاوضہ ملا، اور وہ جس کا نہیں ملا، سلیقے کے ساتھ الگ الگ تھے، وقت اور مقام میں بھی جدا جدا تھے۔ ھمارے آزاد خیالوں کو اس پر بے حد غصہ آیا کرتا تھا کہ آدمی سے اور بے معاوضہ محنت لی جائے۔ اس کو وہ اخلاقی گراوٹ سمجھتے تھے۔

سچ یہ ھے کہ چاھے ایک آدمی ھفتے کے تین دن خود اپنے کھیت پر اپنے لئے اور باقی کے تین دن مالک کی جاگیر پر بے معاوضہ محنت کرتا ھے، چاھے وہ کسی کارخانے یا ورکشاپ میں چھہ گھنٹے روز اپنے لئے اور چھہ گھنٹے مالک کے لئے کام کرتا ھے بات ایک ھی ھوئی۔ اگرچہ فیکٹری یا ورکشاپ کے معاملے میں معاوضہ والی اور بے معاوضہ محنت، دونوں ایک دوسری میں ایسی گتھی ھوئی ھیں کہ الگ نہیں کیا جاسکتا، اور اس پورے لین دین کی فطرت پر یہ پردہ پڑا ھوا ھے کہ درمیان میں ایک معاھدے کا دخل ھے اور ادائگی ھوتی ھے ھفتہ پورا ھونے کے بعد۔ بے معاوضہ محنت ایک معاملے میں اپنی مرضی سے پیش کی ھوئی معلوم ھوتی ھے اور دوسرے معاملے میں زبردستی کی۔ لے دے کر بس اتنا سا فرق ھے ان دونوں میں۔

اب جو میں ''محنت کی ویلیو،، کا لفظ استعمال کروں گا تو محض غلط العام معنوں میں، جس کا مطلب ھے ''قوت محنت کی ویلیو،،۔

۱۰ - کسی مال کو اس کی ویلیو پر فروخت کر کے منافع کمایا جاتا ہے

فرض کیجئے ۔ محنت کا ایک اوسط گھنٹہ جو ویلیو میں لگا ہوتا ہے، وہ چھہ پینس کے برابر ہے، یا بارہ اوسط گھنٹے چھہ شلنگ کی ویلیو کے برابر ٹھیرتے ھیں ۔ آگے فرض کیجئے کہ محنت کی ویلیو تین شلنگ یا اتنے سامان کے برابر ہوئی جتنا چھہ گھنٹے کی محنت نے پیدا کیا ہے ۔ اب اگر کچے مال، مشین اوزار وغیرہ میں، جو کسی مال کی تیاری میں استعمال ہوا ہے، چوبیس گھنٹے کی اوسط محنت لگی ہوئی ہے تو اس کی ویلیو بارہ شلنگ تک پہنچےگی ۔ اور پھر سرمایہ‌دار نے جس آدمی کو محنت پر لگایا ہے اس نے پیداوار کے ذریعوں پر اپنی بارہ گھنٹے کی محنت بڑھائی ہو تو ان بارہ گھنٹوں نے چھہ شلنگ کی مزید ویلیو پیدا کی ۔ اب اس مال کی پوری ویلیو مل کر وصول‌شدہ محنت کے چھتیس گھنٹے اور اٹھارہ شلنگ کے برابر ہو گئی ۔ مگر چوں‌کہ محنت کی ویلیو یا وہ اجرت جو کام کرنےوالے کو دی گئی، صرف تین شلنگ ہوگی تو سرمایہ‌دار کی طرف سے ان چھہ گھنٹے کی فالتو محنت کے بدلے کچھ نہیں دیا گیا جو مزدور نے کی اور مال کی ویلیو کی صورت میں وصول ہو چکی ۔ اس مال کی جو اٹھارہ شلنگ ویلیو بنی ہے، اسی ویلیو پر بیچ کر سرمایہ‌دار کے ہاتھ تین شلنگ کی ایک ایسی ویلیو آئے گی جس کے بدلے اس نے کچھ نہیں دیا ۔ یہی تین شلنگ وہ قدرزائد یا منافع بنا ہے جو اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا ۔ سرمایہ‌دار کو یہ تین شلنگ کا منافع برابر وصول ہوتا رہےگا، ایسا منافع جو وہ اپنا مال اصلی ویلیو سے زیادہ یا اونچی قیمت پر نہیں بلکہ اس کی اصلی ویلیو پر بیچ کر حاصل کرتا ہے ۔

کسی مال کی ویلیو محنت کی اس پوری مقدار سے طے پاتی ہے جو اس کے اندر موجود ہے ۔ اس محنت کا ایک حصہ وہ ہے جو اس ویلیو

کی صورت میں موجود ہے جس کا مساوی اجرت کی شکل میں ادا کیا جا چکا، لیکن ایک حصہ ایسی ویلیو میں رہا جس کا مساوی کچھ ادا نہیں کیا گیا۔ مال کے اندر جو محنت سمائی ہوئی ہے، اس کا ایک حصہ معاوضہ‌والی محنت ہے اور دوسرا حصہ بے معاوضہ کی محنت۔ اس لئے جب سرمایہ‌دار کسی مال کو اس کی اپنی ویلیو پر فروخت کرتا ہے، یعنی محنت کی اس پوری مقدار کو حساب میں لیتا ہے جو اس مال کے اندر ٹھوس شکل رکھتی ہے تو اسے منافع ہونا بہرحال لازم ہے۔ صرف وہی چیز نہیں بیچ رہا ہے جس کے مساوی لاگت آچکی، بلکہ وہ شے بھی فروخت کی جا رہی ہے جس کا اسے خود کچھ نہیں دینا پڑا، البتہ مزدور کی محنت اس میں لگی ہے۔ سرمایہ‌دار کو جو لاگت کسی مال کی پڑی ہے، وہ ایک چیز ہے اور اس مال کی اصلی ویلیو دوسری چیز۔ چناں‌چہ اب میں پھر دوہراتا ہوں کہ اوسط یا معمولی منافع کمایا جاتا ہے کسی مال کو اس کی ویلیو سے زیادہ پر بیچ کر نہیں بلکہ اصلی ویلیو پر بیچ کر۔

۱۱ - وہ مختلف حصے جن میں قدرزائد بکھر جاتی ہے

قدر زائد یا کسی مال کی پوری ویلیو کا وہ حصہ جس میں مزدور کی فالتو محنت یا بےمعاوضہ محنت لگی ہوئی ہے، میں اسے منافع کہتا ہوں۔ یہ پورے کا پورا منافع کام لینےوالے سرمایہ‌دار کی جیب میں نہیں جاتا۔ زمین کا اجارہ زمیندار کو یہ موقع دیتا ہے کہ اس قدر زائد کا ایک حصہ وہ لگان یا کرائے کے نام سے لے جائے، چاہے زمین کاشت کے لئے استعمال ہو، عمارت کے لئے، ریلوے یا کسی اور پیداواری مقصد کے لئے کام آئے۔ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ جب محنت کے اوزاروں کی ملکیت نے کام لینےوالے سرمایہ‌دار کو اس قابل

بنایا کہ وہ قدر زائد پیدا کر سکے یا یوں کہئے کہ بےمعاوضہ محنت کی ایک خاص مقدار ھتھیا سکے، تو وہ جس کے پاس محنت کے ذریعوں کی ملکیت تھی اور جو اپنی یہ ملکیت پوری کی پوری یا تھوڑی بہت کام لینےوالے سرمایہ‌دار کو ادھار دیتا تھا، اسے بھی یہ موقع دیا، یعنی ساھوکار سرمایہ‌دار کو اس قابل کیا کہ وہ سود کے نام سے اسی قدرزائد کے ایک حصے پر خود اپنا حق جما لے۔ چناں‌چہ ان دونوں کو دینے کے بعد کام لینےوالے سرمایہ‌دار کے پاس جتنا کچھ بچتا ھے وہ صرف اسی قدر ھے جسے صنعتی یا تجارتی منافع کہتے ھیں۔

اب رھا سوال کہ وہ کونسے اصول ھیں جن سے قدر زائد کی ساری مقدار ان تین قسم کے آدمیوں کے درمیان قاعدے سے تقسیم ھوتی ھے، یہ ھمارے موضوع سے خارج ھے۔ البتہ اب تک جو کہا گیا اس سے یہ نتیجے نکلتے ھیں۔

لگان یا کرایہ، سود اور صنعتی منافع یہ الگ الگ نام ھیں کسی مال کی قدر زائد کے مختلف حصوں کے، یا اس محنت کے جو مال کے اندر موجود ھے لیکن جس کا معاوضہ نہیں دیا گیا۔ یہ تینوں اسی ذریعے سے اور صرف اسی ایک ذریعے سے نکالے جاتے ھیں۔ نہ تو خود زمین سے ان کی اگھائی ھوتی ھے اور نہ سرمائے سے، البتہ زمین اور سرمایہ اپنے اپنے مالکوں کو یہ موقع دیتے ھیں کہ وہ اس قدر زائد میں سے اپنا اپنا حصہ وصول کر لیں جو کام لینےوالے سرمایہ‌دار نے مزدور سے نکالی ھے۔ خود مزدور کی نظر میں یہ بات بعد کی ھے کہ وہ قدر زائد جو اس کی زائد یا فالتو محنت یا مفت کی محنت کا حاصل تھی، پوری کی پوری کام لینےوالے سرمایہ‌دار نے جیب میں ڈالی یا اس کے حصے بخرے کرائے اور سود کے نام سے دوسرے فریقوں کو بھی دئے۔ فرض کیجئے جس سرمایہ‌دار نے کام لیا ھے، سرمایہ بھی اس نے اپنا ھی لگایا اور زمین کا مالک بھی وہ خود تھا تو اس صورت میں پوری قدر زائد اسی کی جیب میں جائےگی۔

کام لینےوالا سرمایہ‌دار ھی ھے جو مزدور سے سیدھے سیدھے قدر زائد نکال لیتا ھے، چاھے بعد میں اس کا کتنا ھی حصہ اپنے پاس رکھ

سکے۔ یہی وہ تعلق ہے، کام لینےوالے سرمایہ‌دار اور مزدوری کرنےوالے کا، جس پر سارا اجرتی نظام تو کیا، آج کا پورا نظام پیداوار ٹکا ہوا ہے۔ کچھ حضرات جو یہاں ہماری بحث میں شریک ہوئے ہیں یہ غلطی کر گئے کہ معاملے کی لیپا پوتی کرکے وہ یہ جتانے کی کوشش میں تھے کہ کام لینےوالے سرمایہ‌دار اور مزدور کے درمیان یہ تعلق ثانوی حیثیت رکھتا ہے، اگرچہ وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ موجودہ حالات میں قیمتوں کا چڑھنا کام لینےوالے سرمایہ‌دار پر، زمین کے مالک پر، روپیہ دینےوالے سرمایہ‌دار پر اور اتنا اور بڑھا لیجئے کہ ٹیکس اگھانےوالے پر یکساں نہیں بلکہ مختلف درجوں میں اثرانداز ہوگا۔

یہیں سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے۔

مال کی ویلیو کا وہ حصہ جس میں استعمال شدہ کچے مال، مشینری کی ویلیو، یا مختصر یہ کہ ذرائع پیداوار کی ویلیو شامل ہے وہ آمدنی ہرگز شمار نہیں ہوتا بلکہ صرف لگے ہوئے سرمائے کے حساب میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن اس سوال سے قطع نظر یہ کہنا صحیح نہیں کہ مال کی ویلیو کا وہ دوسرا حصہ جو آمدنی شمار ہوتا ہے، یا اجرتوں، منافع، کرائے اور سود کی مدوں میں خرچ کیا جاتا ہے، وہ اجرتوں، کرائے اور منافع وغیرہ کی سب قدروں سے مل کر بنتا ہے۔ اول تو ہم اس بحث سے اجرتوں کا سوال ہی خارج کر دیتے ہیں اور صرف صنعتی منافع، سود اور کرائے پر نظر رکھیں‌گے۔ ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ کسی مال میں جو قدر زائد ہوتی ہے، یا اس کی ویلیو کا وہ حصہ جس میں بےمعاوضہ محنت لگی ہوتی ہے، تین ٹکڑوں میں متفرق ہو جاتا ہے اور تینوں کے الگ الگ نام ہیں۔ لیکن یہ کہنا حقیقت کے بالکل برعکس ہوگا کہ مال کے اس حصے کی ویلیو ان تینوں اجزا کی الگ الگ قدروں کو اس میں جوڑ دینے سے بنتی ہے یا مرکب ہوتی ہے۔

اگر محنت کا ایک گھنٹہ خود کو چھ پینس کی ویلیو میں سماتا ہے، اگر مزدور کا دن بارہ گھنٹے پر پھیلا ہوا ہے، اور اگر اس بارہ گھنٹے کا آدھا وقت بےمعاوضہ محنت میں جاتا ہے تو یہ زائد یا فالتو محنت کسی مال میں تین شلنگ کی قدر زائد کا اضافہ کرتی ہے یعنی

ایسی ویلیو بڑھاتی ہے جس کے عوض کچھ نہیں دیا گیا۔ تین شلنگ کی یہ قدر زائد ہی وہ پورا فنڈ ہے جس کا بٹوارہ زمیندار اور ساہوکار کے ساتھ، جس تناسب سے بھی ہو، کام لینےوالا سرمایہ‌دار کرلےگا۔ ان تین شلنگ میں ویلیو کی وہ حد موجود ہے جس کے اندر تینوں کو حصہ بٹانا ہے۔ کام لینےوالا سرمایہ‌دار کسی مال کی ویلیو میں اپنی طرف سے کوئی ایسی یکطرفہ ویلیو نہیں بڑھاتا جو اپنا منافع نکالنے کے لئے ہو اور اس میں زمیندار وغیرہ کے لئے الگ سے ویلیو بڑھائی جائے، تاکہ اس طرح اوپر سے یکطرفہ بڑھائی ہوئی مقررہ قدریں مل کر ایک مجموعی ویلیو بن جائیں۔ اب آپ نے دیکھا کہ یہ عام خیال کتنا بے بنیاد ہے جسے نظر نہیں آتا کہ ایک مقررہ ویلیو کا تین حصوں میں بکھر جانا اور الگ الگ تین قدروں کا ایک ویلیو میں آکر ملنا کیا فرق رکھتا ہے، یہ سمجھنا غلط ہے کہ ایسی حاصل جمع ویلیو جس میں سے کرایہ بھی ادا کیا جاتا ہے، نفع اور سود بھی نکالا جاتا ہے، جتنی چاہے بڑھائی جا سکتی ہے۔

منافع کی پوری رقم جو سرمایہ‌دار کو وصول ہوئی اگر سو پونڈ کے برابر ہو تو ہم اس رقم کو اس کی پوری گنجائش نظر میں رکھتے ہوئے، منافع کی رقم کہیں‌گے۔ لیکن اگر ان سو پونڈ اور اس سرمائے کا تناسب دیکھیں جو پیشگی دیا جا چکا ہے تو ہم اس کو نسبتی یا تقابلی گنجائش سے شرح منافع کا نام دیں‌گے۔ صاف بات ہے کہ یہ شرح منافع دوسرے طریقے سے خود کو ظاہر کرتی ہے۔

فرض کیجئے سو پونڈ وہ سرمایہ ہے جو اجرت میں پیشگی دیا گیا۔ اگر قدر زائد بھی سو پونڈ کی پیدا کی گئی، تو اس کا مطلب ہے کہ محنت کرنےوالے کا آدھا وقت بےمعاوضہ محنت میں لگ گیا۔ اب ہم اس منافع کو سرمائے کی اس ویلیو سے ناپیں جو اجرت میں دی گئی، تو ہم کہیں‌گے کہ شرح منافع سو فیصدی تھی کیوں کہ جتنی ویلیو پیشگی میں گئی وہ سو تھی اور جو ویلیو وصول ہوئی وہ دو سو تھی۔

لیکن دوسری طرف دیکھئے، اگر وہ سرمایہ جو اجرت میں دیا گیا ہم صرف اسی کو شمار نہیں کرتے بلکہ اس تمام سرمائے کو حساب

میں رکھتے ھیں جو پیشگی لگایا گیا، مثال کے طور پر وہ پانچ سو ھوا اور اس میں چارسو وہ ھیں جن میں کچے مال، مشین وغیرہ کی ویلیو شامل ھے تو اب ھم کہیں گے کہ شرح منافع محض بیس فیصدی ھے، کیوں کہ جو سو پونڈ کا منافع ھے وہ پورے لگائے ھوئے سرمائے کا صرف پانچواں حصہ ھے۔

شرح منافع ظاھر کرنے کا صرف پہلا ھی انداز ایسا ھے جس سے آپ پر صحیح نسبت ظاھر ھوتی ھے کہ کتنی محنت کا معاوضہ دیا گیا اور کتنی محنت کا نہیں، یعنی exploitation * کا (فرانسیسی لفظ کے استعمال کی اجازت دیجئے) صحیح اندازہ بتا دیتا ھے۔ لیکن شرح منافع ظاھر کرنے کا دوسرا انداز عام استعمال میں ھے اور واقعی اس سے بعض مقصد خوب پورے ھوتے ھیں۔ کچھ بھی سہی، یہ انداز بہت مفید ھے یہ چھپانے کے لئے کہ سرمایہ‌دار محنت کرنےوالے سے کتنے درجے مفت کی محنت لے لیتا ھے۔

اب آگے جو خیالات مجھ کو ظاھر کرنے ھیں وھاں لفظ منافع سے میری مراد ھوگی قدر زائد کی وہ پوری مقدار جو سرمایہ‌دار نکال لیتا ھے، دوسرے فریقوں کے ساتھ وہ جو بھی حصہ بٹائے، مجھے اس سے مطلب نہیں۔ اور لفظ شرح منافع سے میں ھر جگہ منافعوں کو اس سرمائے کی ویلیو سے ناپوں‌گا جو اجرت میں دیا جاتا ھے۔

۱۲ ۔ منافع، اجرت اور قیمتوں کا باھمی رشتہ

کسی مال کی ویلیو میں سے اتنی ویلیو گھٹائیے جو کچے مال اور دوسرے ذرائع پیداوار کی شکل میں استعمال ھو چکی ھے، یعنی اتنی ویلیو گھٹائیے جو پیچھلی لیبر کی طرف سے اس مال میں شامل ھے۔ اب جو ویلیو بچی وہ محنت کی اس مقدار کا حاصل ھے جسے آخری

* محنت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا۔ (ایڈیٹر)

محنت کرنےوالے نے بڑھایا ہے۔ اگر اس آدمی نے بارہ گھنٹے روز کام کیا اور بارہ گھنٹے کی اوسط محنت خود کو سونے کی اتنی مقدار میں ڈھال لیتی ہے جو چھہ شلنگ کے برابر ہے تو یہ صرف چھہ شلنگ کی ویلیو ہی وہ ہے جسے اس کی محنت نے پیدا کیا ہے۔ یہی ویلیو جو اس کے وقت محنت سے طے پائی ہے ایسا فنڈ ہے جس کے اندر سے محنت کرنےوالا اور سرمایہ‌دار دونوں ہی اپنا اپنا حصہ یا فائدہ نکالتے ہیں؛ یہی ایک ویلیو ہے جو اجرت اور منافع میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ویلیو چاہے کسی تناسب کے فرق سے دونوں فریقوں میں بانٹی جائے، اس ویلیو کی مجموعی گنجائش میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور پورے معاملے میں بھی اس بات سے کوئی فرق پڑنےوالا نہیں کہ ایک محنت کرنےوالے کی جگہ آپ پوری مزدور آبادی کو رکھ دیں یا مثلاً محنت کے ایک دن کے بجائے آپ ایک کروڑ بیس لاکھ دن شمار کر لیں۔

اب چوں کہ سرمایہ‌دار اور مزدور کو اسی ایک محدود ویلیو میں ساجھا کرنا ہے، یعنی وہی ویلیو بانٹنی ہے جس کا ناپ ہوتا ہے مزدور کی پوری محنت سے، اس لئے دونوں میں سے ایک کو جتنا زیادہ ملےگا دوسرے کو اتنا ہی کم ھاتھ آئےگا یا اس کے برعکس۔ اگر ایک مقررہ مقدار ہو تو اس کا ایک حصہ جتنا بڑھےگا دوسرا حصہ اسی نسبت سے ضرور گھٹےگا۔ اگر اجرتوں میں تبدیلی ہو تو منافع میں الٹی طرف تبدیلی ہوگی۔ اجرت کم ہوگی تو منافع بڑھےگا، اور اجرت بڑھےگی تو منافع گھٹےگا۔ جیسا کہ ہم نے فرض کیا تھا اگر مزدور کو تین شلنگ ملتے ہیں تو جو ویلیو اس نے پیدا کی یہ اس کے آدھے کے برابر ہے، یا اس کی محنت کا پورا دن آدھی معاوضہ‌والی اور آدھی بےمعاوضہ محنت میں جاتا ہے تو شرح منافع سو فیصدی ہوئی کیوں کہ سرمایہ‌دار کو بھی تین ہی شلنگ ملنےوالے ہیں۔ اگر مزدور کو صرف دو شلنگ ملے، یعنی دن بھر کی صرف تہائی محنت اپنی ذات کے لئے استعمال کی تو سرمایہ‌دار کو چار شلنگ ملیں‌گے اور شرح منافع ہوگی دو سو فیصدی۔ اگر مزدور کو چار شلنگ ملے تو سرمایہ‌دار کے ھاتھ صرف دو شلنگ آئیں‌گے اور شرح منافع پچاس فیصدی

رہ جائے گی۔ یہ اونچ نیچ جتنی بھی ہوتی رہے اس سے مال کی ویلیو پر کوئی اثر نہیں پڑےگا۔ اس لئے اجرتوں میں عام اضافے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام شرح منافع گر جائے لیکن اس کا قدروں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اگرچہ مالوں کی یہ قدریں جو آخر میں جاکر ان کے بازار دام گھٹاتی بڑھاتی ہیں، قطعی طور پر طے پاتی ہیں محنت کی اس پوری مقدار سے ہی جو ان مالوں کے اندر لگی ہوئی ہو، اور اس سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں کہ کتنی محنت کا معاوضہ ادا ہوا، کتنی بےمعاوضہ رہی، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کسی ایک مال یا کئی مالوں کی ویلیو جو مثلاً بارہ گھنٹے میں تیار ہوئی ہے وہ ایک ہی حال پر قائم رہتی ہے۔ محنت کے ایک مقررہ وقت یا ایک مقررہ مقدار میں مالوں کی جتنی تعداد یا کھیپ بن کر تیار ہوتی ہے اس کا انحصار ہے لگی ہوئی محنت کی قوت پیداوار پر — اس پر نہیں کہ کتنا وقت محنت لگا۔ مثال کے طور پر کتائی کے کام میں ایک تو اس درجے کی قوت پیداواروالی محنت ہو سکتی ہے کہ بارہ گھنٹے کے کام سے بارہ پونڈ دھاگا تیار کر دے اور کچھ کم درجے کی قوت پیداواروالی محنت اتنی دیر میں صرف دو پونڈ تیار کرسکے۔ اب اگر بارہ گھنٹے کی اوسط محنت چھہ شلنگ کی ویلیو میں وصول ہوتی ہے تو ایک موقع پر بارہ پونڈ دھاگے کی قیمت چھہ شلنگ ہوگی اور دوسرے موقع پر دو پونڈ دھاگے کی لاگت بھی چھہ شلنگ آئےگی۔ اس لئے ایک جگہ تو ایک پونڈ دھاگا چھہ پینس کا پڑا اور دوسری جگہ تین شلنگ کا۔ قیمت کا یہ فرق نتیجہ ہے اس بات کا کہ جو محنت لگی تھی اس کی قوت پیداوار میں فرق تھا۔ محنت کا ایک گھنٹہ، اگر قوت پیداوار زیادہ ہو تو ایک پونڈ دھاگا دےگا اور اگر قوت پیداوار کم ہو تو محنت کے چھہ گھنٹے سے ایک پونڈ دھاگا وصول ہوگا۔ چناں‌چہ ایک موقع پر تو ایک پونڈ دھاگے کی قیمت صرف چھہ پینس ہوگی چاہے اجرت نسبتاً زیادہ ہو اور شرح منافع کم۔ اور دوسرے موقع پر اتنے ہی دھاگے کی قیمت تین شلنگ ہوگی، چاہے اجرت کم ہو اور شرح منافع زیادہ۔ وجہ اس کی یہ کہ ایک پونڈ دھاگے کی

قیمت محنت کی اس پوری مقدار سے ہی گھٹتی بڑھتی ہے جو اس کی تیاری میں لگ چکی ہے، محنت کی وہ پوری مقدار معاوضہ والی اور بے معاوضہ محنت میں چاہے کسی نسبت سے تقسیم ہوتی رہے۔ وہ حقیقت جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ زیادہ داموں‌والی محنت کم قیمت مال تیار کر سکتی ہے اور کم دام‌والی محنت سہنگا مال، اب اس بیان میں کوئی قول محال نظر نہیں آئے گا۔ اس میں محض ایک عام اصول پیش کیا گیا تھا کہ کسی مال کی ویلیو محنت کی اس مقدار کے مطابق رہتی ہے جو اس مال میں لگی ہو، اور محنت کی مقدار لے دے کر منحصر ہے لگی ہوئی محنت کی قوت پیداوار پر چناں‌چہ محنت کی پیداواری قوت کے ہر ایک فرق کے ساتھ اس میں بھی فرق پڑے گا۔

۱۳ - وہ خاص موقع جب اجرت کو بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے یا اسے گرنے سے روکنے کی

اب ہمیں سنجیدگی سے ان موقعوں پر غور کرنا چاہئے جہاں یا تو اجرت بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے یا اسے گرنے سے روکنے کے لئے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

۱ - ہم دیکھ چکے ہیں کہ قوت محنت کی ویلیو یا عام لفظوں میں محنت کی ویلیو ضروریات‌زندگی کی ویلیو سے طے پاتی ہے یا محنت کی اس مقدار سے طے پاتی ہے جسے ان ضروریات کی تیاری میں لگانا پڑے۔ اب اگر کسی ملک میں مزدور کی روزمرہ اوسط ضروریات کی ویلیو چھ گھنٹے کی محنت کے برابر ہے جو تین شلنگ میں ظاہر ہوتی ہے تو مزدور کو چھ گھنٹے روز کام کرنا ہوگا تاکہ وہ

روز کی گزر اوقات کے مساوی پیدا کر سکے۔ اور اگر کام کا پورا دن بارہ گھنٹے کا ہو تو سرمایہ‌دار اس کی محنت کی ویلیو تین شلنگ میں ادا کرے گا۔ کام کا آدھا دن بےمعاوضہ جائےگا اور شرح منافع ٹھیرے گی سو فیصدی۔ لیکن آگے فرض کیجئے کہ قوت پیداوار کم ہونے کے باعث، یوں کہیے کہ زرعی پیداوار کی اتنی ہی مقدار اٹھانے کے لئے محنت کی زیادہ مقدار چاہئے۔ اور اس کے سبب روزمرہ اوسط ضروریات کی قیمت تین سے بڑھ کر چار شلنگ ہو جائےگی۔ ایسی حالت میں محنت کی ویلیو ایک تہائی یا $33\frac{1}{3}$ فیصدی بڑھ گئی۔ پہلے کے معیار زندگی سے مزدور کی روز کی گزر اوقات کے مساوی پیدا کرنے کے لئے اب کام کے آٹھ گھنٹے لگانے ضروری ہو جائیں‌گے چناں‌چہ زائد یا فالتو محنت چھہ سے چار گھنٹے ہی رہ جائےگی اور شرح منافع سو سے گھٹ کر ۵۰ فیصدی پر آجائےگی۔ اپنی اجرت بڑھوانے کے لئے مزدور جب زور دےگا تو وہ اصرار کرےگا محض اس بات پر کہ اس کی محنت کی بڑھی ہوئی ویلیو ادا کی جائے جیسا کہ کوئی بھی مال بیچنے‌والا، جس کے مال کی لاگت بڑھ چکی ہو، اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کے مال کی بڑھی ہوئی ویلیو ادا کی جائے۔ اگر اجرت نہیں بڑھتی یا تسلی بخش حد تک نہیں بڑھتی کہ ضروریات زندگی کی بڑھی ہوئی ویلیو کو پوری پڑسکے تو محنت کی قیمت اس کی ویلیو سے نیچے اتر جائےگی اور مزدور کا معیار زندگی بگڑ جائےگا۔

مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تبدیلی مخالف سمت میں ہو۔ محنت کی قوت پیداوار بڑھی ہونے کی بدولت روزمرہ اوسط ضروریات کی اتنی ہی مقدار ممکن ہے کہ تین شلنگ کے بجائے دو شلنگ پر اتر آئے یا یوں کہئے کہ کام کے دن میں چھہ کے بجائے صرف چار گھنٹے کافی ہونے لگیں روزمرہ ضروریات کی ویلیو کے مساوی پیدا کرنے کو۔ اب محنت کرنے والا دو شلنگ میں ہی اتنی ضروریات خرید سکےگا جتنی وہ تین شلنگ میں خریدا کرتا تھا۔ محنت کی ویلیو بےشک گری لیکن وہ گری ہوئی ویلیو مال کی اتنی ہی مقدار پر حاوی ہے جتنی پہلے تھی۔ ایسی حالت میں منافع تین سے چار شلنگ ہو جائےگا اور شرح

منافع سو سے دوسو فیصدی۔ اگرچہ مزدور کا قطعی معیار زندگی جہاں تھا وھیں رہا لیکن اس کی نسبتی اجرت اور ساتھ میں اس کی نسبتی سماجی حیثیت سرمایہ‌دار کے مقابلے میں اور گر گئی۔ اب اگر کام کرنےوالا نسبتی اجرت کو اور گرنے سے روکنے کھڑا ھوتا ھے تو وہ صرف اسی کوشش میں ھے کہ خود اپنی محنت کی بڑھی ھوئی قوت پیداوار میں کچھ حصہ بٹائے اور سماجی پیمانے پر اپنی پہلے کی نسبتی حیثیت کو سنبھالے رکھے۔ چناں‌چہ جب انگلینڈ میں اناج کا قانون منسوخ کیا گیا اور اس قانون کے منسوخ کرانے کے ایجی‌ٹیشن کے دنوں میں جو حلفیہ وعدے کئے گئے تھے ان کی کھلی خلاف ورزی کرکے انگریز مل مالکوں نے عام طور سے اجرتیں دس فیصدی گھٹا دیں تو مزدوروں نے ٹکر لی۔ شروع میں معلوم ھوتا تھا کہ وہ لاحاصل رھی۔ لیکن بعد میں کچھ ایسے اسباب کی بدولت جن کا بیان میں فی‌الحال نہیں کر سکتا، وہ کٹی ھوئی دس فیصدی اجرت پھر وصول کرلی گئی۔

۲۔ ضروریات زندگی کی ویلیو ممکن ھے وھی رھے جو تھی اور اس کے نتیجے میں محنت کی ویلیو بھی وھی رھے، لیکن ان کی نقد قیمت میں فرق آ جائے کیوں کہ روپے کی ویلیو پہلے بدل چکی۔

مثلاً یہ ھو سکتا ھے کہ زیادہ زرخیز کانیں دریافت ھونے یا کسی اور وجہ سے دو اونس سونا حاصل کرنے کی محنت اتنی ھی رہ جائے جتنی پہلے ایک اونس سونے میں لگتی تھی۔ اس صورت میں سونے کی ویلیو گھٹ کر آدھی یا پچاس فیصدی رہ جائےگی۔ اب چوں کہ تمام مالوں کی ویلیو پہلے سے دوگنی رقم میں ظاھر کی جائےگی تو محنت کی ویلیو کا بھی یہی ھوگا۔ بارہ گھنٹے کی محنت جو پہلے چھہ شلنگ میں ظاھر ھوتی تھی اب بارہ شلنگ میں ھونے لگےگی۔ محنت کرنےوالے کی اجرت اگر چھہ شلنگ ھونے کے بجائے اب بھی تین ھی شلنگ رھی تو اس کی محنت کی نقد قیمت محنت کی ویلیو سے آدھی رہ جائےگی اور اس کا معیار زندگی بہت بری طرح گرےگا۔ اگر اس کی اجرت بڑھ بھی جائے لیکن اس تناسب سے نہ بڑھے جس سے سونے کی ویلیو گری ھے تب بھی محنت کی نقد ویلیو گرنا کم و بیش ویسا ھی رھےگا۔ ایسے موقع پر اور کچھ نہیں بدلا۔ محنت کی پیداواری قوت، مانگ اور

سپلائی یا مالوں کی قدریں سب جوں کی توں رهیں ۔ ان قدروں کے نام جو نقد رقموں کی صورت میں هوتے هیں، ان کے سوا کوئی شے تبدیل نہیں هوئی ۔ یہ کہنا کہ اس صورت میں مزدور اپنی اجرت میں بقدر مناسب اضافے کی کوشش نہ کرے، ایسا هی هے جیسے کہا جائے کہ چیزوں کے بجائے وہ صرف ناموں میں معاوضہ لے کر قناعت اختیار کرے ۔ پچھلی تمام تاریخ ثابت کرتی هے کہ جب بھی نقدرقم کی قیمت گرنے کا موقع آتا هے تو سرمایہ‌دار چوکنے هو جاتے هیں اور موقع سے فائدہ اٹھاکر محنت کرنےوالوں کو فریب دئے رهتے هیں ۔ سیاسی معاشیات کے ماهرین کا ایک بڑا مکتب فکر ایسا هے جس کا کہنا هے کہ سونےوالی زمینوں کی نئی دریافتوں کی بدولت، چاندی کی کانوں میں کام کی آسانیوں، اور پارے کی سستی نکاسی کی بدولت قیمتی دھاتوں کی ویلیو پھر گر گئی هے ۔ اس سے سمجھ میں آجاتا هے کہ یورپ میں هر طرف اور ایک ساتھ کیوں آواز اٹھی هے اجرتیں بڑھوانے کی ۔

۳ ۔ اب تک عام طور سے هم یہ فرض کرتے آئے هیں کہ کام کا دن محدود هوتا هے ۔ کچھ بھی سہی کام کا دن بجائے خود مستقل حدوں کا پابند نہیں ۔ سرمائے کا مستقل رجحان یہی هے کہ وہ کام کے دن کو جسمانی طور پر جتنا کھینچ سکے کھینچے کیوں کہ اسی حساب سے فالتو محنت لےگا اور اس سے حاصل هونےوالا منافع بھی اتنا هی بڑھےگا ۔ کام کے دن کو لمبا کھینچنے میں سرمائے کو جس قدر کامیابی هوگی اسی قدر وہ دوسروں کی محنت هتھیا سکےگا ۔ پوری سترھویں صدی میں، بلکہ اٹھارویں صدی کے پہلے دوتہائی برسوں میں بھی پورے انگلستان میں کام کے دس گھنٹے کا معمول تھا ۔ جیکوبین کے خلاف جنگ چھڑی جو دراصل برطانوی امیروں نے برطانیہ کے عام مزدوروں کے خلاف چھیڑی تھی (۲۳)، تو لڑائی کے پورے عرصے سرمائے نے خوب بغلیں بجائیں اور کام کا دن دس کے بجائے بارہ، چودہ اور اٹھارہ گھنٹے تک بڑھا دیا ۔ مالتھوس، جسے دور دور جذباتی رقت کا الزام نہیں دیا جا سکتا، ۱۸۱۵ء کے شائع شدہ ایک پمفلٹ میں کہتا هے کہ اگر یہی حالت چلتی رهی تو قوم کی زندگی کی خاص جڑ بنیاد پر چوٹ پڑےگی (۲۴) ۔ نو ایجاد مشینری ابھی عام طور سے لگائی نہ گئی تھی

که اس سے چند سال پہلے ۱۷۶۵ء کے قریب انگلینڈ میں ایک پمفلٹ شائع ہوا جس کا عنوان تھا: "صنعت پر ایک مضمون"۔ پمفلٹ کا بےنام مصنف، جو محنت‌کش طبقوں کا پکا دشمن ہے*، کھلے لفظوں میں زور دے کر کہتا ہے کہ محنت کے دن کی حدیں پھیلانا بےحد ضروری ہے۔ اس مقصد سے اور باتوں کے علاوہ وہ ایک تجویز یہ بھی رکھتا ہے کہ محنت گھر (۲۰) قائم کئے جائیں جو بقول اس کے "ہیبت گھر"، ہونے چاہئیں۔ ان "ہیبت گھروں"، کے لئے محنت کے دن کی حدیں کیا ہوں‌گی؟ وہ بارہ گھنٹے کی تجویز کرتا ہے، یعنی ٹھیک اتنا وقت جتنا ۱۸۳۲ء میں سرمایہ‌داروں، سیاسی معاشیات والوں اور وزیروں کے کہنے کے مطابق نہ صرف اس زمانے میں مقرر تھا بلکہ محنت کے لئے کم‌ازکم اتنا ضروری اور بارہ برس تک کی عمر کے بچے پر بھی لازم ہونا چاہئے۔

اپنی قوت محنت بیچ کر، موجودہ نظام میں اسے بیچنا تو ہے ہی، مزدور اس قوت کا استعمال سرمایہ‌دار کے سپرد کر دیتا ہے لیکن چند معقول حدوں کے اندر۔ وہ اپنی قوت محنت بیچتا ہے تاکہ اسے سنبھال سکے (قدرتی طور پر جتنی گھسائی ہوتی ہے فی‌الحال اس کا ہم حساب نہیں کرتے) لیکن وہ بالکل ہی برباد نہ ہونے پائے۔ روز کی یا ہفتہ‌وار ویلیو کے حساب سے اپنی قوت محنت بیچنے میں یہ بات ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ ایک دن یا ایک ہفتے کے اندر وہ قوت محنت دو دن یا دو ہفتے کے برابر نہ تو خرچ کی جائےگی، نہ اتنی ضائع ہونے پائےگی۔ کوئی مشین لیجئے جس کی قیمت ایک ہزار پونڈ ہے۔ اگر وہ دس سال کے استعمال سے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہونی ہے تو جو مال اس سے بنایا جاتا ہے، اس مال میں ہر سال ایک سو پونڈ کی ویلیو کا اضافہ کرےگی۔ اور اگر اسے صرف پانچ سال کے استعمال میں ختم ہونا ہے تو سالانہ دو سو پونڈ کی ویلیو لگےگی، یا یوں کہیں که مشین کی سالانہ گھسائی کی ویلیو اتنے عرصے پر پھیلائی جاتی ہے جتنے عرصے میں وہ استعمال سے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائےگی۔ مگر

* غالباً اس کا مصنف تھا جان کننگھم۔ (ایڈیٹر)

یہاں آدمی اور مشین میں فرق پڑتا ہے ۔ مشین کی طاقت ٹھیک اسی نسبت سے ختم نہیں ہوتی جس سے اس کا استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس کے برخلاف آدمی پر کام کے اوقات بڑھائے جاتے ہیں تو وہ دیکھنے میں جتنا تھکتا ہے، درحقیقت اس سے زیادہ ٹوٹتا یا گھل جاتا ہے ۔

جب محنت کرنےوالوں کی طرف سے یہ کوشش کی جائے کہ کام کے گھنٹے پہلے کی معقول حدوں تک کم ہوں، یا یہ کہ جب وہ کام کے گھنٹوں کے معمول پر قانونی حد نہیں لگوا سکتے تو اجرت بڑھوا کر کام کی زیادتی پر ایک روک لگانے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی فالتو وقت میں جو ان سے کام لیا گیا اجرت اسی کی نسبت سے نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی بڑھائی جائے (یا اوور ٹائم کی اجرت نسبتاً زیادہ ہو) تو وہ صرف اپنی طرف سے اور اپنی نسل کی طرف سے ایک فرض ادا کرتے ہیں ۔ محنت کرنےوالے اس طرح صرف حدیں کھڑی کرتے ہیں سرمائے کے بےدرد قبضہ مخالفانہ پر ۔ وقت انسانی نشو ونما کے لئے محض ایک گنجائش ہی تو ہے ۔ جس آدمی کو فرصت کا وقت میسر نہ ہو، جس کی ساری عمر، سونے، کھانے وغیرہ کی جسمانی حاجتوں کو چھوڑ کر باقی تمام وقت سرمایہ‌دار کے لئے محنت کرنے میں کٹ جائے، وہ لداؤ جانور سے بھی بدتر زندگی گزارتا ہے ۔ جسمانی لحاظ سے تھکا ہارا اور روحانی لحاظ سے بےحس، وہ ایک ایسی مشین رہ جاتا ہے جس سے غیر کی دولت ڈھالی جائے ۔ پھر بھی موجودہ صنعت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ اگر سرمائے پر پابندی نہ لگائی جائے تو وہ بڑی بےپروائی اور بےرحمی کے ساتھ پورے محنت کش طبقے کو انتہائی پستی کی حالت پر پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے ۔

کام کے گھنٹے بڑھانے میں سرمایہ‌دار زیادہ اجرت دیتے ہوئے بھی محنت کی ویلیو گرا سکتا ہے، اگر وہ اجرت، جو بڑھائی گئی ہے، محنت کی اس بڑھتی ہوئی مقدار سے، جو مزدور سے لی جاتی ہے، اور زیادہ محنت کے کارن قوت محنت میں جو تیزی سے زوال آتا ہے، اس سے بھی میل نہ کھاتی ہو ۔ ایک اور ترکیب بھی ہے ۔ آپ کے یہ اعدادوشمار نکالنےوالے جو درمیانی طبقے سے ہوتے ہیں، بتائیں گے کہ مثلاً لنکاشائر میں فیکٹری کے ملازم خاندانوں کی اوسط اجرتیں بڑھ گئی

ھیں - وہ یہ بھول جاتے ھیں کہ جہاں پہلے صرف ایک آدمی یعنی خاندان کا بڑا کام کیا کرتا تھا، اب وھیں اس کی بیوی اوز تین چار بچے بھی سرمائے کے جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے (۲۶) پسنے کو ڈال دئے گئے ھیں اور ان کی اجرت مل کر جتنی بڑھی ھے وہ اس فالتو محنت کے برابر نہیں آتی جو سارے خاندان سے ملا کرلی جاتی ھے -

اگر کام کے گھنٹوں کی مقررہ حد بھی قائم رھے جیسا کہ آجکل صنعت کی ان تمام شاخوں میں ھے جو فیکٹری قانون کے ماتحت ھیں، تب بھی اجرت کا بڑھنا محنت کی ویلیو کی ادائیگی کا وھی پچھلا معیار قائم رکھنے کی خاطر ضروری ھوجاتا ھے - محنت کی شدت بڑھانے سے، یہ ممکن ھے کہ آدمی کو گھنٹے بھر کے وقت میں اتنی محنت خرچ کرنی پڑجائے جتنی وہ پہلے دو گھنٹے میں کیا کرتا تھا - صنعت کی ان شاخوں میں جن پر فیکٹری کا قانون لاگو ھے، کسی حد تک یہ عمل ھو بھی چکا ھے اور وہ اس طرح کہ مشینری اور کام کی رفتار تیز کرکے ایک ایک آدمی کے ذمے زیادہ مشینوں کی دیکھ بھال کر دی گئی - اگر محنت کی شدت بڑھانے یا ایک گھنٹے میں جتنی محنت کھپتی ھے اسے بڑھانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ھوا کرتا کہ کام کے گھنٹوں کی مدت بجا طور پر کم کردی جاتی تب بھی محنت کرنےوالا کچھ فائدے میں رھتا - اگر وقت محنت کی یہ حد ٹوٹتی ھے تو اس نے ایک شکل میں جو پایا وہ دوسری صورت میں کھو دیا، اور دس گھنٹے کی محنت اتنی ھی جان لیوا بن جائےگی جتنی بارہ گھنٹے کی محنت بنی ھوئی تھی - سرمائے کے اس رجحان پر روک لگانے میں جب مزدور کی طرف سے کوشش ھوتی ھے کہ محنت کی بڑھتی ھوئی شدت کے مطابق ھی اس کی اجرت بھی بڑھائی جائے تو وہ صرف اتنا کرتا ھے کہ اپنی محنت کی قیمت گرنے اور اپنی نسل پر زوال آنے کا توڑ کرے -

۴ - آپ سب واقف ھیں کہ ایسی وجھوں سے جن کی تفصیل یہاں کچھ ضروری نہیں، سرمایہ‌دارانہ پیداوار تھوڑے تھوڑے وقفے سے بعض چکروں سے گزرتی رھتی ھے - ایک حالت امن چین کی ھوتی ھے، پھر بڑھتی ھوئی ھلچل، خوشحالی، ضرورت سے زیادہ پیداوار، بحران یا سنکٹ اور پھر جمود - مال کے بازاردام اور بازار کی شرح منافع کو

بھی انھی دوروں سے گزرنا پڑتا ہے کہ کبھی اوسط سے گر گئے، کبھی بڑھ گئے ۔ اگر اس پورے چکر پر نظر رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ بازاردام اگر ایک طرف کو زیادہ ہٹتے ہیں تو پھر دوسری طرف ہٹ کر اپنا حساب برابر کر لیتے ہیں اور پورے چکر کا اوسط نکالا جائے تو مالوں کے بازاردام بالاخر اپنی ویلیو کے ھی پابند رہتے ہیں ۔ اچھا تو بازاردام ڈوبنے کے دور میں، بحران اور جمود کے دنوں میں اگر محنت کرنےوالے کو بالکل ھی بےروزگار نہ کر دیا جائے تو اس کی اجرت ضرور گھٹا دی جاتی ہے ۔ دام گرتے وقت بھی، فریب سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ محنت کرنےوالا سرمایہدار سے سول تول کرے کہ اجرت گھٹایا جانا ضروری ہے تو کس تناسب سے ضروری ہے ۔ اور خوش حالی کے زمانے میں جب خاص کر زائد منافع بن رہا ہو، اگر وہ اپنی اجرت بڑھوانے کے لئے نہیں لڑتے تو صنعتی رفتار کا ایک چکر پورا ہوتے ہوتے جو اوسط پڑےگا اس میں اوسط اجرت یا اپنی محنت کی ویلیو بھی نصیب نہیں ہوگی ۔ حماقت کی انتہا ہوگی اگر یہ تقاضہ کیا جائے کہ صنعتی چکر کے برے دنوں کا اجرت پر برا اثر تو ضرور ھی پڑےگا لیکن، جب اچھے دن ہوں، تو خوش حالی میں نعم البدل لینے سے مزدور خود کو علاحدہ ھی رکھے ۔ عموماً تمام مالوں کی قدریں صرف اسی طرح وصول ہوتی ہیں کہ مانگ اور سپلائی کی لگاتار اونچ نیچ ہوتے رہنے سے بازار دام اپنی کمی بیشی کا حساب برابر کرتے رہتے ہیں ۔ موجودہ نظام کے اصول سے محنت بھی اوروں کی طرح ایک مال ہے ۔ چناںچہ اسے بھی کمی بیشی سے گزرنا چاہئے تاکہ اپنی ویلیو کے مناسب اوسط قیمت حاصل کرسکے ۔ یہ ایک احمقانہ بات ہے کہ ایک طرف تو محنت کو ایک مال شمار کیاجائے اور دوسری طرف مال کی قیمتوں پر جو اصول لاگو ہوتے ہیں ان سے محنت کو الگ رکھا جائے ۔ غلام کو گزراوقات کے لئے ایک مقررہ اور مستقل طلب ملتی رہتی ہے لیکن اجرت پر کام کرنےوالے کو نہیں ملتی ۔ پس لازم ہے کہ وہ ایک موقع پر اپنی اجرت بڑھوانے کی کوشش کرے تاکہ اور کچھ نہیں تو دوسرے موقع پر اجرت گھٹنے کی تلافی ہو جائے ۔ اگر وہ ہاتھ پرہاتھ دھرکر بیٹھ جائے اور سرمایہدار کی

مرضی اور حکم کو ہی مستقل معاشی قانون سمجھ کر قبول کرلے تو وہ غلاموں کی سی بدنصیبی کا شکار تو ہو جائے گا، غلام کی سی بےفکری اسے نصیب نہ ہوگی۔

۵ - اب تک جتنی مثالیں میرے زیر غور آئی ہیں اور ان کی تعداد سو میں ننانوے ضرور ہے، آپ نے دیکھ لیا کہ اجرت بڑھوانے کی جد و جہد اپنے سے پہلے کی تبدیلیوں کی لپیٹ میں قدم بقدم چلتی ہے اور یہ خمیازہ ہے ان پہلے کی تبدیلیوں کا جو رونما ہوتی ہیں پیداوار کی مقدار میں، محنت کی پیداواری طاقت میں، محنت کی ویلیو میں، روپے کی ویلیو میں، جو محنت لی جاتی ہے اس کی گنجائش یا شدت میں، قیمتوں کی اس اونچ نیچ میں جو منحصر ہے مانگ اور سپلائی کی کمی بیشی پر، اور صنعتی رفتار کے پورے چکر کے مختلف مرحلوں سے پوری مطابقت رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ اجرت بڑھوانے کی مانگ لیبر کی جوابی کارروائی ہے سرمائے کی پہلے سے کی ہوئی کارروائی پر۔ اس جدوجہد کو ان تمام حالات سے بےتعلق کر کے دیکھنا، صرف اجرت کی تبدیلی پر نظر رکھنا اور ان تمام تبدیلیوں سے نظر بچاجانا جن سے یہ تقاضہ پیدا ہوتا ہے، ایسا ہے کہ آپ ایک غلط مفروضے سے شروع کرتے ہیں تاکہ آخرمیں غلط نتیجے پر پہنچ جائیں۔

۱۴ - سرمائے اور محنت کی کش مکش اور اس کے نتیجے

۱ - میں دکھا چکا ہوں کہ اجرت گھٹائے جانے کے خلاف مزدوروں کی طرف سے جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مقابلہ کیا جاتا ہے اور بار بار کوشش کی جاتی ہے کہ اجرت بڑھے، یہ بات اس اجرتی نظام کے ساتھ لازم ملزوم ہے اور خود اٹھتی بھی ہے اسی وجہ سے کہ محنت کو مال کا درجہ حاصل ہے، اس لئے وہی قاعدے جو قیمتوں کی عام رفتار پر حاوی رہتے ہیں، محنت بھی انھی کی پابند ہوتی

ہے ۔ اس کے علاوہ یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ اجرت میں عام اضافے کا اثر یہی ہوتا ہے کہ شرح منافع عام طور سے گھٹ جائے، پھر بھی اس سے مالوں کی اوسط قیمتوں پر یا ان کی قدروں پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ تو آخر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرمائے اور محنت کی اس مسلسل کش‌مکش میں محنت کی کامیابی کے آثار کہاں تک ہیں ۔

کلیے کی صورت میں تو یہ جواب دے سکتا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ جیسا اور مالوں کا معاملہ ہے ویسا ہی محنت کا بھی ہے کہ اس کے بازار دام بھی ایک بڑے عرصے کے اندر اپنی ویلیو سے تال میل پیدا کریں گے ۔ لہاذا چاہے کتنے ہی نشیب و فراز آتے رہیں اور مزدور کچھ بھی کرے، اوسط میں اسے وہی وصول ہوگی جو اس کی محنت کی ویلیو یا جو اس کی قوت محنت کی ویلیو بنتی ہے، اور وہ طے پاتی ہے ان ضروریات کی ویلیو سے جو محنت کو قائم رکھنے اور پھر سے پیدا کرنے کے لئے لازم ہیں ۔ یہ ضروریات زندگی کی ویلیو کم و بیش ہوتی رہتی ہے محنت کی اس مقدار سے جو ان چیزوں کے تیار کرنے میں لگتی ہے ۔

لیکن بعض خصوصیات ایسی ہیں جو قوت محنت کی یا خود محنت کی ویلیو کو دوسرے تمام مالوں کی قدروں سے امتیاز بخشتی ہیں ۔ قوت محنت کی ویلیو دو عناصر سے بنتی ہے: ایک محض جسمانی، دوسرا تاریخی یا سماجی ۔ اس کی سب سے نچلی حد تو جسمانی عنصر سے ہی بنتی ہے، یا یوں کہئے کہ اپنا وجود باقی رکھنے اور پھر سے پیدا کرنے کی خاطر، اپنے جسمانی وجود کو قائم و دائم رکھنے کی خاطر مزدور طبقے کو وہ ضروریات زندگی میسر ہونی چاہئیں جو زندہ رہنے اور نسل بڑھانے کے لئے انتہائی لازمی ہوتی ہیں ۔ چناں‌چہ انھی انتہائی لازمی ضروریاتِ زندگی کی جو ویلیو ہوگی وہی محنت کی ویلیو کی کم‌ازکم حد مقرر ہوگی ۔ دوسری طرف دیکھئے تو کام کے دن کے پھیلاؤ پر بھی کوئی نہ کوئی آخری حد ضرور ہوتی ہے، چاہے اس میں کتنی ہی لوچ اور لچک ہو ۔ محنت کرنےوالے کی جسمانی طاقت ہی اس کی آخری حد بنا دیتی ہے ۔ اگر اس کے بدن کی اصلی سکت روزانہ کی کسی حد سے زیادہ خرچ ہونے لگے تو ہر روز نئے

سرے سے اتنی ھی نہیں کھپائی جا سکتی۔ لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ھوں، اس حد میں بڑی لچک ھوتی ھے۔ اگر کمزور اور کم جینےوالی نسلیں یکے بعد دیگرے جلدی جلدی آتی رھیں تو وہ بھی لیبر کے بازار کو اسی طرح بھرا رکھیں گی جیسے مضبوط جسم کی اور زیادہ عمر پانےوالی نسلوں کا سلسلہ رکھتا۔

اس جسمانی عنصر کے علاوہ محنت کی ویلیو ھر ایک ملک میں وھاں کے پہلے سے چلتے ھوتے معیار زندگی سے طے پاتی ھے۔ یہ صرف جسمانی زندگی کی بات نہیں، بلکہ ایسی ضروریات کا مہیا کرنا بھی شامل ھے کہ جن سماجی حالات میں لوگ پلتے بڑھتے ھیں یہ ضروریات بھی انھی سے ابھرتی ھیں۔ انگریز کا معیار زندگی آئرلینڈ کے معیار تک گھٹایا جاسکتا ھے۔ کسی جرمن کسان کا معیار زندگی لیوونیاوالے کسان تک اتارا جا سکتا ھے۔ تاریخی رواج اور سماجی چلن اس سلسلے میں کتنی اھمیت رکھتے ھیں، یہ آپ مسٹر تھارنٹن کی تصنیف ''حد سے زیادہ آبادی پر،، دیکھ کر اندازہ کر سکتے ھیں، جہاں انھوں نے ثابت کیا ھے کہ انگلینڈ کے مختلف زراعتی ضلعوں میں آج بھی اوسط اجرت مختلف ھے۔ یہ ضلعے زمین سے بندھے (نیم غلام) کسان کی حالت سے نکل کر سدھار کے جس جس درجے میں پہنچ پاتے ھیں، اسی درجے کی کم و بیش نسبت سے ان کی اجرتوں میں فرق پڑتا ھے۔

یہ تاریخی یا سماجی عنصر جو محنت کی ویلیو میں دخیل ھوتا ھے، زیادہ پھیل بھی سکتا ھے، سکڑ بھی سکتا ھے، یہاں تک کہ بالکل ناپید بھی ھو سکتا ھے کہ سوائے جسمانی حد کے اور کچھ نہ رہ جائے۔ جس زمانے میں جیکوبی کے خلاف جنگ چل رھی تھی (بڑے میاں جارج روز، جو ٹیکس ھضم کرنے کے پرانے پاپی اور مفت کی تنخواہ پانے کے عادی (Sinecurist) تھے، اس جنگ کا مقصد یوں بتایا کرتے تھے کہ یہ ھمارے مقدس مذھب کی خوبیوں کو فرانسیسی بے دینوں کی دست برد سے بچانے کی خاطر ھے) ان دنوں دیندار انگریز کاشتکار نے، جس کا ذکر خیر ھم پہلے کسی موقع پر کر چکے ھیں، زرعی مزدوروں کی اجرتیں گھٹاتے گھٹاتے اتنی کر دی تھیں کہ خالص جسمانی احتیاج کو بھی کم پڑنے لگیں، اور وہ ضروریات جو نسل

کو باقی اور جاری رکھنے کے لئے درکار تھیں، ان کی کمی پوری کی جاتی اس فنڈ سے جو ''قانون مفلسی،، (۲۷) کی رو سے مقرر تھا۔ یہ شاندار ترکیب تھی اس بات کی کہ اجرت پر کام کرنےوالے کو غلام بنا کر اور شیکسپئیر کے پیش کئے ہوئے بانکے کو مفلس قلاش بنا کر رکھ دیا جائے۔

اگر آپ مختلف ملکوں میں یا کسی ایک ہی ملک کے مختلف تاریخی دوروں میں اجرتوں کے معیار یا محنت کی قدروں کا موازنہ کریں تو آپ کو پتہ چلےگا کہ خود محنت کی ویلیو بھی کوئی جامد چیز نہیں ہے بلکہ جس وقت اور دوسرے مالوں کی قدریں ایک حالت پر قائم ہوں تب بھی محنت کی ویلیو برابر گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

اسی طرح کا موازنہ کرنے سے یہ بھی ثابت ہو جائےگا کہ منافع کے صرف بازار بھاؤ ہی نہیں بدلتے بلکہ اس کا اوسط بھاؤ بھی بدل جاتا ہے۔

تاہم منافع کے معاملے میں کوئی ایسا اصول یا قاعدہ نہیں جو اس کی کم‌ازکم حد مقرر کرتا ہو۔ کہا نہیں جا سکتا کہ منافع آخرمیں کہاں تک اتر سکتا ہے۔ یہ حد مقرر کیوں نہیں کی جاسکتی؟ کیوں کہ اجرت کی کم‌ازکم حد تومقرر کردی جائے لیکن اس کی زیادہ سے زیادہ حد نہیں ٹھیرائی جا سکتی۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ کام کے گھنٹے دئے ہوئے ہوں تو زیادہ سے زیادہ منافع وہاں تھیرےگا جہاں اجرت کی کم‌ازکم جسمانی سطح ہوگی، اور اجرتیں دی ہوئی ہوں تو زیادہ سے زیادہ منافع کام کے گھنٹوں کی اس گنجائش سے میل کھائےگا جسے مزدور کی جسمانی طاقت سہار سکے۔ مطلب یہ کہ زیادہ سے زیادہ منافع ان حدوں کے درمیان پہنچ کر ٹھیرتا ہے جہاں اجرتیں کم‌ازکم اتری ہوئی ہوں (Physical minimum of wages) اور کام کے گھنٹے زیادہ سے زیادہ بڑھے ہوتے ہوں (Physical maximum of the working days)۔ ظاہر بات ہے کہ زیادہ سے زیادہ شرح منافع کی ان دو حدوں کے درمیان اونچ نیچ کی بےپناہ صورتیں بھی ممکن ہیں۔ واقعی کس درجے پر لاکر منافع ٹھیرایا جائے، یہ طے پاتا ہے صرف اس کشمکش

سے جو محنت اور سرمائے کے درمیان مستقل چلتی رہتی ہے ۔ سرمایہ‌دار برابر اس کوشش میں رہتا ہے کہ اجرتیں گھٹاکر سب سے نیچی جسمانی سطح پر لائی جائیں اور کام کے گھنٹے بڑھا کر سب سے اوپر کی جسمانی سطح تک پہنچائے جائیں، اس پر محنت کرنےوالا لگاتار مخالف سمت میں زور ڈالتا رہتا ہے ۔

آخر یہ معاملہ حریفوں کی زورآزمائی کا ایک سوال بن کر رہ جاتا ہے ۔

۲ ۔ جہاں تک کام کے گھنٹوں کی حدبندی کا مسئلہ ہے، وہ انگلینڈ میں ہو یا دوسرے ملکوں میں، کبھی طے نہیں ہو سکا سوائے اس کے کہ قانون‌سازی نے دخل دے کر طے کرایا ۔ اگر مزدور باہر سے برابر دباؤ نہ ڈالتے رہتے تو قانون بھی کبھی دخل دینے پر آمادہ نہ ہوتا ۔ اور جو بھی ہوتا لیکن اس نتیجے پر کبھی نہیں پہنچا جا سکتا تھا کہ محنت کرنےوالے اور سرمایہ‌دار آپس میں نبٹ لیں اور کام کے گھنٹوں کی حدبندی طے کرلیں ۔ عام سیاسی کارروائی کی ضرورت پڑنا خود ہی ثبوت دیتا ہے کہ اگر معاملہ صرف معاشی کارروائی کا ہو تو سرمایہ زیادہ مضبوط فریق ہے ۔

رہا محنت کی ویلیو کی حدوں کا سوال تو اس کا صحیح فیصلہ صرف مانگ اور سپلائی پر منحصر رہتا ہے ۔ کہنے کا مطلب یہ کہ سرمائے کی طرف سے لیبر کی مانگ اور محنت کرنےوالوں کی طرف سے لیبر کی سپلائی ۔ جن ملکوں میں نوآبادیات بسی ہیں وہاں سپلائی اور مانگ کا اصول مزدور کے حق میں جاتا ہے ۔ اسی لئے ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ میں اجرتوں کا معیار اوروں سے اونچا ہے ۔ سرمایہ وہاں سارے جتن کرتا ہے لیکن لیبر کے بازار کو باربار خالی ہونے سے نہیں روک پاتا کیوں کہ اجرت پر کام کرنےوالے برابر مزدوری چھوڑ کر آزادانہ اور خود کفایتی کاشتکار بنتے رہتے ہیں ۔ امریکہ والوں میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو مزدوری صرف پاؤں ٹکانے کے لئے کرتے ہیں جسے تھوڑے بہت عرصے بعد بہرحال چھوڑنا ہی ہے ۔ نوآبادی میں حالت کے اس بگاڑ کو سنبھالنے کے لئے برطانیہ کی مربیانہ حکومت نے کچھ زمانے کے لئے وہ برتاؤ اختیار کر لیا جسے

'آجکل کا نوآبادی بسانے کا نظریہ، کہتے ہیں۔ اس نظریے کا حاصل یہ کہ نوآبادیات کی زمین کی قیمت خواہ مخواہ بہت بڑھا چڑھا کر رکھی جائے تاکہ مزدور تیزی کے ساتھ آزاد کاشتکار نہ بن بیٹھے۔

اب زرا پرانے متمدن ملکوں کو لیجئے جہاں پیداوار کے پورے سلسلہ عمل پر سرمایہ حاوی ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر انگلینڈ میں زرعی مزدوریاں ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۹ء تک کی مدت میں کتنی بڑھی ہیں؟ اور اس کا انجام کیا ہوا؟ کاشتکار نہ تو گیہوں کی ویلیو بڑھا سکے اور نہ اس کے بازاردام۔ ہمارے دوست ویسٹن صاحب بھی انہیں شاید یہی مشورہ دیتے۔ الٹا ہوا یہ کہ قیمتیں گرنے پر انہیں راضی ہونا پڑا۔ لیکن ان گیارہ برسوں میں انہوں نے ہر قسم کی مشین لگا دی، زیادہ سائنسی طریقے اپنا لئے، قابل کاشت زمینوں کا ایک حصہ چراگاہوں میں بدل دیا، کھیتوں کے سائز بڑھا دئے اور اسی سے پیداوار کا پیمانہ بڑا کر لیا۔ ان تدبیروں کے علاوہ اور ایسے راستے اختیار کر کے، جن سے لیبر کی قوت پیداوار بڑھا کر اس کی مانگ میں برابر تخفیف کی جا سکے، انہوں نے زرعی آبادی کو پھر اتنا کر لیا کہ وہ نسبتاً ضرورت سے زیادہ ہی رہے۔ یہ ہے وہ عام طریقہ جس سے پرانے جمے جمائے ملکوں میں اجرتیں بڑھنے کے مقابلے پر سرمایہ زرا آہستہ یا تیز جوابی کارروائی کرتا ہے۔ ریکارڈو نے سچ کہا تھا کہ مشین کا لیبر سے مستقل مقابلہ چلتا رہتا ہے اور اکثر مشین تبھی لگائی جاتی ہے جب محنت کی قیمت بڑھ کر ایک حد کو پہنچ چکی ہو (۲۸)۔ لیکن مشین لگانا محنت کی پیداواری قوت بڑھانے کی اور بہت ساری تدبیروں سے صرف ایک تدبیر ہے۔ یہی ایک قدم جو عام محنت کو نسبتاً فالتو بنا ڈالتا ہے، یہی دوسری طرف ہنرمند لیبر کو سادہ محنت میں بدل کر اس کی قدروقیمت بھی گرا دیتا ہے۔

یہی قانون دوسری صورت میں بھی سامنے آتا ہے۔ محنت کی پیداواری طاقت بڑھنے سے، چاہے اجرت کا معیار کچھ زیادہ ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی سرمایہ جمع ہونے کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، جیسا کہ آدم اسمتھ نے جس کے زمانے میں جدید صنعت ابھی ہاتھ پاؤں نکال رہی تھی، نتیجہ نکالا کہ سرمائے کا تیزی

سے جمع ہونا مزدور کے حق میں فیصلہ کرےگا کیوں کہ اس کی محنت کی مانگ بڑھتی جائےگی۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو آجکل کے بہت سے اہل قلم حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ اگرچہ پچھلے بیس سال کے اندر انگریزی سرمایہ انگریزی آبادی کے مقابلے میں کہیں تیزی سے بڑھا ہے لیکن اجرتوں میں ایسا خاص اضافہ نہیں ہوا۔ کیوں؟ اس لئے کہ سرمائے کا ذخیرہ ہونا جوں جوں بڑھتا ہے اسی کے ساتھ سرمائے کی اندرونی ترکیب بھی رفتہ رفتہ بدلتی جاتی ہے۔ مجموعی سرمائے کا وہ حصہ جو قائم سرمائے میں یعنی مشینری، کچےمال اور ہر ممکن صورت کے ذرائع پیداوار میں لگایا جاتا ہے، وہ درجہ بدرجہ بڑھتا جاتا ہے، بمقابلہ اس حصے کے جو اجرتوں میں یا محنت کی خریداری میں پھیلایا جاتا ہے۔ یہ قانون تھوڑے بہت نپے تلے انداز میں مسٹر بارٹن، ریکارڈو، سسماندی، پروفیسر رچرڈ جونس، پروفیسر ریمزے، شربولیئے اور دوسرے حضرات نے بیان کر دیا ہے۔

اگر سرمائے کے ان دونوں اجزا کی نسبت شروع میں ایک اور ایک تھی تو صنعت کی ترقی میں اب یہ نسبت پانچ اور ایک کی ہو جاتی ہے، اور اسی طرح آگے بھی۔ اگر مجموعی سرمایہ چھہ سو لگاہے اور اس میں تین سو اوزاروں میں، کچے مال وغیرہ میں اور تین سو اجرتوں پر پھیلا ہوا ہے تو مجموعی سرمائے کے صرف دوگنا ہونے کی دیر ہے کہ تین سو کے بجائے چھہ سو محنت کرنےوالوں کی ضرورت پڑےگی۔ لیکن اگر چھہ سو کے مجموعی سرمائے میں پانچ سو مشین میں، کچے مال اور دوسری چیزوں میں لگا ہے اور صرف سو اجرتوں پر پھیلا ہوا ہے تو سرمائے کو چھہ سو سے بڑھ کر تین ہزار چھہ سو (۳۶۰۰) پر پہنچنا چاہئے تب جا کر تین سو کے بجائے چھہ سو محنت کرنےوالوں کی مانگ ہوگی۔ لہازا صنعت کی ترقی میں لیبر کی مانگ سرمائے کے جمع ہونے کے ساتھ ساتھ قدم نہیں بڑھاتی ہے۔ یہ مانگ بڑھےگی تو ضرور، لیکن سرمائے کے بڑھنے کی رفتار سے برابر اس کا تناسب کم ہوتا جائےگا۔

یہ چند اشارے اتنا دکھانے کو کافی ہیں کہ جدید صنعت کا بڑھنا ہی رفتہ رفتہ محنت کرنےوالے کے مقابلے میں سرمایہ‌دار کا پلہ بھاری کرتا جاتا ہے اور نتیجے میں سرمایہ‌داری پیداوار کا عام

رجحان یہ نہیں ہوتا کہ اجرت کا اوسط معیار بلند کیا جائے بلکہ یہ معیار تہہ میں اتار دیا جائے، یا محنت کی ویلیو کم و بیش وہیں پہنچائی جائے جہاں اس کی سب سے نیچی حد ہو۔ جب اس نظام کے ہوتے چیزوں کا جھکاؤ یوں ہو تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مزدور طبقے کو چاہئے کہ وہ سرمائے کی دست درازی کا مقابلہ کرنا چھوڑ دے اور اپنی عارضی بہتری کا جو اتفاقی موقع ہاتھ آتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوششوں سے منہ پھیر لے؟ اگر محنت کش ایسا کرنے لگیں تو وہ بے بسی اور بے کسی کا ایک انبوہ ہو کر رہ جائیں گے جس کے سامنے نجات کی کوئی راہ نہ ہو۔ امید ہے کہ میں اب تک یہ دکھا چکا ہوں کہ اجرت کے معیار کی خاطر محنت کشوں کی جدوجہد ایسا فعل ہے جسے اجرتوں کے نظام زندگی سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا، سو میں سے ننانوے واقعات ایسے ہوتے ہیں جب اجرت بڑھانے کے لئے ان کی کوششیں دراصل صرف اس لئے ہوتی ہیں کہ محنت کی مقررہ ویلیو سنبھلی رہے اور یہ کہ سرمایہ‌دار سے اپنا مول تول کرنے کی ضرورت ان کی اس حالت کی رگ رگ میں بھری ہے جو حالت بکاؤ مال کی طرح ان سے اپنے آپ کو بکواتی ہے۔ اگر وہ بے‌ہمتی کے مارے سرمائے کے ساتھ اپنے روزانہ کے ٹکراؤ سے منہ موڑلیں تو پھر ان میں اتنی سکت ھی نہ رہ جائے گی کہ کسی بڑی وسیع تحریک لے کر پہل کر سکیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی کہ، اجرت پر کام کرنے کا یہ نظام جو محنت کشوں کو عام طور سے دبا کر رکھتا ہے، اس سے قطع نظر، مزدور طبقے کو چاہئے کہ وہ آئے دن کے ان مقابلوں کے آخری انجام کو بہت بڑھاچڑھا کر نہ دیکھے۔ اسے یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ابھی لڑائی صرف اثرات سے چل رہی ہے، ان اثرات کی جڑ میں جو اسباب ہیں، ان سے نہیں چل رہی، وہ نشیب کی طرف ڈھلان کو روک رہی ہے، لیکن اس کی پوری سمت نہیں بدل رہی؛ وہ صرف بیماری کو تھامنے کی کوشش میں ہے، اس کا علاج کرنے میں نہیں۔ لہازا سرمائے کی انتھک دست‌درازی کے کارن یا بازار کی تبدیلیوں کے باعث جو یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر بار اسے چارو ناچار چھاپہ‌مار لڑائی

لڑنی پڑتی ھے، اسی میں ڈوب کر نہ رہ جائے۔ اسے یہ خوب سمجھ لینا چاھئے کہ موجودہ نظام محنت کشوں پر چاھے کتنی ھی مصیبتیں نازل کرلے لیکن ساتھ ساتھ ایسے مادی حالات اور سماجی صورتوں کو بھی جنم دیتا ھے جو پورے سماج کی معاشی کایاپلٹ کرنے کے لئے لازمی ھیں۔ قدامت پسندی کے اس کلمے کے بجائے کہ ''ایمانداری کی محنت کے دن کے بدلے ایمانداری کی مزدوری!،، انھیں اپنے پرچم پر یہ انقلابی بلول چڑھا لینی چاھئے کہ ''مزدوری پر کام کا نظام مردہ باد!،،

اس طول طویل، بلکہ تھکاڈالنےوالے تفصیلی بیان کے بعد، جو مجھے بنیادی سوال پر روشنی ڈالنے کی خاطر مجبوراً دینا پڑا اب میں تقریر ختم کرتے ھوئے یہ تجویز پیش کرتا ھوں:

(۱) اجرتوں کی شرح کا عام اضافہ عام شرح منافع کم کرنے کا سبب بنتا ھے۔ لیکن یوں دیکھئے تو مالوں کی قیمتوں پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔

(۲) سرمایہ‌داری پیداوار کا عام رجحان یہی ھے کہ اجرت کا اوسط معیار بڑھائے نہیں بلکہ تہہ تک اتار دے۔

(۳) ٹریڈیونینیں سرمائے کی دست درازی سے ٹکر لینے کا مرکز بن کر مفید کام انجام دیتی ھیں۔ لیکن وہ اپنی طاقت کا صحیح استعمال نہ کرکے جزوی طور پر نقصان اٹھاتی ھیں۔ عام طور سے ان کی ناکامی اس میں ھے کہ موجودہ نظام کے اثرات کا مقابلہ کرنے میں خود کو صرف چھاپہ‌مار لڑائی تک محدود کرلیتی ھیں، بجائے اس کے کہ ساتھ ساتھ اس نظام کو بدلنے کی کوشش کی جائے، اپنی منظم طاقتوں سے کام لے کر انھیں مزدور طبقے کی آخری رھائی کےلئے یعنی مزدوری پر کام کرنے کے اس نظام کے بالکل خاتمے کےلئے اصلی پرزہ بنا لیا جائے۔

مارکس نے آخر مئی اور ۲۷ جون ۱۸۶۵ء کے درمیان تحریر کیا۔

پہلی بار لندن سے ۱۸۹۸ء میں شائع ھوا۔

انگریزی زبان کے مسودے کے مطابق حرف بحرف چھاپا گیا۔

کارل مارکس

''سرمایه،، کی پہلی جلد کے پہلے جرمن ایڈیشن کا دیباچہ[29]

یہ تصنیف جس کی پہلی جلد پبلک کے سامنے لا رہا ہوں، میری اسی تصنیف کا سلسلہ ہے جو «Zur Kritik der Politischen Oekonomie» (''سیاسی معاشیات کی تنقید پر،،) کے نام سے ۱۸۵۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ پہلے حصے اور اس کے سلسلے کے درمیان جو اتنا لمبا وقفہ آگیا، اس کی وجہ لگاتار کئی سال کی بیماری ہے جو باربار میرے کام میں خلل ڈالتی رہی۔

پہلے کی تصنیف کا نچوڑ موجودہ جلد کے پہلے باب میں خلاصہ کرکے دےدیا گیا ہے (۳۰)۔ غرض صرف اتنی نہیں تھی کہ سلسلہ قائم رہے اور تکمیل کردی جائے، بلکہ اصل مضمون کا بیان بھی کچھ اور بہتر ہوا ہے۔ جہاں تک اور جیسے بھی حالات نے اجازت دی، ایسے کئی نکتے جنھیں پہلے کی تصنیف میں صرف چھیڑا گیا تھا، یہاں زیادہ بھرپور طریقے سے آتے ہیں اور اس کے برخلاف جو نکتے وہاں زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے تھے، موجودہ جلد میں ان کا سرسری ذکر آیا ہے۔ ویلیو اور روپے کے نظریوں کی تاریخ پر جو باب وہاں لکھے جا چکے ہیں، یہاں انھیں بالکل چھوڑ دیا گیا۔ جو لوگ پہلے کی تصنیف پڑھ چکے ہیں انھیں موجودہ کتاب کے باب اول کے حاشیے پر کچھ اور ایسے حوالے ملیں گے جن کا تعلق ویلیو اور روپے کے نظریات کی تاریخ سے ہے۔

یہ بات کہ ابتدا مشکل ہوتی ہے، ہر ایک علم کے بارے میں صحیح ہے۔ چنانچہ پہلا باب اور اس میں بھی خاص کر وہ سیکشن جس میں مالوں کا تجزیہ کیا گیا ہے، پڑھنےوالے کو سب سے زیادہ مشکل نظر آئےگا۔ وہاں بھی خاص کر اتنا بیان جہاں ویلیو (قدر) کی اصلیت اور اس کی وسعت سے بحث کی گئی ہے، جہاں تک مجھ سے بن پڑا، میں نے عام فہم * بنایا۔ ویلیو کی شکل، جس کی پوری طرح ترقی‌یافتہ صورت ہے روپے کی شکل، بہت ہی ابتدائی اور سادہ ہوتی ہے۔ لیکن ذہن انسانی کو اس کی تہہ میں اترنے کی بےفائدہ کوشش کرتے دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ لیکن جو شکلیں زیادہ مرکب اور زیادہ پیچیدہ تھیں ان کے کامیاب تجزیے میں اندازہ قریب قریب صحیح رہا۔ وجہ یہ کہ مجموعی ساخت کے لحاظ سے اگر جسم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ مطالعہ آسان ہے لیکن اسی جسم کے خلیوں کا الگ الگ مطالعہ مشکل ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ معاشی شکلوں کے تجزیے میں نہ تو خوردبین کام آتی ہے، نہ کیمیائی مادوں کی تاثیر سے کام لیا جاتا ہے۔ دونوں کی جگہ مطلق کلیوں کا زور چلتا ہے۔ محنت سے تیار ہونےوالے سامان کی یہ شکل کہ وہ مال ہے،

---

* یہ اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ لاسال کی تصنیف کے اس حصے میں بھی، جو شولتسے دیلیچ کے توڑ پر لکھا گیا ہے؛ اور جہاں بقول مصنف اس سوضوع پر (۳۱) میری ریسرچ کا ''ذہنی لب لباب،، پیش کیا گیا ہے، وہاں بھی غلط بیانی موجود ہے۔ یوں کہنا چاھئے کہ: اگر فرڈنینڈ لاسال نے اپنی معاشی تحریروں کے عام نظریاتی اصول بیان کرنے میں، مثلاً سرمائے کے تاریخی کردار، پیداواری تعلقات اور طریق پیداوار کے درمیان باھمی رشتوں کے بیان وغیرہ میں میری تحریروں کو حوالہ دئے بغیر لفظ بلفظ نقل کر لیا ہے، یہاں تک کہ میری وضع کی ہوئی اصطلاحیں بھی اٹھالی ھیں تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایسا محض پروپیگنڈے کی نیت سے کیا گیا۔ میری مراد ان جزوی بیانوں سے نہیں ہے اور نہ ان کے عملی اطلاق سے، جن سے میرا دور دور کوئی واسطہ نہیں۔

یا یہ کہ ہر ایک مال میں ویلیو کی شکل موجود ہوتی ہے، یہی بورژوائی سوسائٹی کا معاشی خلیہ ہے۔ سرسری نظر ڈالنے والے کے نزدیک ان شکلوں کا تجزیہ بال کی کھال نکالنا معلوم ہوگا۔ اور اصل میں یہاں واسطہ بھی بال کی کھال سے ہی ہے، لیکن یہ اس قماش کی باریکی ہے جیسی خوردبین سے جسم کے رگ و ریشے میں دیکھی جاتی ہے۔

پس اس جلد میں جہاں ویلیو کی شکل پر بحث کی گئی ہے، اس سیکشن کے علاوہ کسی اور جگہ دشواری کا الزام نہیں لگے گا۔ البتہ اتنا ہے کہ میری نظر کے سامنے ایسا پڑھنےوالا رہا جو نئی بات معلوم کرنے کی دھن میں ہو اور خود بھی اپنے ذہن پر زور ڈالتا ہو۔

طبیعیات کا عالم مطالعے کے لئے یا تو ایسے مظاہر چنتا ہے جو بالکل نمونہ بن چکے ہوں اور ان پر باہر سے کسی اور طرح کا عمل دخل نہ ہو، خلل نہ پڑے، یا پھر جہاں ممکن ہوتا ہے وہ ان حالات میں تجربے کرتا ہے جن حالات میں وہ مظاہر اپنے معمول پر چلتے رہتے ہوں۔ زیر نظر تصنیف میں مجھے یہ جانچنا تھا کہ سرمایہدارانہ طریق پیداوار کیا ہے، اس طریق پیداوار کی نسبت سے مال کی تیاری اور تبادلے کے حالات و شرائط کیا ہیں۔ وہ سرزمین جہاں اس طریق پیداوار نے جڑ پکڑی ہے، بحالات موجودہ انگلینڈ ہے۔ اسی سبب سے میں نے اپنے نظریاتی خیالات کو ابھارنے اور نکھارنے میں خاص نمونہ انگلینڈ کو بنایا۔ اب اگر جرمن پڑھنے والا کاندھے جھٹک کر کہے کہ انگریز صنعتی اور زرعی مزدور کے حالات سے مجھے کیا سروکار، یا خوش فہمی کی بدولت اس زعم میں مبتلا ہو جائے کہ ہمیں اس سے کیا، جرمنی میں تو حالات اتنے بگڑے ہوئے نہیں ہیں، تو میں اس سے صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ «De te fabula narratur!» (روئے سخن تمہاری طرف ہے مرے عزیز!)

سرمایہداری پیداوار کے قدرتی قانونوں کا جو نتیجہ سماجی تناتنی کی صورت میں نکلتا ہے، یہ تناتنی اوپر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے یا ابھی نیچے کی سطح پر ہے، اصل سوال بذات خود یہ نہیں۔ اصل سوال تو خود ان قانونوں کا ہے، ان رجحانوں کا ہے جو اٹل طریقے سے ایک لازمی نتیجے پر پہنچ کر رہتے ہیں۔ جو ملک صنعتی لحاظ

سے زیادہ ترقی‌یافتہ ہوگا، وہ اپنے سے کم ترقی یافتہ ملک کے سامنے خود اپنے مستقبل کی ہی مثال پیش کرےگا۔

لیکن اس سے قطع نظر ایک اور بات: اگرچہ جرمنوں میں سرمایہ‌دارانہ پیداوار کا چلن عام ہوچکا ہے (مثلاً کارخانوں کے صدر مقامات پر) لیکن رنگ ڈھنگ انگلینڈ سے کہیں بدتر ہیں، وجہ یہ کہ فیکٹری کے قانونوں کی دیکھ بھال جرمنی میں ناپید ہے۔ مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح ہم بھی باقی تمام میدانوں میں صرف سرمایہ‌داری پیداوار کے پروان چڑھنے کا ہی شکار نہیں ہوئے بلکہ ابھی یہ عمل پوری طرح پروان نہیں چڑھا، اس کے بھی مارے ہوئے ہیں۔ نئے زمانے کی لعنتوں کے علاوہ وہ لعنتیں بھی ہمارے سر پر سوار ہیں جو اوپر کی نسلوں سے چلی آ رہی ہیں، اور جو نتیجہ ہیں اس کا کہ دقیانوسی طریق پیداوار بھی گردن ڈالے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں اور اپنی پیٹھ پیچھے سماجی اور سیاسی انمل بےجوڑپن کی ایک پوری قطار کھینچے چل رہے ہیں۔ ہمارے سر پر صرف وہ لدا ہوا نہیں جو زندہ ہے بلکہ وہ بھی جو مر چکا۔ Le mort saisit le vif! (زندہ بدست مردہ!)۔

جرمنی کے اور خود مغربی یورپ کے ملکوں کے سماجی اعداد و شمار کی ترتیب، انگلینڈ سے مقابلہ کرکے دیکھئے تو بہت پست حالت میں ملتی ہے۔ پھر بھی نقاب اتنا ضرور سرکا ہوا ہے کہ ہم کو میدوزا کے سر کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ اگر انگلینڈ کی طرح یہاں بھی ہماری حکومتیں اور پارلیمنٹیں معاشی حالات کی جانچ پرتال کے لئے وقتاً فوقتاً تحقیقاتی کمیشن بٹھایا کرتیں، اگر ان کمیشنوں کو اصلیت کی تہہ میں اترنے کے لئے وہی بےروک اختیارات حاصل ہوتے، اگر اس مقصد کے لئے ایسے لوگوں کا ملنا ممکن ہوتا جو انگریز فیکٹری انسپکٹروں کی طرح اہل اور لائق بھی ہوتے، بےمروت، بےلوث اور بےلاگ بھی ہوتے، انگلینڈ والوں کی طرح لوگوں کی صحت کے بارے میں میڈیکل رپورٹ دینےوالے، عورتوں اور بچوں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے، مکان اور خوراک کی حالت کی چھان‌بین کرنے کے کمیشنوں کے ممبر موجود ہوتے تو ہمارے یہاں بھی ایسا خوفناک منظر کھلتا جسے دیکھ کر

هم لرز جاتے۔ قصه کہانیوں کے پیرسئی نے جادو کی ٹوپی پہن رکھی تھی تاکه شکار کرتے وقت دیو اسے دیکھ نه سکے۔ هم لوگوں نے جادو کی ٹوپی سے آنکھ کان ڈھانپ رکھے هیں تاکه بھوت یا دیو کا گمان هی نه گزرنے پائے۔

اس جگه همیں خود فریبی میں مبتلا نه هونا چاهئے۔ جیساکه اٹھارویں صدی میں هوا که امریکه کی جنگ آزادی نے (۳۲) یورپی درمیانی طبقے میں بگل بجا دیا تھا، اب انیسویں صدی میں امریکه کی خانهجنگی نے یورپ کے مزدور طبقے کے لئے بگل بجایا هے۔ انگلینڈ میں سماج کے عناصر کا بکھراؤ نظر کے سامنے بڑھتا جا رها هے۔ جب وه بڑھتے بڑھتے ایک حد کو پهنچیےگا تو یورپ پر بھی اثرانداز هوگا۔ خود مزدور طبقے کی ترقی جس درجے پر هوگی اسی کے مطابق یورپ میں یه بکھراؤ زیاده بےدردی یا زیاده رواداری کی شکل اختیار کرےگا۔ لهازا اعلا مقاصد کے علاوه کچھ ایسے فوری اور اهم مفاد حکمراں طبقوں کے سامنے هوتے هیں جو ان کو اس پر آماده کرتے هیں که مزدور طبقے کی آزادانه اٹھان کی راه میں جو رکاوٹیں ایسی هیں که قانونی طور پر دور کی جا سکیں وه ان تمام رکاوٹوں کو دور کردیں۔ خاص اس سبب سے اور دوسری وجهوں سے بھی میں نے موجوده جلد میں اتنی زیاده جگه دےکر انگلش فیکٹری قانونسازی کی تاریخ، تفصیل اور اس کے نتیجوں کا بیان کیا هے۔ ایک قوم دوسری قوم سے سیکھ سکتی هے اور اسے سیکھنا بھی چاهئے۔ جب کوئی سماج اپنی حرکت و رفتار کے قدرتی قانون کا پته چلانے میں صحیح ڈگر پر قدم اٹھا رها هو، — اور اس تصنیف کا منشا یهی هے که موجوده سماج کی حرکت کا معاشی قانون کھول کر پیش کردیا جائے، تب بھی یه ممکن نهیں که لمبی چھلانگیں لگاکر یا قانونسازی کے ذریعه ان رکاوٹوں کو پار کر جائے جو خود اسی کی عام اٹھان کے یکے بعد دیگرے کئی مرحلوں نے کھڑی کردی هیں۔ وه صرف اتنی هی تدبیر کر سکتا هے که دردزه کی شدت یا مدت کم هو جائے۔

یهاں غلط فهمی هو سکتی هے، اسے روکنے کے لئے چند لفظ اور۔ میں نے سرمایهدار یا جاگیردار کی تصویر کھینچنے میں کسی طرح کی

رنگ آمیزی نہیں کی۔ افراد سے ہمارا واسطہ یہاں صرف اتنا ہے جتنا ان کا وجود مختلف معاشی خانوں کو ظاہر کرتا ہے، یا ان کے دم سے خاص طبقاتی تعلقات یا طبقاتی مفادوں مصلحتوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وہ نقطہ نظر جس سے میں نے سماج کے معاشی رنگ روپ اختیار کرتے رہنے کو قدرتی تاریخ کا ایک عمل مسلسل سمجھ کر دیکھا ہے، وہ کسی ایک شخص کو دوسرے سے کم ذمہ‌دار قرار نہیں دیتا ان تعلقات کا جنھوں نے سماجی طور پر خود اسے بھی جنم دیا ہے، چاہے وہ شخص اندر سے خود کو ان تعلقات سے کتنا ھی بلند برتر کیوں نہ سمجھتا ہو۔

سیاسی معاشیات کے دائرے میں آزادانہ علمی تلاش کو صرف انھی دشمنوں سے واسطہ نہیں پڑتا جو دوسرے دائروں میں موجود رہتے ھیں - یہ علم جس سروسامان کو ھاتھ لگاتا ہے، خود اسی کی یہ تاثیر ہے کہ میدان جنگ میں انسانی فطرت کے نہایت کٹر، سنگین، نیچ اور کمینے جذبات کو ابھار کر لےآتا ہے، یعنی ذاتی مفاد کے غیظ و غضب کو - انگلستان کا کلیسائے اعلا وغیرہ (جرمن لفظ (Hochkirche) (۳۳) اپنے ایمان کے ۳۹ ارکان میں سے ۳۸ پر تو حملہ آسانی سے معاف کر دےگا لیکن اپنی آمدنی کے ۳۹ ویں حصے پر آنچ نہیں آنے دےگا - آجکل خدا سے انکار کرنا موجودہ ذاتی ملکیت کے تعلقات پر نکتہ چینی کرنے کے سامنے معمولی سا گناہ رہ گیا ہے - اوپر 'وغیرہ، کا اشارہ ہے اس نیلی کتاب (۳۴) کی طرف جو پچھلے چند ھفتوں میں نکلی ہے جس کا عنوان ہے : ''صنعتی سوال اور ٹریڈیونینوں کے متعلق سرکار عالیہ کے غیرملکی مشنوں کےساتھ خط و کتابت،، * - تاج برطانیہ کے نمائندے دوسرے ملکوں میں بیٹھے ہوئے، لفظوں کی بھرمار کے ساتھ اعلان کر رہے ھیں کہ جرمنی میں، فرانس میں، مختصر یہ کہ براعظم یورپ کی تمام مہذب ریاستوں میں سرمایہ اور محنت کے موجودہ تعلقات میں ویسی ھی بڑی الٹ پلٹ کے آثار یقینی نظر آرہے ھیں جیسی انگلستان میں ہو چکی ہے - اسی زمانے میں بحراوقیانوس کے

* «Correspondence with Her Majesty's Missions Abroad, regarding Industrial Questions and Trades Unions».

دوسرے کنارے پر ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ کے نائب صدر مسٹر ویڈ عام جلسوں میں اعلان کر رہے ہیں کہ غلامی کے خاتمے کے بعد سرمایہ اور زمینی جائداد کے تعلقات میں زبردست تبدیلی آنے‌ہی‌والی ہے - یہ ہیں زمانے کی وہ نشانیاں جنھیں نہ تو گرجا کے وعظ چھپا سکتے ہیں، نہ زبردست کا گھونسا دبا سکتا ہے - یہ اس بات کے آثار نہیں کہ کل کوئی معجزہ ظہور میں آجائے گا - ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود اختیار طبقوں کے اندر لوگوں کو کل کی فکر پڑی ہوئی ہے اور یہ کہ آج کا سماج کوئی ایک حالت پر رہنے‌والی ٹھوس چیز نہیں، بلکہ ایک متحرک جسم ہے تبدیلی کی صلاحیت رکھنے‌والا، ایسا کہ برابر بدلتا رہتا ہے -

اس تصنیف کی دوسری جلد میں سرمائے کی گردش کے عمل پر بحث کی جائے‌گی (کتاب دوم) اور سرمائے نے اپنے اٹھان کے زمانے میں کیا کیا شکلیں اختیار کی ہیں (کتاب سوم)، تیسری اور آخری جلد (کتاب چہارم) میں نظریے کی تاریخ بیان کی جائے‌گی -

علمی تنقید کی بنا پر جو بھی رائے دی جائے میں اس کا استقبال کرتا ہوں - اور جسے رائے عامہ کہا جاتا ہے، جہاں تک اس کے تعصبات کا تعلق ہے، جن کے ساتھ میں نے کبھی رعایت نہیں برتی، ان سے پہلے کی طرح اب بھی میں فلورینتنی جملے کی زبان میں یہی کہتا ہوں :

«Segui il tuo corso, e lascia dir le genti!»

(''اپنا راستہ لو ، جو کہتے ہیں انھیں کہنے دو !،، دانتے کی ''طربیہ خداوندی،، کے الفاظ -)

لندن، ۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء

کارل مارکس

پہلی بار یہ عبارت اس کتاب میں شائع ہوئی : K. Marx. «Das Kapital, Kritik der politischen Oekonomie». Erster Band. Hamburg, 1867.

اس مضمون کا ترجمہ لندن سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہونے‌والے انگریزی ایڈیشن کے مطابق، جسے اینگلس نے مرتب دیا، کیا گیا ہے -

کارل مارکس

سرمایہ

سرمائے کا نام نہاد ابتدائی سمٹاؤ

(جلد اول کا ۲۴ واں باب)

۷ - سرمایہ‌دارانہ سمٹاؤ کا تاریخی رجحان

سرمائے کا ابتدائی سمٹاؤ، یعنی اس کا تاریخی مادہ خود کو کس سانچے میں ڈھالتا ھے؟ جہاں تک وہ فوراً غلاموں یا نیم غلام کسانوں کو مزدوری پر کام کرنےوالے نہیں بنا ڈالتا، اور یوں محض روپ بدلنے کا کام انجام نہیں دیتا، سرمائے کے ابتدائی سمٹاؤ کا مطلب صرف یہ ھے کہ خود سامان تیار کرنےوالے کا اس سے بےدخل ھو جانا یعنی اس ذاتی ملکیت کا ٹوٹنا جس کی بنیاد میں مالک کی محنت پڑی ھے -

سماجی یا پنچائتی ملکیت کے برخلاف، ذاتی ملکیت کا وجود صرف وھیں ھوتا ھے جہاں محنت کے ذرائع اور باھر کے حالات دونوں ھی پرائیویٹ لوگوں کی ملکیت ھوں - رھا یہ کہ پرائیویٹ لوگوں نے خود محنت کی ھے یا خود نہیں کی ھے، اس کے مطابق ذاتی ملکیت کے کردار میں بھی فرق پڑ جاتا ھے - پہلی ھی نظر میں جو ذاتی ملکیت کے بےشمار ھلکے گہرے رنگوں کا فرق دکھائی دیتا ھے وہ ان دونوں

انتہائی فاصلوں (خود کی محنت اور غیر کی محنت) کے درمیان پھیلے ہوئے مختلف مرحلوں کا پتہ دیتا ہے۔

پیداوار کے ذریعوں پر محنت کرنےوالے کی پرائیویٹ ملکیت ہونا چھوٹی صنعت کی بنیاد ہے، چاہے وہ زراعتی ہو یا کچھ اور سامان تیار کرنےوالی، یا دونوں۔ پھر یہ چھوٹی صنعت ایک لازمی شرط ہے سماجی پیداوار کے بڑھنے کی اور خود محنت کرنےوالے کی آزادانہ حیثیت کی۔ اس میں شک نہیں کہ چھوٹے پیمانے کا یہ طریق پیداوار غلامی میں بھی موجود تھا، نیم غلام کسانی میں بھی اور دوسرے پابندی کے حالات میں بھی چلتا رہتا ہے۔ لیکن پھلتا پھولتا اسی وقت ہے، اپنے پورے کس بل تبھی دکھاتا ہے، اپنے عروج کو تبھی پہنچتا ہے جب محنت کرنےوالا خود مالک ہو محنت کے ان ذریعوں کا جنھیں وہ خود کام میں لگاتا ہے: کسان مالک ہو اس زمین کا جسے وہ زیر کاشت لاتا ہے، کاریگر مالک ہو ان اوزاروں کا جنھیں وہ اپنے ہاتھتلے رکھتا ہے۔

اس طریق پیداوار کی اول شرط یہ ہے کہ زمین کاشتکاریوں میں بٹی ہوئی ہو اور پیداوار کے دوسرے ذریعے بھی بکھرے ہوئے ہوں۔ جس طرح پیداوار کے ان ذریعوں کا ایک جگہ اکٹھا ہو جانا اس کی حد میں شامل نہیں، اسی طرح مل جل کر کام کرنا، سامان تیار کرنے کے کسی ایک شعبے میں محنت کی تقسیم ہونا، قدرتی طاقتوں پر سماج کا کنٹرول ہونا اور ان کے پیداواری استعمال پر سماج کا عمل دخل ہونا، سماجی پیداواری طاقتوں کی آزادانہ اٹھان یہ سب اس کے دائرے سے خارج ہے۔ وہ تو پیداوار کے صرف اسی سسٹم میں، صرف ایسی سوسائٹی میں چلنے قابل ہے جو تنگ سی چاردیواری میں یا کم و بیش ابتدائی درجے کی حدبندیوں میں زندہ ہو۔ اسے ہمیشہ قائم رکھنے کا مطلب، بقول پیکر (Pecqueur) یوں ہوگا کہ ''چوطرفہ ٹٹ پونجیاپن کا قانون عام کر دیا جائے،، (۳۰)۔ اس طرف پیداوار کے بڑھتے بڑھتے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں وہ خود اپنے انجرپنجر ڈھیلے کرنے کا مادی سامان تیار کر دیتا ہے۔ اسی وقت سے سماج کی گود میں نئی طاقتیں اور نئی ترنگیں ہمکنے لگتی ہیں لیکن پہلے کا طریق پیداوار انھیں

جکڑ بندیوں میں ڈال کر دبائے رکھتا ہے ۔ اس ڈھانچے کا صفایا ہونا چاہئے اور صفایا ہو جاتا ہے ۔ اس ڈھانچے کا صفایا ہونا، الگ الگ اور بکھرے ہوئے ذرائع پیداوار کا سماجی طور پر سمٹ جانا، بہت‌سوں کی چھوٹی موٹی ملکیتوں کا چند ہاتھوں کی بڑی بھاری ملکیت میں بدل جانا، آبادی کی بہت بڑی تعداد کا زمین سے، گزر اوقات کے ذریعوں سے، محنت کے ذریعوں سے بے دخل و محروم کیا جانا — عام جنتا کی یہ خوفناک اور دردناک بےدخلی ہی سرمائے کی تاریخ میں شروع کا منظر ہے ۔ اس کے اندر ایک پورا سلسلہ ہے زبردستی کے ہتھکنڈوں کا، جن میں صرف وہی سرسری طور پر ہماری نظر میں آئے ہیں جو عہد آفریں تھے اور سرمائے کے ابتدائی سمٹاؤ کی ترکیبوں کے بطور اپنا کام کر گئے ۔ جو آدمی خود سامان تیار کرتا تھا اس کی بے دخلی بڑی بے رحمانہ چال‌بازیوں سے انجام کو پہنچائی گئی ہے، اور وہ بھی ایسی ایسی تمناؤں کے جوش میں، جو نہایت گندی، نابکار، گھٹیا، ذلیل اور جنونی تمنائیں تھیں ۔ یہ خود کی کمائی ہوئی پرائیویٹ ملکیت، جو کہنا چاہئے کہ الگ الگ آزادانہ محنت کرنے‌والے افراد اور ان کے محنت کے اوزاروں اور ذرائع، دونوں کو ضم کر دینے سے بنی تھی، اس سرمایہ‌دارانہ پرائیویٹ ملکیت کے ہاتھوں بےدخل ہوتی ہے، جس کا پایہ رکھا ہوا ہے دوسروں کی برائے نام آزادانہ محنت کے ناجائز استعمال پر، یعنی مزدوری پر کام کرنے‌والوں کی محنت پر ۔ *

جیسے ہی کایاپلٹ کا یہ عمل پرانے سماج کو اوپر سے نیچے تک اچھی طرح نڈھال کر چکتا ہے، جیسے ہی وہ وقت آتا ہے کہ محنت کرنے‌والا صرف پرولتاری (صنعتی مزدور) ہو کر رہ جائے اور اس کی

---

* ”ہم ایسی حالت میں ہیں جو سماج کے لئے بالکل اجنبی ہے... ہماری ساری کوشش یہ ہے کہ ملکیت کی ہر ایک شکل کو محنت کی ہر ایک شکل سے الگ کردیں ۔“ (Sismondi. «Nouveaux Principes de l'Économie Politique», t. II [Paris, 1827], p. 434).

محنت کا سروسامان سرمایہ بن‌جائے اور سرمایہ‌داری طریق پیداوار اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے، تب جاکر محنت کا اور بھی زیادہ سماجی ہو جانا، زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار کا ایسی چیز بن جانا جو پورے سماج کے استعمال میں آئے، یا یہ کہ وہ مشترکہ ذریعہ پیداوار بن‌جائے اور پرائیویٹ مالکوں کا اور بھی بےدخل کیا جانا ایک نئی شکل اختیار کرتا ہے۔ اب جس کی بےدخل و محروم کئے جانے کی باری ہے وہ خود اپنی ذات کے لئے محنت کرنےوالا نہیں بلکہ وہ ہے سرمایہ‌دار جو خود بہت سے مزدوروں کا استحصال کر رہا ہے۔

سرمایہ‌داری پیداوار کے اندرونی قانون آپ ہی آپ اثرانداز ہو کر، سرمائے کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرکے اس بے دخلی کو انجام تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایک سرمایہ‌دار کئی ایک کو مار ڈالتا ہے۔ سرمائے کے اس ارتکاز (سمٹنے) کے ساتھ ساتھ، یا بہت سے سرمایہ‌داروں کی چند سرمایہ‌داروں کے ہاتھوں بے دخلی کے دوش بدوش برابر بڑھتے ہوئے پیمانے پر محنت کے عمل میں مل کر کام کرنے کی شکل ابھرتی جاتی ہے، سائنس کو سوجھ بوجھ کے ساتھ کام میں لانے، زمین کو زیادہ سلیقے کے ساتھ کاشت کرنے، اور محنت کے اوزاروں کو ایسے اوزاروں میں تبدیل کرنے کی صورت بڑھنے لگتی ہے جو صرف مشترکہ محنت میں کام آسکیں، پیداوار کے تمام ذریعوں کو اس طرح کام میں لاکر کہ وہ ملی جلی مشترکہ محنت کا ذریعہ پیداوار بن‌جائیں، ان کے خرچ میں کفایت بڑھتی جاتی ہے، اور تمام قوموں یا لوگوں کا ایک عالمی بازار کے جال میں الجھنا اور پھر اسی کے ساتھ سرمایہ‌دارانہ عملداری کا انٹرنیشنل کردار بننا بھی زیادہ سے زیادہ ابھرتا جاتا ہے۔ جب سرمائے کے ان جغادریوں کی تعداد لگاتار گھٹتی ہی چلی جائے جو دھاندلی کرتے ہیں اور اس کایا کلپ کے عمل کے سارے پھل خود بٹور لیتے ہیں تو تباہ حالی اور بری طرح پھیلتی ہے، زور زبردستی، غلامی، ابتری اور ناجائز منافع کشی عام ہو جاتی ہے۔ لیکن اسی

کے ساتھ مزدور طبقے کی بغاوت بھی اٹھتی ہے، اس طبقے کی بغاوت جس کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہے، جس کا ڈسپلن، اتحاد اور تنظیمی طور طریقہ بھی خود سرمایہ‌دارانہ پیداوار کی ساخت کی تاثیر سے بنتا رہتا ہے۔ یہ طریق پیداوار جو سرمائے کے ساتھ ساتھ اور اسی کے سائے میں پروان چڑھا تھا، اب سرمائے کی اجارہ داری اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ ذرائع پیداوار کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہوتے رہنا اور محنت کے عمل کا سماجی ہوتے جانا آخر اس نوبت کو پہنچ جاتا ہے جب سرمایہ‌داری جوڑبند اس کا بوجھ نہیں سنبھال پاتے اور پھٹ پڑتے ہیں۔ سرمایہ‌دارانہ نجی ملکیت کے کوچ کا نقارہ بجتا ہے۔ اوروں کو بے دخل کرنےوالے خود بے دخل کر دئے جاتے ہیں۔

سرمایہ‌دارانہ حصول کا طریقہ جو سرمایہ‌دارانہ طریق پیداوار سے نکلتا ہے سرمایہ‌دارانہ نجی ملکیت کوجنم دیتاہے۔ یہ پہلی نفی ہے اس ذاتی ملکیت کی، جو آدمی کی اپنی محنت سے بنتی ہے۔ مگر قانون فطرت جو ٹالے نہیں ٹلتا خود سرمایہ‌دارانہ پیداوار سے بھی اس کی نفی پیدا کراتا ہے۔ یہ ہے نفی کا جواب نفی میں۔ سامان تیار کرنےوالے کی ذاتی ملکیت کا حق تو پھر سے نہیں جماتا البتہ سرمایہ‌داری دور کی پروان چڑھنے کی بنیاد پر انفرادی ملکیت بحال کر دیتا ہے، یعنی یہ کہ زمین اور ذرائع پیداوار کسی ایک کے نہیں بلکہ تعاون سے اور مشترکہ ملکیت سے ہوا کریں۔

بکھری ہوئی پرائیویٹ ملکیت جو ذاتی محنت سے بنی ہو، اس کا سرمایہ‌دارانہ پرائیویٹ ملکیت میں تبدیل ہو جانے کا عمل قدرتی طور پر ایسے مرحلوں سے گزرتا ہے جو کہیں زیادہ ٹیڑھے میڑھے، سخت اور دشوار گزار ہوتے ہیں، ان کے مقابلے میں سرمایہ‌دارانہ پرائیویٹ ملکیت کا، جو پہلے ہی سے ملی جلی سماجی پیداوار بن چکی ہے، سماجی ملکیت میں ڈھل جانا کچھ بھی سخت یا دشوار نہیں۔ پہلے تو یوں ہوا تھا کہ تھوڑے سے غاصبانہ قبضہ کرنےوالوں نے جنتا کی بہت بڑی

تعداد کو بےدخل کر دیا تھا اور اب یہ ہوتا ہے کہ جنتا کی بڑی تعداد تھوڑے سے غاصبانہ قبضہ کرنےوالوں کو بےدخل کر دیتی ہے۔*

پہلی بار یہ عبارت اس کتاب میں شائع ہوئی:
K. Marx. «Das Kapital. Kritik der politischen Oekonomie». Erster Band. Hamburg, 1867.
اس مضمون کا ترجمہ لندن سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہونے والے انگریزی ایڈیشن کے مطابق، جسے اینگلس نے ترتیب دیا، کیا گیا ہے۔

---

* ''صنعت بڑھتی ہے تو، اگرچہ بورژوازی ہی اس کا غیرارادی کارندہ ہوا کرتی ہے اور اس کا توڑ نہیں کرسکتی، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جہاں مزدور، باہمی مقابلے کے سبب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے تھے، اب اس کی جگہ جماعت‌بندی کے سبب انقلابی میل جول پیدا کر لیتے ہیں۔ چناں‌چہ جدید انڈسٹری کی ترقی خود بورژوازی کے پاؤں تلے کی زمین یا وہ جڑ ہی کھود ڈالتی ہے جس پر کھڑے ہوکر وہ سامان تیار بھی کراتی اور تیار کرنےوالوں سے ہتھیاتی بھی تھی۔ لہاذا بورژوازی جو کچھ تیار کرتی ہے وہ سب سے مقدم اسی کی قبر کھودنےوالے ہیں۔ اس کا زوال اور پرولتاریہ کی فتح دونوں یکساں ناگزیر ہیں... ان تمام طبقوں میں جو آج بورژوازی کے مقابل کھڑے ہیں، پرولتاریہ ہی اصل میں ایک انقلابی طبقہ ہے۔ دوسرے طبقے جدید انڈسٹری کے مقابلے میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں لیکن پرولتاریہ اسی کی خاص اور لازمی پیداوار ہے۔ نیچے کے درمیانی طبقے: چھوٹے پیمانے کے مال بنانےوالے، دوکاندار، کاریگر، کسان — یہ سب کے سب بورژوازی کے مقابلے پر نکلتے ہیں تاکہ درمیانی طبقے کی ٹکڑیوں کی حیثیت سے اپنا وجود سلامت رکھیں۔ لہاذا یہ انقلابی نہیں بلکہ رجعت‌پرست ہوئے کیوں‌کہ تاریخ کا پہیہ الٹا گھمانے کی کوشش کرتے ہیں،، (مارکس نے یہ عبارت اپنی اور اینگلس کی مشترکہ تصنیف ''کمیونسٹ پارٹی کا مینی‌فسٹو،، سے لی ہے۔ ملاحظہ ہو اس ایڈیشن کا حصۂ اول، صفحات ۹۵ — ۴۳)۔

فریڈرک اینگلس

''جرمنی میں کسانوں کی جنگ'' کا دیباچہ[۳۶]

۱۸۷۰ء کے دوسرے ایڈیشن کے لئے

یہ مقالہ لندن میں ۱۸۵۰ء کی گرمیوں میں ایسے وقت لکھا گیا تھا جب مخالف انقلاب (counter-revolution) اپنے انجام کو پہنچا ہی تھا اور اس کا اثر تازہ تھا۔ رسالے «Neue Rheinische Zeitung. Politisch-ökonomische Revue» (۳۷) کے پانچویں اور چھٹے شماروں میں، جس کے ایڈیٹر خود کارل مارکس تھے، یہ ھمبرگ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔ جرمنی میں میرے دوستوں نے چاہا کہ اسے پھر سے چھاپا جائے، چناں‌چہ میں اسی کی تعمیل کر رہا ہوں اور افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ مقالہ آج بھی بروقت ہے۔

یہاں اس بات کا دعوا نہیں کہ مقالے کا مواد ذاتی تحقیق سے نکالا گیا ہے۔ نہیں، بلکہ کسانوں کی بغاوتوں اور تھومس میونتسر کا نفس‌مضمون زیمرمین (۳۸) کے یہاں سے لیا ہوا ہے۔ اگرچہ اس کی کتاب میں یہاں وہاں کچھ خلا رہ گئے ہیں، تاہم اصل واقعات کے جمع کرنے میں آج بھی سب سے اچھی کتاب وہی ہے۔ پھر یہ بھی کہ پہلے‌والے زیمرمین کو اپنے موضوع کی ایک لگن تھی۔ اس کے خمیر میں جو انقلاب پڑا تھا، جس نے دبے کچلے طبقوں کی طرف سے بولنے پر کمر بستہ کیا، وھی آگے چل کر رنگ لایا اور فرینکفرٹ میں اسے انتہائی بائیں بازووالوں میں (۳۹) نہایت نمایاں کر دیا۔

تاهم زیمرمین کے بیان میں جو اندرونی ربط کی کمی رہ گئی ہے، اگر وہ اس زمانے کے سیاسی اور مذهبی نزاعوں میں اپنے وقت کی طبقاتی کشمکشوں کے چلتے پھرتے سائے دکھانے میں ناکام رہا، اگر وہ طبقاتی کشمکشوں کے اندر صرف ظالم و مظلوم هی دیکھتا رہا، صرف اچھے اور برے آدمی هی نظر آئے اور آخر میں شر نے خیر پر فتح پائی، اگر ان سماجی رشتوں کا بیان ناقص رہ گیا جن کی بدولت یہ جنگ چھڑی اور اس کا یہ نتیجہ نکلا، تو اس میں زیمرمین کا نہیں، اس وقت کا قصور ہے جس وقت میں یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے دور کے لحاظ سے کتاب نہایت حقیقت‌پسندانہ ہے اور تاریخ پر جرمن عینیت‌پرست (idealist) تصنیفوں سے الگ راہ نکالنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

اس کشمکش کے کھلے ہوئے نمایاں واقعات میں تاریخی بہاؤ کا نقشہ کھینچتے وقت میں نے اپنے بیان میں یہ کوشش کی ہے کہ کسانوں کی جنگ کی شروعات واضح کردوں، اس جنگ میں شریک ہونے والی مختلف پارٹیوں کی پوزیشن دکھا دوں، ان سیاسی اور مذهبی نظریوں کی وضاحت کر دوں جن سے یہ پارٹیاں خود اپنے ذهن میں اپنی حیثیت اجاگر کرنا چاهتی تھیں، اور آخر میں یہ جتادوں کہ خود اس کشمکش کا جو نتیجہ نکلا ان طبقوں کی سماجی زندگی کے تاریخی حالات کے لحاظ سے وهی نتیجہ نکلنےوالا تھا۔ اس طرح سے میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس زمانے کے جرمنی کا سیاسی ڈھانچہ، اس ڈھانچے کے خلاف بغاوتیں، اور معاصرانہ سیاسی اور مذهبی نظریے یہ سب وجہ نہیں تھے بلکہ نتیجہ تھے ترقی کے اس مرحلے کا جہاں تب کا جرمنی زراعت، صنعت، زمین اور پانی کی راهوں، مال اور روپیے کے لین دین میں پہنچ چکا تھا۔ تاریخ کا یہ جو تن تنہا مادی تصور ہے، اس کی پہل میں نے نہیں، مارکس نے کی ہے۔ اسے فرانسیسی انقلاب ۱۸۴۸ء ۴۹ — کے بارے میں مارکس کی تصنیف* جو اسی «Revue» میں

* کارل مارکس ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۰ء''۔ (ایڈیٹر)

شائع ہوئی ہے اور ''لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں بروسیئر،،* میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۵۲۵ء کے اور اب ۴۸ — ۱۸۴۹ء کے جرمن انقلابوں میں اس قدر کھلی مشابہت تھی کہ اس وقت انکار ممکن نہیں تھا۔ واقعات کی رفتار میں اتنی یکسانی کے باوجود کہ جگہ جگہ کی بغاوتیں اور شورشیں ایک ہی رجواڑے کی فوج کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے کچل دی گئیں، اور حالانکہ دونوں موقعوں پر شہری برگروں (چودھریوں) کے رویئے میں اکثر ایک سی مضحکہ‌خیز حالت رہی، پھر بھی تب اور اب کی بغاوتوں میں صاف اور قطعی فرق موجود ہے:

''۱۵۲۵ء کے انقلاب سے کس کا فائدہ ہوا؟ رجواڑوں کا۔ اور ۱۸۴۸ء کے انقلاب سے کس نے فیض اٹھایا؟ مہاراجاؤں نے، آسٹریا اور پروشیا نے۔ ۱۵۲۵ء کے چھوٹے موٹے راجاؤں کے پیچھے درمیانی حیثیت کے برگر لوگ کھڑے تھے جنھوں نے ان راجاؤں، تعلقہ داروں کو ٹیکسوں کی زنجیر میں اپنے ساتھ جکڑ رکھا تھا۔ لیکن ۱۸۵۰ء کے مہاراجاؤں کی، آسٹریا اور پروشیا کی پشت پر نئے زمانے کی بڑی بورژوازی کھڑی ہے جو قومی قرضوں کے ذریعے بڑی تیزی سے انہیں اپنے شکنجے میں کستی جا رہی ہے۔ اور بڑی بورژوازی کے پیچھے کھڑے ہیں پرولتاری لوگ۔،،**

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اوپر کے جملے میں جرمن بورژوازی کو اس کے حق سے کچھ زیادہ داد مل گئی۔ آسٹریا اور پروشیا دونوں جگہ اسے واقعی یہ موقع مل گیا تھا کہ موروثی بادشاہت کو ''قومی قرضوں کے ذریعے تیزی سے اپنے شکنجے میں کس لیتی،، لیکن اس نے کہیں بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔

۱۸۶۶ء کی جنگ (۳۰) نے آسٹریا کو بورژوازی کی جھولی میں ڈال دیا۔ مگر اسے حکومت کرنا نہیں آتا۔ بورژوازی میں نہ کسی بات کی سکت ہے، نہ قابلیت۔ وہ بس ایک ہی کام کر سکتی ہے — مزدوروں

---

* دیکھئے اس ایڈیشن کا حصہ‌ٔاول، صفحات ۲۹۷ — ۱۵۰۔

** فریڈرک اینگلس۔ ''جرمنی میں کسانوں کی جنگ،، (ایڈیٹر)

میں ھلچل کے آثار دیکھتے ھی وحشیانہ حملہ کر بیٹھنا۔ اگر اب بھی باگ ڈور اس کے ھاتھ میں ھے تو صرف اس وجہ سے کہ ھنگری والوں کو اس کی ضرورت ھے۔

اور پروشیا میں کیا حال ھے؟ یہ سہی کہ قومی قرضے دن دونے بڑھتے جاتے ھیں، خسارہ مستقل ھو کر رہ گیا ھے، سرکاری خرچ سال بہ سال بڑھ رھا ھے، ایوان میں بورژوازی کے ممبروں کی اکثریت ھے اور ان کی رضامندی کے بغیر نہ ٹیکس بڑھائے جاسکتے ھیں، نہ قرضہ چالو کیا جا سکتا ھے، پھر بھی اسٹیٹ پر اس کا قابو کہاں ھے؟ ابھی کچھ مہینے ھوئے کہ بجٹ میں پھر گھاٹا پڑنے لگا تو بورژوازی بہت اچھی پوزیشن میں تھی۔ اگر وہ صرف تھوڑی دیر اپنا ھاتھ کھینچے رھتی تو خوب لمبی چوڑی سہولتیں جیتنے میں کامیاب ھو جاتی۔ لیکن اس نے کیا کیا؟ اتنا ھی غنیمت سمجھا کہ حکومت نے اسے قریب ۹۰ لاکھ کی رقم اپنے قدموں میں ڈالنے پر راضی کرلیا ھے، ایک سال کے لئے نہیں، جی نہیں، ھر سال کے اور آئندہ ھمیشہ ھمیش کے لئے۔

میں نہیں چاھتا کہ ایوان کے بچارے "نیشنل لبرلوں" (۴۱) کو اس سے زیادہ دوش دوں جس کے وہ سزاوار ھیں۔ مجھے معلوم ھے کہ جو لوگ پشت پر تھے، یعنی عام سرمایہ‌دار خود انھوں نے بیچ منجدھار میں ساتھ چھوڑ دیا ھے۔ یہ عام سرمایہ‌دار حکومت کرنا ھی نہیں چاھتے۔ ۱۸۴۸ء کی ھڈی ابھی تک ان کے گلے میں اٹکی ھوئی ھے۔

جرمن بورژوازی یہ حیرت انگیز بزدلی کیوں دکھا رھی ھے؟ آگے چل کر ھم اس پر بحث کریں گے۔

اوپر کے بیان کی باقی دوسرے پہلوؤں سے پوری طرح تصدیق ھو چکی ھے۔ ۱۸۵۰ء سے ھی یہ ھو رھا ھے کہ چھوٹی ریاستیں زیادہ سے زیادہ پس منظر کے دھندلکے میں کھسکتی جا رھی ھیں اور اب آسٹریا اور پروشیا کی تکڑموں میں کیل کا نٹا بن کر رہ گئی ھیں۔ آسٹریا اور پروشیا کے درمیان اقتدار کی ساری باگ‌ڈور ھاتھ میں لینے کے لئے سخت سے سخت مقابلہ ھوتا رھا ھے۔ آخر ۱۸۶۶ء میں بزور طاقت فیصلہ ھوا جس کے بعد سے آسٹریا کے سارے صوبے اسی کے ھاتھ میں رھے لیکن پروشیا کو براہ‌راست یا بالواسطہ پورے شمال پر بالا دستی

مل گئی اور جنوب مغرب کی تین ریاستیں * فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دی گئیں۔

اس تمام شاندار تماشے میں جرمن مزدور طبقے کے سامنے لے دے کے صرف یہ باتیں اهم هیں که:

اول تو یه که عام رائے دهندگی کے حق کی بدولت مزدوروں کو براہ راست قانون‌ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے بھیجنے کا راستہ مل گیا۔

دوسرے یه که پروشیا نے فضل خدا سے تین تاج و تخت** هضم کر کے ایک اچھی مثال قائم کر دی ہے۔ اب نیشنل لبرلوں کو بھی یه بھروسه نهیں رها که اس حرکت کے بعد پروشیا کے سر پر ویسا هی بےداغ اور خداداد تاج باقی ہے جیسا وہ پہلے دعوا کیا کرتا تھا۔

تیسرے یه که اب جرمنی میں انقلاب کا صرف ایک هی جاندار دشمن رها اور وہ ہے پروشیا کی سرکار۔

چوتھے یه که جرمن آسٹریاؤں کو اب آخرکار یه فیصله کرنا هی پڑےگا که وہ کیا بن کر رهنا چاهتے هیں، جرمن یا آسٹریائی۔ جرمنی سے وابسته هونا بہتر سمجھتے هیں یا باهر لیتھان پار کے دم میں بندھے هوئے ملکوں سے۔ بہت زمانے سے یه بات صاف تھی که انهیں دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنا ہے۔ لیکن چھوٹی حیثیت کے بورژوا ڈیموکریٹ اس حقیقت سے برابر آنکھیں چراتے رہے هیں۔

جهاں تک ۱۸۶۶ء کے بارے میں دوسرے اهم اختلافی نکتوں کا تعلق ہے، اور جن پر ایک طرف نیشنل لبرلوں اور دوسری طرف ''پیوپلز پارٹی،، والوں (۴۲) کے درمیان اس عرصے میں انتھک بحثابحثی هو چکی ہے، اگلے چند برسوں کی تاریخ نے ثابت کر دیا که ان دونوں نظریوں کے آپس میں اسی لئے اتنی سخت کٹاچھنی تھی که دونوں ایک هی تنگ‌نظری کی دو مقابل انتہاؤں پر کھڑے تھے۔

۱۸۶۶ء کے سال نے جرمنی کے سماجی ڈھانچے میں ایسی کچھ تبدیلی نهیں کی۔ تھوڑے بہت سرمایه‌دارانه سدھار هوتے هیں،

---

* تین ریاستوں سے مراد ہے بویریا، بیڈن، ویورٹمبرگ۔ (ایڈیٹر)

** تین ریاستوں سے مراد ہے هنوویر، هیسے‌کاسیل، نساؤ۔ (ایڈیٹر)

مثلاً ناپ تول کا ایکسار ہونا، آمدورفت کی، پیشہ اختیار کرنے کی آزادی، وہ نوکرشاہی کی قابل قبول حدوں کے اندر ہی رہ جاتے ہیں اور اس درجے کو بھی نہیں پہنچتے جو مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کی بورژوازی بہت عرصہ پہلے حاصل کر چکی۔ اور تو اور، جو بڑی خرابی ہے، یعنی خاص اختیارات کا نوکرشاہی سسٹم (۴۳)، اسے ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ پرولتاریہ کے حق میں پولیس کی روزمرہ کی کارروائیاں ان سارے قانونوں کو ڈھول کا پول بنا دیتی ہیں جیسے آمدورفت کی آزادی، شہریت اختیار کرنے کی آزادی اور پاسپورٹ کی رکاوٹ کا خاتمہ وغیرہ۔

۱۸۶۶ء کے شاندار تماشے سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ ترقی جو ۱۸۴۸ء سے آج تک جرمن صنعت اور تجارت، ریلوے، ٹیلی گراف، اور بحری جہازرانی میں ہوئی ہے۔ اسی عرصے میں انگلینڈ کا، بلکہ فرانس تک کا قدم جہاں پہنچا ہے اس کے مقابلے میں چاہے یہ ترقی کتنی ہی پیچھے کیوں نہ نظر آئے، تاہم جرمنی کے حق میں تو یہ انہونی بات ہے اور بیس برس کے اندر اتنا کچھ کر کے دکھا دیا جتنا پچھلے سو برس میں نہیں ہو سکا تھا۔ اب جا کر جرمنی اس قابل ہوا ہے کہ عالمی تجارت میں سنجیدگی سے قدم رکھے اور ایسے کہ پھر رشتہ نہ ٹوٹ سکے۔ صنعت‌کاروں کا سرمایہ تیزی سے کئی گنا ہوا ہے اور بورژوازی کی سماجی حیثیت بھی اسی نسبت سے بلند ہوئی ہے۔ صنعتی خوشحالی کی پکی نشانی، سٹہ‌بازی زوروں میں چل رہی ہے اور اس نے تعلقہ داروں اور نوابوں کو اپنے فتحمند رتھ میں جوت لیا ہے۔ جرمن سرمایہ آجکل روسی اور رومانیائی ریلوے بنانے میں لگا ہے— خدا اس کی عاقبت بخیر کرے! — اور یہ ابھی پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ خود جرمن ریلوے انگریز کاروباریوں کے آگے جھولی پھیلائے کھڑی تھی۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ بورژوازی نے سیاسی طاقت اپنی مٹھی میں نہیں لے لی اور وہ حکومت کے سامنے اتنی بزدلی دکھا رہی ہے؟

جرمن بورژوازی کی بدقسمتی یہ ہے کہ جرمنوں کی پسندیدہ عادت کے مطابق اس نے پہنچنے میں زرا دیر کر دی۔ اس کے پروان چڑھنے کے دن ایسے زمانے میں آئے ہیں جب دوسرے مغربی ملکوں کی بورژوازی کو

سیاسی گھن لگ چکا۔ انگلینڈ میں بورژوازی اپنے سچے نمائندے سنٹر برائٹ کو حکومت میں تبھی شامل کرا سکی جب رائے دھندگی کا دائرہ اور پھیلا دیا (۴۴) اور اسی کا خمیازہ یہ بھگتنا پڑے گا کہ بورژوا حکمرانی کا رہا سہا امکان بھی ختم ہو جائے۔ فرانس میں جہاں بورژوازی، یوں کہئے کہ پورے طبقے کی حیثیت سے صرف دو سال ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء میں ھی اپنا اقتدار ریپبلک کے سائے میں قائم رکھ سکی، لوئی بوناپارٹ اور فوج کے حق میں سیاسی طاقت سے دست‌بردار ہو کر ھی اپنا سماجی وجود بچا سکی۔ اب چوں کہ یورپ کے تین سب سے ترقی‌یافتہ ملکوں کے درمیان عمل درعمل کا سلسلہ دور تک ایک دوسرے سے جڑا ہوا چلا گیا ھے تو بورژوازی کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ ایسے وقت جب انگلینڈ اور فرانس میں اس کا سیاسی اقتدار نکما ہو چکا، جرمنی میں اسے سنبھال کر اطمینان سے بیٹھ سکے۔

آج تک جتنے طبقوں نے حکومت کی ان سب سے الٹی تاثیر بورژوازی کی یہ ھے کہ ترقی کی راہ پر ایک موڑ ایسا آتا ھے جس کے بعد اس کی طاقت کی تمام ایجنسیوں کا کوئی بھی پھیلاؤ، اور اسی باعث سرمائے کا مزید پھیلاؤ بورژوازی کو روز بروز سیاسی طاقت سنبھالنے کا نااھل بناتا چلا جاتا ھے۔ "بڑی بورژوازی کی پیٹھ پیچھے پرولتاریہ کھڑا ھے،،۔ بورژوازی اپنی صنعت، تجارت اور آمدورفت کے ذریعوں کو ترقی دینے میں پرولتاریہ طبقے کو جنم دیتی ھے۔ ہوتے ہوتے ایک مقام ایسا آتا ھے، کچھ ضروری نہیں کہ ھر جگہ ایک ھی وقت میں آئے اور نہ یہ ضروری ھے کہ ترقی کے اسی مرحلے پر پہنچ کر پیش آئے، بہرحال اس مقام پر پہنچ کر بورژوازی کو سوجھتا ھے کہ اس کا پرولتاری جوڑی‌دار خود اس سے آگے بڑھا جا رہا ھے۔ بس اسی لمحے سے وہ طاقت جواب دینے لگتی ھے جو خاص اپنے ھاتھ میں سیاسی اقتدار رکھنے کے لئے ضروری ھے۔ یہ طبقہ ھر طرف نظر ڈالتا ھے کہ کون بنتا ھے ھمارا حلیف جیسے حالات کا تقاضا دیکھ کر یا تو اپنے اختیارات میں شریک کر لیں یا پورے اختیارات سونپ دیں۔

جرمنی میں یہ موڑ ۱۸۴۸ء میں ھی آچکا تھا۔ حق تو یہ ھے کہ اس وقت جرمن بورژوازی کو جرمن پرولتاریہ سے اتنا خوف نہیں

تھا جتنا فرانسیسی پرولتاریہ سے۔ پیرس میں جون ۱۸۴۸ء کی خون‌ریز ٹکر نے (۴۵) بورژوازی کو جتا دیا کہ آگے کیا آنےوالا ہے۔ جرمن پرولتاریہ میں بھی بےچینی کے آثار یہ دکھانے کو کافی تھے کہ جس بیج سے اس طرح کی فصل آتی ہے، وہ بیج جرمنی کی مٹی میں بویا جا چکا ہے۔ اسی دن سے بورژوازی کی تمام سیاسی کارستانیوں کی دھار مڑکر رہ گئی۔ بورژوازی مڑمڑ کر ہر طرف اپنے حلیف یا اتحادی ڈھونڈھنے لگی، قیمت کا خیال کئے بغیر خود کو ان کے ھاتھ بیچنے لگی اور تب سے آج تک اس نے ایک قدم بھی نہیں بڑھایا ہے۔

یہ سارے حلیف اپنی فطرت سے رجعت‌پرست ھیں: موروثی بادشاھت جس کے ساتھ اپنی فوج اور نوکرشاھی ہے، بڑے بڑے جاگیرداری شرفا، چھوٹے چھوٹے یونکر سردار (۴۶) اور تو اور پادری بھی شریک ھیں۔ ان سب کے ساتھ بورژوازی نے سمجھوتے اور سودے کئے، کچھ نہیں تو اپنی کھال بچانے کے لئے سہی، یہاں تک کہ بدلنے کے لئے بھی اس کے پاس کچھ نہیں رہ گیا۔ پرولتاریہ جتنا بڑھتا گیا، جتنا وہ خود کو ایک طبقے کی حیثیت سے دیکھتا اور ایک طبقے کی طرح عمل کرتا گیا، اتناھی بورژوازی کا دل بیٹھتا چلا گیا۔ آخر جب سادووا میں (۴۷) پروشیاوالوں کی تعجب خیز بری تدبیر (strategy) نے آسٹریاوالوں کی حیرت انگیز بدتر تدبیر پر فتح پائی تو یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ دونوں میں سے کس نے اطمینان کا زیادہ گہرا سانس لیا، پروشیا کی بورژوازی نے — کہ اسے بھی سادووا میں ہار ہوئی تھی، یا آسٹریا کی بورژوازی نے۔

۱۸۷۰ء کی ہماری بڑی بورژوازی آج بھی وھی حرکت کر رھی ہے جو ۱۵۲۵ء میں درمیانی حیثیت کے برگروں نے کی تھی۔ جہاں تک چھوٹی حیثیت کی بورژوازی، یعنی دستکاروں اور دوکانداروں کا تعلق ہے، یہ کبھی نہیں بدلنے والے۔ انھیں امید رہتی ہے کہ جھوٹ یا سچ کیسے بھی بڑھ کر بڑی بورژوازی میں مل جائیں‌گے؛ ڈر لگتا ہے کہ نیچے گرکر کہیں پرولتاریہ میں نہ پہنچ جائیں۔ امید اور خوف کے درمیان ڈولتے ہوئے یہ لوگ، جب بھی رن پڑےگا اپنی چہیتی کھال بچانے کی فکر میں رہیں‌گے اور لڑائی کے بعد جیتنےوالے کے ساتھ ہو لیں‌گے۔ یہی ہے ان کی فطرت۔

۱۸۴۸ء سے جس رفتار سے صنعت بڑھتی جاتی ہے اسی رفتار سے پرولتاریہ کی سماجی اور سیاسی سرگرمیاں بھی بڑھ رہی ہیں۔ آج ٹریڈیونینوں میں، کوآپریٹو سوسائٹیوں میں، سیاسی انجمنوں اور جلسوں میں، چناؤ اور رائخستاگ (پارلیمنٹ) نام کے ایوان میں جرمن مزدور جو رول ادا کر رہے ہیں وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ جرمنی پچھلے بیس برسوں میں قطعی طور سے کتنا کچھ بدل گیا ہے۔ جرمن مزدوروں کو اس بات کی داد ملنی چاہئے کہ مزدوروں اور مزدور نمائندوں کو پارلیمنٹ میں بھیجنے کی کامیابی صرف انھی کو نصیب ہوئی۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو آج تک نہ تو فرانسیسی دکھا سکے، نہ انگریز۔

لیکن پرولتاریہ بھی ابھی تک ۱۵۲۵ء والی متوازی لائنوں سے باہر نہیں نکل سکا۔ ساری عمر صرف محنت مزدوری پر بسر کرنےوالے اس طبقے کو بھی جرمن آبادی کی اکثریت بننے میں بہت دیر ہے۔ اس لئے وہ بھی اپنے حلیف ڈھونڈھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ حلیف چھوٹی بورژوازی میں، شہروں کے آوارہ گرد پیشہوروں (lumpenproletariat) میں، چھوٹے کسانوں اور کھیت مزدوروں میں ہی مل سکتے ہیں۔

چھوٹی بورژوازی کے لوگ، جس کا ذکر اوپر کیا ہے، بالکل بھروسے قابل نہیں ہوتے، سوائے اس وقت کے جب لڑائی فتح ہو چکی ہو ؛ تب وہ تاڑی خانوں میں بیٹھ کر بے پناہ شور مچاتے ہیں۔ پھر بھی انھی لوگوں میں نہایت اعلادرجے کے لوگ ملیں گے جو خود اپنی مرضی سے مزدوروں کا ساتھ دیتے ہیں۔

سبھی طبقوں کے اجڑے ہوئے لوگوں کا یہ بھنگم کوڑا کرکٹ جو آوارہ گرد پیشہوروں کے نام سے، خاص کر بڑے بڑے شہروں میں اکٹھا ہو جاتا ہے، جتنے حلیف مل سکتے ہیں ان سب میں بدتر یہی ہے۔ یہ ہزاری بزاری لوگ کرائے کے ٹٹو اور بالکل بےغیرت ہوتے ہیں۔ اگر فرانسیسی مزدوروں نے ہر ایک انقلاب کے موقع پر مکانوں کی دیواروں پر یہ لکھ کر لگا دیا کہ «Mort aux voleurs!» — ''چور، اچکے، مردہ باد!،، بلکہ بعض کو تو گولی سے بھی اڑا دیا تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ مال و متاع کا بڑا پاس تھا، بلکہ انھوں نے ٹھیک ہی سوچا کہ سب سے مقدم اس گروہ سے نجات پانا ضروری ہے۔ مزدوروں

کا جو بھی لیڈر ان پاجیوں کو نگرانی کے کام پر لگاتا ہے یا ان کی مدد پر بھروسہ کرتا ہے وہ اپنی اسی حرکت سے خود کو تحریک کا غدار ثابت کر دیتا ہے۔

رہے چھوٹے کسان تو وہ کئی طرح کے ہوتے ہیں (بڑے کاشتکار بورژوازی کے ساتھ جاتے ہیں) ان میں یا تو جاگیرداری کسان ہیں اور ابھی تک اپنے ان داتا، مالک کے لئے بیگار بھرتے رہتے ہیں۔ چوں کہ ان لوگوں کو نیم غلامانہ کسانی سے چھٹکارا دلانے میں بورژوازی نے اپنا فرض ادا نہیں کیا، اس لئے انہیں یہ یقین دلانا مشکل نہیں ہوتا کہ صرف مزدور طبقے کے ہاتھوں ہی ان کے بندھن ٹوٹ سکتے ہیں۔

یا پھر مزارع ہے (جو زمیندار سے زمین لے کر کاشت کرتا ہے)۔ اس صورت میں بہت کچھ آئرلینڈ کا سا حال ہے۔ لگان یا کرائے اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اوسط درجے کی فصل سے کسان اور اس کا کنبہ بمشکل اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ فصل بگڑ جائے تو روٹی کے لالے پڑ جاتے ہیں، لگان بھی نہیں بھر پاتا اور انجام یہ کہ زمیندار کے رحم‌وکرم پر رہ پڑتا ہے۔ بورژوازی ایسے لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں کرتی جب تک کہ کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ تب وہ اپنی گلوخلاصی کے لئے مزدوروں سے آس نہ لگائیں تو کس سے لگائیں؟

اب چھوٹی موٹی کاشت کے خود کاشت والے کسان کو لیجئے۔ اکثر تو ان پر رہن ناموں (۴۸) کا اتنا بوجھ لدا ہوتا ہے کہ سودخوار مہاجنوں کے ہاتھ میں وہ بھی اتنے ہی بے بس ہیں جتنے مزارع مالک زمین کے ہاتھ میں۔ لے دے کر ان کے لئے تھوڑی سی مزدوری رہ جاتی ہے۔ اوپر سے یہ کہ کسی سال فصل اچھی ہوئی تو کسی سال بگڑ گئی، جس کے باعث مزدوری کی یہ حقیر آمدنی بھی کچھ پکی نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کو بورژوازی کا آسرا ہو بھی تو کیا ہو، کیوں کہ بورژوازی، یہی سرمایہ‌دار سودخوار ہیں جو اس کی شہ‌رگ کا لہو چوس لیتے ہیں۔ پھر بھی ان میں سے زیادہ تر کاشتکار اپنی زمین جائداد سے چمٹے رہتے ہیں، حالاں کہ سچ پوچھیے تو وہ ان کی

نہیں، سود خوار مہاجن کی ملکیت ہوتی ہے۔ ان خودکاشت کسانوں کو یہ ذہن نشین کرانا پڑےگا کہ سودخوار کے پنجے سے صرف اسی صورت میں رہائی مل سکتی ہے جب سرکار عوام کے سہارے کھڑی ہوکر ہر ایک رہن نامے کو سرکاری قرضے میں بدل ڈالے اور اس طرح سود کی شرح گرا دے۔ اور یہ بات مزدور طبقے کے کئے ہی ہو سکتی ہے۔

جہاں جہاں اوسط درجے یا بڑے پیمانے کی جاگیریں حاوی ہیں، وہاں دیہات میں کھیت مزدوروں کا طبقہ آبادی میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ پورے شمالی اور مشرقی جرمنی کا یہی حال ہے۔ اور یہیں سے شہر کے صنعتی مزدوروں کو اپنے سب سے کثیر تعداد اور سب سے قدرتی حلیف میسر آتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے سرمایہ‌دار کو صنعتی مزدور کا سامنا ہے، جاگیردار یا بڑے کاشتکار کے مقابل کھیت مزدور کھڑا ہے۔ وہی تدبیریں جو ایک کے کام آتی ہیں، دوسرے کا بھلا کریں‌گی۔ صنعتی مزدور خود اپنا بوجھ اتارنے کی تدبیر صرف یہی کرتے ہیں کہ بورژوازی کے سرمائے کو، یعنی کچے مال کو، مشینوں اوزاروں کو، اور گزراوقات کے اس سامان کو، جو پیداوار کے کام میں انہیں درکار ہوتا ہے، پورے سماج کی ملکیت بنا ڈالیں، یا یوں کہیے کہ خود اپنی ملکیت جسے وہ مل جل کر استعمال کریں۔ اسی طرح کھیت مزدور بھی مصیبت کے اس شکنجے سے تبھی نکالے جاسکتے ہیں جب اول وہ چیز جس پر ان کی محنت لگتی ہے، یعنی خود زمین ہی بڑے کاشتکاروں اور ان سے بھی بڑے تعلقدار جاگیرداروں کی ذاتی ملکیت کے بندھن سے چھڑا کر عام ملکیت میں تبدیل کردی جائے اور کھیت مزدوروں کے سپرد کر دی جائے کہ وہ کوآپریٹو سوسائٹیوں کی صورت میں مل جل کر اپنے طور پر کاشت کریں۔ یہاں ہمارے سامنے بازل میں ہونےوالی انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز کانگرس کا مشہور فیصلہ آتا ہے جس کے مطابق طے پایا تھا کہ زمین جائداد کو مشترکہ قومی ملکیت بنانے میں سماج کا بھلا ہے (۴۹)۔ یہ تجویز خاص کر ان ملکوں کے بارے میں پاس ہوئی تھی جہاں بڑی بڑی زمین جائداد کا رواج ہے، نتیجہ یہ کہ ان جاگیروں

پر ایک تو صاحب جائداد ہوتا ہے اور بہت سے مزدور۔ آج بھی بڑی حد تک جرمنی میں یہی صورت حال قائم ہے۔ لہاذا، انگلینڈ کے فوراً بعد جرمنی کا ہی نمبر آتا ہے جس کے متعلق یہ فیصلہ نہایت بروقت ہے۔ زمین پر کام کرنےوالا پرولتاریہ، کھیت مزدور ہی وہ ایک طبقہ ہے جس کے اندر سے راجاؤں کی فوج کا بڑا حصہ بھرتی کیا جاتا ہے۔ اور یہی وہ طبقہ ہے کہ عام رائے دہندگی کے حق کی بدولت بہت سے جاگیرداروں اور یونکروں کو چن کر پارلیمنٹ میں بھیج دیتا ہے۔ لیکن یہ وہ طبقہ بھی ہے جو شہر کے صنعتی مزدوروں کے سب سے زیادہ نزدیک ہے، انھی کے سے حالات میں زندگی بسر کرتا ہے اور ان سے بھی بدتر مصیبتوں کا شکار رہتا ہے۔ یہ طبقہ جو ٹکڑوں میں بٹے ہونے اور بکھرے ہونے کے کارن بیجان پڑا ہے، اس طبقے میں پھر سے جان ڈالنا اور تحریک میں کھینچ لانا جرمن مزدور تحریک کا فوری اور سب سے ضروری فرض ہے۔ حکومت اور جاگیردار شرفا اس طبقے کی درپردہ طاقت سے اس قدر باخبر ہیں کہ اسکولوں کو جان بوجھ کر خستہ حالت میں ڈالے رہتے ہیں تاکہ یہ کھیت مزدور جاہل کے جاہل رہیں۔ جس دن کھیت مزدور اپنے فائدے کی بات سمجھنا سیکھ لیں گے، اس روز جرمنی میں رجعت پرست — جاگیردارانہ، نوکرشاہی یا سرمایہ‌دارانہ حکومت کا رہنا ناممکن ہو جائےگا۔

اینگلس نے ۱۱ فروری ۱۸۷۰ء
کے قریب لکھا۔

لیپزگ سے، اکتوبر ۱۸۷۰ء میں
''جرمنی میں کسانوں کی جنگ،،
کے دوسرے ایڈیشن میں
شایع ہوا۔

اصل مسودے کے مطابق
شائع کیا گیا۔

۱۸۷۵ء کے تیسرے ایڈیشن کے لئے ۱۸۷۰ء والے دیباچے کا تکملہ

پہلے والے دیباچے کا مضمون لکھے ہوئے چارسال سے زیادہ ہو گئے۔ وہ آج بھی کارآمد ہے۔ سادووا کی لڑائی اور جرمنی کی تقسیم کے بعد جو بات صحیح نکلی تھی، آج سیدان کی لڑائی (۵۰) اور پروشیائی قوم کی مقدس جرمن سلطنت قائم ہو جانے (۵۱) کے بعد اس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ نام نہاد اونچی سیاست کے میدان میں ''دنیا کو ہلادینے والے،، شاندار تماشے بھلا تاریخ کے بہاؤ کو کہاں بدلتے ہیں!

لیکن ہاں یہ شاندار تماشے اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ تاریخ کا یہ بہاؤ اور تیز کر دیں۔ اور اس معاملے میں مذکورہ ''دنیا کو ہلا دینے والے واقعات،، کے جنم داتاؤں کو وہ کامیابی نصیب ہوئی جس کی نہ تو خود انھوں نے آرزو کی تھی اور نہ اب وہ کسی طرح انھیں پسند آسکتی ہے، مگر، اچھا ہو یا برا، بہرحال قبول کرتے ہی بنے گی۔

۱۸۶۶ء کی جنگ نے پرانے پروشیا کی جڑ بنیاد تک ہلادی۔ ۱۸۴۸ء کے بعد، مغربی صوبوں کے سرکش صنعتی عناصر کو، بورژوازی اور پرولتاریہ دونوں کو ہی، پھر سے پرانے رعب داب میں رکھنا اس کے لئے بہت کٹھن ہو چلا تھا۔ پھر بھی یہ معرکہ سر کر لیا گیا، اور مشرقی صوبوں کے یونکروں کا مفاد، فوج کے مفاد سے کاندھا ملا کر، ساری اسٹیٹ پر پھر سے مسلط ہو گیا ہے۔ ۱۸۶۶ء میں قریب قریب تمام شمالی مغربی جرمنی پروشیائی ہو گیا۔ خدا کے فضل سے دوسروں کے تین تاج * اچک لینے کے باعث خود پروشیا کے تاج کو خدا کے فضل سے جو ناقابل تلافی اخلاقی صدمہ پہنچا، اس کے علاوہ یہ

---

* ہنوویر، ہیسے کاسیل، نساؤ۔ (ایڈیٹر)

بھی ہوا ہے کہ بادشاہی کا مرکز ثقل اب بہت دور پچھم کی طرف کھسک گیا۔ رائن لینڈ اور ویسٹ‌فالیا کے پچاس لاکھ باشندوں میں وہ چالیس لاکھ جرمن اور جڑ گئے تھے جنھیں سیدھے سیدھے ان میں ملا دیا گیا اور وہ ساٹھ لاکھ بھی جنھیں بالواسطہ شمالی جرمن یونین (۵۲) کا نام لے کر انھی میں ضم کر دیا گیا۔ ۱۸۷۰ء میں ۸۰ لاکھ جنوب مغربی جرمن اور ان میں جوڑے گئے (۵۳)۔ اس طرح کہ ''نئے رائج،، (نئی جرمن ریاست) میں ایک کروڑ پینتالیس لاکھ پرانے پروشیائیوں کے مقابلے میں (جس میں چھ مشرقی ایلبا صوبوں کی آبادی کے علاوہ بیس لاکھ پولینڈوالے بھی شامل ہیں) کوئی دو کروڑ پچاس لاکھ وہ لوگ موجود ہیں جو ایک زمانہ پہلے ہی پرانے وقتوں کی پروشیائی یونکر جاگیرداری کے اثر سے باہر نکل چکے ہیں۔ چناں‌چہ خود پروشیائی فوج کی فتوحات نے پروشیا کے پورے ریاستی ڈھانچے کی بنیاد اپنی جگہ سے ھلادی ہے۔ یونکروں کا دباؤ خود گورنمنٹ کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ لیکن چوں‌کہ ساتھ میں صنعتی ترقی کی رفتار بہت تیز تھی تو نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ‌داروں اور مزدوروں کے درمیان کشمکش نے بڑھ کر یونکروں اور بورژوازی کے درمیان کشمکش کو پیچھے ڈال دیا۔ اور اس طرح اندر سے بھی پرانی اسٹیٹ کی سماجی بنیاد کی پوری کایا پلٹ ہو گئی۔ بادشاہی جسے ۱۸۴۰ء سے ہی گھن لگ چکا تھا، اس کے بچے رہنے کی ایک ہی بنیادی شرط تھی کہ جاگیرداری اشرافیہ اور بورژوازی میں تناتنی چلتی رہے اور توازن بادشاہی کے ہاتھ میں رہے۔ جب اشرافیہ کو بورژوازی کی یلغار سے بچاؤ کی کچھ ضرورت نہ رہ گئی اور یہ لازم قرار پایا کہ تمام صاحب‌جائداد طبقوں کو مزدور طبقے کی چڑھائی سے بچانے کا انتظام کیا جائے تو پرانی مختار کل بادشاہت کو اسٹیٹ کے اس روپ میں پوری طرح بدل جانا پڑا جو خاص اسی غرض سے وضع کیا گیا تھا۔ اور یہ تھی بوناپارٹ والی بادشاہی۔ پروشیا کا بوناپارٹ کے طرز کی حکومت میں بدل جانا میرے یہاں دوسری جگہ زیربحث آیا ہے (''رہایش کا مسئلہ،،۔ دوسرا ایڈیشن)۔ مجھے جس نکتے پر وہاں زور دینے کی ضرورت نہ تھی یہاں اس کی اہمیت بڑی ہے، وہ یہ کہ

۱۸۴۸ء سے پروشیا نے جتنی کچھ ترقی کی اس میں یہ تبدیلی ھی سب سے بڑا قدم تھی — جدید طرز کی ترقی میں پروشیا اس قدر پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ سچ ھے کہ پروشیا ابھی تک ایک نیم‌جاگیردارانہ اسٹیٹ رھی ھے جہاں بوناپارٹ ڈھنگ کی حکومت چاھے کچھ بھی سہی، ایک جدید طرز حکومت ھے اور اس کے دم قدم سے جاگیرداری کا خاتمہ ھونا یقینی ھوگا۔ لہازا پروشیا کو جاگیرداری کے بہت سارے باقیات سے جان چھڑانا اور یونکر شاھی کو قطعی قربان کرنا پڑا ھے۔ قدرتی امر ھے کہ یہ کام نہایت دبے دبے اور اس پسندیدہ قول کے سطابق کیا گیا کہ: ''ھمیشہ دھیرے دھیرے آگے بڑھو،،۔ مثلاً وہ بدنام زمانہ ضلع آرڈی‌نینس لیجئے۔ یہ آرڈی‌نینس الگ الگ یونکروں کے جاگیردارانہ اختیارات کا ان کی اپنی جاگیر کے تعلق سے تو خاتمہ کرتا ھے لیکن انھی اختیارات کو پورے ضلع کے سبھی بڑے جاگیرداروں کے مجموعی اختیارات کے طور پر پھر بحال کر دیتا ھے۔ بات وھی رھی۔ صرف اتنا ھے کہ جاگیرداری کے بجائے اب اس کا سرمایہ‌داری چولا رنگ دیا جاتا ھے۔ پرانے وقتوں کا پروشیائی یونکر زبردستی کچھ ویسا بنایا جا رھا ھے جیسے انگریز اسکوائر (صاحب بہادر) اور اس میں فیل سجانے یا چوں‌چرا کرنے کی کیا ضرورت تھی کیوں کہ دونوں ایک ھی طرح الٹی کھوپڑی کے ھیں۔

اس طرح پروشیا کی عجیب قسمت نکلی کہ وہ بورژوائی انقلاب کو، جو ۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۳ء تک شروع ھوا، پھر ۱۸۴۸ء میں ایک حد تک آگے بڑھا، آخر بوناپارٹ طرز کی سہانی صورت میں اس صدی کے آخر تک انجام کو پہنچائے۔ اگر سب کچھ ٹھیک رھا، دنیا میں سکھ چین بنا رھا، اور ھم لوگ بھی دیر تک جیتے رھے تو اپنی آنکھوں دیکھ لیں‌گے، شاید ۱۹۰۰ء تک دیکھنا نصیب ھو جائے کہ پروشیا کی سرکار سبھی جاگیرداری اداروں کا صفایا کر دےگی اور ھوتے ھوتے پروشیا وھاں پہنچ جائےگا جہاں فرانس ۱۷۹۲ء میں پہنچ چکا تھا۔

جاگیرداری کے خاتمے کو اگر مثبت طریقے سے کہا جائے تو مطلب یہ کہ سرمایہ‌دارانہ حالات کا قائم کیا جانا۔ جاگیرداری اشرافیہ کے خاص اختیارات کو جتنا زوال آتا جائےگا، قانون‌سازی اتنا

ھی سرمایہ‌دارانہ رنگ پکڑتی جائےگی۔ اور یہیں جرمن بورژوازی اور حکوست کے باھمی تعلق پر کانٹے کی بات آتی ھے۔ ھم نے دیکھا کہ گورمنٹ ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی اصلاحوں کو نافذ کرنے پر مجبور ھوتی ھے۔ تاھم بورژوازی کے ساتھ بیوھار سیں ان چھوٹی سی رعایتوں کو بھی یوں بڑھا چڑھاکر دکھاتی ھے گویا بورژوازی کے حق سیں ھی کوئی بڑی قربانی دے دی، گویا صاحب تاج و تخت کے ھاتھ سے یہ رعایت بمشکل تمام چھینی گئی ھے، جس کے بدلے میں گورمنٹ کے سامنے بورژوازی کو بھی کہیں مٹھی ڈھیلی کرنی چاھئے۔ اور اگرچہ معاملات کی اصلیت بورژوازی پر بالکل کھلی ھوئی ھے، پھر بھی خود کو بےوقوف بننے دیتی ھے۔ یہیں سے اس ملی بھگت کا پتہ چلتا ھے جو برلن میں رائخ‌ستاگ اور پروشیائی ایوان کی بحثوں کی تہہ سیں درپردہ کارفرما ھے۔ ایک طرف یہ ھو رھا ھے کہ حکوست بورژوازی کی خاطر قانونوں کی اصلاح سیں بہت آھستہ قدم اٹھا رھی ھے، ان جاگیردارانہ رکاوٹوں کو ھٹا رھی ھے جو صنعت کی راہ سیں، یا بہت ساری چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے کارن کھڑی ھوئی تھیں، سکہ، ٹکسال، باٹ ترازو ناپ کو یکساں کر رھی ھے، پیشے کی آزادی دیتی ھے، ایک جگہ چھوڑکر دوسری جگہ جانے کی آزادی سان‌کر جرمنی کی قوت محنت کو بےروک ٹوک سرمائے کے سپرد کرتی ھے، تجارت اور بےایمانی کی کمائی کی طرفدار ھے۔ دوسری طرف بورژوازی نے اصلی سیاسی طاقت گورمنٹ کے ھاتھ سیں چھوڑ رکھی ھے، ٹیکسوں، سرکاری قرضوں اور فوجی بھرتی کے حق سیں ووٹ دیتی ھے، تمام نئے اصلاحی قانون بنوانے سیں کچھ اس صورت سے مدد کرتی ھے کہ ناپسندیدہ لوگوں پر پورا اختیار، طاقت اور اثر اسی پرانی پولیس کے ھاتھ سیں باقی رہ جائے۔ سرمایہ‌دار طبقہ سیاسی طاقت سے فوراً دست‌برداری لکھ‌کر اپنی رفتہ رفتہ سماجی خیریت کے دام چکا رھا ھے۔ قدرتی بات ھے کہ بورژوازی کے اس لین دین پر راضی ھونے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ وہ گورمنٹ سے ڈرتی ھے بلکہ دراصل پرولتاریہ کا خوف اس پر طاری ھے۔

سیاسی سیدان سیں سرمایہ‌دار طبقہ چاھے کتنا ھی بےآبرو ھو چکا ھو لیکن انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں تک صنعت اور تجارت

کا تعلق ہے، آخر وہ اپنا فرض ادا کئے جا رہا ہے - صنعت اور تجارت کی وہ تیزرفتار ترقی جس کا دوسرے اڈیشن کے دیباچے میں ذکر آچکا ہے* ، تب سے اور بھی زوروں میں جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں رائن اور ویسٹ‌فالیا کے صنعتی حلقے میں ۱۸۶۹ء سے اب تک جو کچھ ہوا ہے، وہ جرمنی کے لئے انہونی بات ہے، اسے دیکھ‌کر انگلستان کے کارخانےوالے ضلعوں میں اس صدی کے شروع میں جو بہت ابھار آیا ہوا تھا اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے - یہی بات سیکسونیا، شمالی سائلیشیا، برلن، ہنوویر ، اور بندرگاھوں کے بارے میں صادق آتی ہے - آخر اب ہم بھی عالمی تجارت رکھتے ھیں، واقعی ایک بڑی صنعت موجود ہے اور واقعی جدید طرز کی بورژوازی بھی ہے - لیکن اس کے بدلے میں ھمارے یہاں بھی ایک سچ مچ کا بحران آچکا ہے اور اسی طرح یہاں بھی صحیح معنوں میں ایک طاقتور پرولتاریہ کا ظہور ھوچکا ہے۔

آئندہ کا مورخ ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۴ء کے دور کی جرمن تاریخ میں شپی‌خیرن، مارس‌لاتور (۵۴) اور سیدان کی جنگوں کے شور پکار کو اور ان سے جتنی بھی باتیں متعلق ھیں ان سب کو بہت کم حیثیت دےگا بمقابلہ جرمن پرولتاریہ کے اس بےنام و نمود، چپ چاپ مگر مستقل بڑھتے ہوئے قدم کے - ۱۸۷۰ء میں ھی جرمن مزدوروں کو سخت امتحان سے گزرنا پڑا : بوناپارٹ کی طرف سے جنگی اشتعال دلایا گیا، پھر اس کا قدرتی اثر ھوا کہ جرمنی میں قومی جوش کی لہر دوڑ گئی - جرمنی کے اشتراکی مزدوروں نے خود کو دم بھر کے لئے گمراہ نہیں ہونے دیا - انھوں نے قومی عصبیت کے سیلاب سے خود کو بچائے رکھا - جب فتح حاصل ہونے پر خوشی کے مارے لوگ دیوانے ہوئے جا رہے تھے ایسے وقت میں جرمن اشتراکی مزدوروں نے اپنے حواس قائم رکھے اور یہ مانگ کی کہ ''فرانسیسی ریپبلک کے ساتھ انصاف کی صلح کی جائے اور کوئی علاقہ چھین کر نہ ملایا جائے،، - یہاں تک کہ فوجی عملداری (مارشل لا) بھی ان کی زبان بند نہ کر سکی - ان پر نہ تو جنگی شان و شکوہ

* دیکھئے اس ایڈیشن کا حصہٴ دوم، صفحات ۱۱۲—۱۰۱ - (ایڈیٹر)

کا کچھ اثر ہوا، نہ جرمنی کی ''شاہانہ عظمت،، کی باتوں کا۔ اب بھی ان کی ایک ہی منزل مقصود تھی کہ سارے یورپی پرولتاریہ کے سر کا بوجھ اتارا جائے۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج تک کسی اور ملک میں نہ تو مزدوروں کو اتنی کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا اور نہ وہ اس شان سے اپنی ذمہ‌داری ادا کر سکے۔

جنگ کے زمانے میں مارشل لا کے بعد وطن دشمنی، سرکار دشمنی، افسروں کی توہین کے الزام میں مقدمے چلائے گئے اور پولیس کی وہ قانونی پینترےبازی جو امن کے زمانے میں ہوا کرتی ہے، برابر بڑھتی گئی۔ عام طور سے «Volksstaat» (عوامی ریاست) (۵۰) اخبار کے تین اور چار ایڈیٹر تک بیک وقت جیل میں رہنے لگے اور اسی طرح دوسرے اخباروں کے بھی۔ پارٹی کی طرف سے کوئی بولنے میں زرا بھی نمایاں ہوتا تو سال میں کم‌ازکم ایک بار عدالت میں حاضری دینی پڑتی اور ہر بار سزا ہو جاتی۔ جلاوطنی، ضبطی اور جلسوں کا توڑا جانا یہ سب ایک کے بعد ایک بےتحاشا بڑھتا گیا۔ مگر سب رائگاں۔ جب بھی کوئی گرفتار ہوتا یا جلاوطن کیا جاتا تو اس کی جگہ بھرنے کے لئے فوراً دوسرا سامنے آ جاتا تھا۔ اگر ایک میٹنگ توڑی جاتی تو اس کے بدلے دو میٹنگیں طلب کی جاتیں اور اس طرح پولیس کی یکطرفہ زبردستی، قوت برداشت اور سخت قانونی پاس و لحاظ کے مقابلے میں جا بجا تھک ہارکر بیٹھ رہی۔ ظلم و زیادتی کا جو مقصد تھا، وہ الٹا پڑا: مزدوروں کی پارٹی کے ٹوٹنے یا جھکنے کی تو نوبت کیا آتی، ہوا یہ کہ اس کی بدولت اور نئے لوگ پارٹی میں داخل ہوتے گئے اور تنظیم پہلے سے بھی مضبوط ہو گئی۔ مزدوروں نے ارباب اختیار کے مقابلے میں اور الگ الگ سرمایہ‌داروں سے مقابلہ کرنے میں بھی خود کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بلند و برتر ثابت کر دکھایا اور وہ جو ''روزگار دینےوالے،، یعنی مالک لوگ کہلاتے ہیں، خاص طور سے ان کے ساتھ ٹکراؤ میں تو یہ بھی ثبوت دے دیا کہ مزدور اب ایک تعلیم‌یافتہ طبقہ ہیں اور سرمایہ‌دار کوڑھ‌مغز۔ وہ اپنی لڑائی بھی زیادہ تر ہنستے کھیلتے چلاتے ہیں جو بہت عمدہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اپنے حق پر انھیں کتنا بھروسہ ہے اور اپنی برتری کا کس قدر اعتبار

ہے ۔ وہ زمین جو تاریخی لحاظ سے تیار ہو چکی ہے جب اس پر یوں سنگھرش چلے تو ظاہر ہے کہ نتیجہ بھی اچھا ہی نکلےگا ۔ جنوری کے مہینے میں ہونےوالے الکشنوں کی کامیابی آج کے مزدوروں کی تحریک میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتی (٥٦) اور سارا یورپ جو اس پر حیرت سے منہ تکتا رہ گیا، وہ بھی بالکل برحق تھا ۔

جرمن مزدوروں کو باقی یورپ کے مزدوروں پر دو اہم سہولتیں حاصل ہیں ۔ ایک تو یہ کہ وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو یورپ کی سب سے زیادہ نظریاتی قوم ہے اور انہوں نے نظریے کی وہ سوجھ بوجھ سنبھال کر رکھی ہے جسے جرمنی میں نام کے "تعلیم یافتہ،، طبقے اپنے ہاتھ سے قریب قریب دے چکے ہیں ۔ اگر جرمن فلسفہ، خاص کر ہیگل کا فلسفہ نہ ہوتا تو دنیا کے تن تنہا سائنسی سوشلزم، یعنی جرمن سائنٹفک سوشلزم کا وجود ہی نہ ہونے پاتا ۔ اگر مزدوروں میں نظریے کی سوجھ بوجھ نہ ہوتی تو وہ سائنسی سوشلزم ان کے گوشت پوست کا حصہ نہ بن سکتا جیسا کہ وہ بن چکا ہے ۔ یہ کتنی بڑی سہولت ہے اس کا اندازہ ایک طرف تو اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انگلینڈ کی مزدور تحریک، الگ الگ پیشوں میں شاندار تنظیم رکھنے کے باوجود چیونٹی کی چال سے چل رہی ہے تو اس کا ایک بڑا کارن یہی ہے کہ اسے نظریے کی کچھ زیادہ پروا نہیں، دوسری طرف اس بات سے کہ پرودھوں فلسفی کے خیالات نے اپنی اصلی شکل میں فرانس اور بلجیم والوں کے درمیان اور باکونین کے ہاتھوں اور زیادہ مسخ ہونے کے بعد اسپین اور اٹلی والوں میں کیا کچھ فتنے برپا کئے ہیں اور کتنی الجھنیں ڈال دی ہیں ۔

دوسری سہولت یہ کہ زمانے کے حساب سے دیکھئے تو مزدور اندولن میں جرمن سب کے بعد آئے ۔ جس طرح جرمنوں کا نظریاتی سوشلزم یہ کبھی نہیں بھول سکتا کہ وہ سین سائمن، فورئیے، اور رابرٹ اووین کے، یعنی ان تین آدمیوں کے کاندھوں پر کھڑا ہے جو اپنی پرواز تخیل اور ہوائی قلعوں کے باوجود، ہر زمانے کے سب سے عظیم مفکروں میں اپنا مقام رکھتے ہیں، جن کی فراست نے ایسی بےشمار باتوں کو وقت سے پہلے جتا دیا تھا جن کی سچائی آج ہم علمی طریقے سے ثابت کر رہے ہیں، — اسی طرح جرمنی میں عملی مزدور تحریک

کو یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ وہ انگلینڈ اور فرانس کی مزدور تحریکوں کے بل پر بڑھی ہے، جو تجربے ان کو مہنگے پڑ چکے تھے، اسی سے جرمن تحریک نے فیض اٹھایا ہے اور اب ان غلطیوں سے اپنا دامن بچا سکتی ہے جن سے بچنے کی تب زیادہ تر کوئی صورت نہ تھی۔ انگریزی ٹریڈیونینوں اور فرانسیسی مزدوروں کے سیاسی سنگھرشوں، خاص کر پیرس کمیون کی زبردست چوٹ کی مثال ہماری نظر کے سامنے نہ ہوتی تو آج ہم کہاں ہوتے؟

جرمن مزدوروں کو اس بات کی داد ملنی چاہئے کہ انھوں نے اپنے موقع کی سہولت کا بے مثال سمجھداری سے استعمال کیا ہے۔ جب سے مزدور تحریک کا وجود ہے تب سے پہلی بار جدوجہد تینوں پہلوؤں پر: نظریاتی، سیاسی اور عملی لحاظ سے معاشی (یعنی سرمایہ‌داروں کے مقابلے میں) ایک تال سیل، باھمی ربط ضبط اور باقاعدہ طریقے سے چلائی جا رہی ہے۔ کہنا چاہئے کہ جرمن تحریک کی طاقت اور اس کا اٹوٹ ہونا خاص اسی ایک بھرپور حملے میں پوشیدہ ہے۔

ایک سمت سے تو اپنے موقع کی سہولت کی بدولت، اور دوسری سمت سے کچھ تو یوں کہ انگریزوں کی تحریک میں جزیرہ بند خصوصیات ہیں اور کچھ یوں کہ فرانسیسی تحریک کو بزور طاقت کچلا گیا، آج جرمن مزدور، پرولتاری صف‌آرائی میں ہراول دستے کی جگہ کھڑا ہے۔ ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ واقعات کا رخ کیا ہوگا اور وہ کب تک انھیں اس عزت کے مقام پر رہنے دیں‌گے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ جب تک جرمن پرولتاری اس حالت میں رہیں‌گے وہ اپنا منصب قابلیت کے ساتھ نباہیں‌گے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ جدوجہد اور پرچار کے ہر ایک میدان میں وہ اور دوگنا زور لگادیں۔ خاص طور سے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ تمام نظریاتی سوالوں میں اور گہری نظر پیدا کریں، دنیا کو دیکھنے کے پرانے طریقے سے جو بنے بنائے جملے انھیں وراثت میں ملے ہیں، ان گھسے پٹے جملوں کے اثر سے خود کو اور بھی آزاد کرتے رہیں اور اس بات کا برابر دھیان رکھیں کہ اب چوں کہ سوشلزم ایک سائنس بن چکا ہے لہاذا اس کا تقاضہ ہے کہ اسے سائنس یا باضابطہ علم کی طرح برتا جائے، یعنی اس کا مطالعہ کیا جائے۔ اس

طرح جو زیادہ سے زیادہ بصیرت پیدا ہوگی اسے عام مزدوروں کے درمیان اور بھی جوش و خروش سے پھیلانا اور یوں پارٹی اور ٹریڈیونین دونوں کی تنظیم کو زیادہ مضبوط گرہ لگانا، یہ ہوگا ان کا فرض۔ جنوری کے الکشنوں میں اشتراکیوں کو جو ووٹ ملے ہیں اگرچہ ان سے اچھی خاصی فوج بن سکتی ہے، پھر بھی وہ مزدور طبقے کی اکثریت بننے سے کوسوں دور ہیں۔ دیہات کی آبادی میں پروپیگنڈے سے بھی خاصی کامیابیاں ہوئی ہیں لیکن اس میدان میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بات گرہ میں باندھ لینی چاہئے کہ ہم مقابلے کو دھیما نہ کریں اور دشمن کے پنجے سے ایک شہر کے بعد دوسرا شہر، ایک چناؤ حلقے کے بعد دوسرا حلقہ چھینتے چلے جائیں۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ اس انٹرنیشنل جذبے کو قائم اور صحیح سالم رکھیں جو کسی قسم کے اندھے قومی تعصب کو ابھرنے نہیں دیتا اور جو شوق سے ہر ایک پرولتاری تحریک کے بڑھتے ہوئے قدم لیتا ہے، چاہے یہ قدم کسی قوم نے بڑھائے ہوں۔ اگر جرمن مزدور اسی طرح بڑھتے رہے تو یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ تحریک کے سرگروہ بن کر سب سے آگے مارچ کریں، اس تحریک کی مصلحت بھی اس میں نہیں ہے کہ کسی ایک ملک کے مزدور سب کے سرگروہ اور آگے ہوں، لیکن ہاں وہ مزدور جد و جہد کی صف‌بندی میں ایک باعزت مقام پر ضرور کھڑے ہوں گے۔ وہ ایسے وقت میں ہتھیاروں سے لیس کھڑے ہوں گے جب یا تو اچانک کوئی گمبھیر مشکل کا وقت آجائے یا واقعات ایسا رخ اختیار کر لیں کہ جرمن مزدوروں کو اور زیادہ ہمت اور زیادہ اٹل ارادے اور طاقت سے کام لینا پڑے۔

لندن، پہلی جولائی ۱۸۷۴ء

فریڈرک اینگلس

Friedrich Engels, «Der Deutsche Bauernkrieg». Leipzig, 1875 کتاب میں چھپا گیا تھا۔

اصل مسودے کے مطابق شائع کیا گیا۔

کارل مارکس

فرانس میں خانہ جنگی[57]

۱۸۹۱ء کا فریڈرک اینگلس کا دیباچہ[58]

مجھے پہلے سے خیال نہ تھا کہ ''فرانس میں خانہ جنگی،، پر انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کے خط کا نیا ایڈیشن تیار کرنے کو اور اس پر دیباچہ لکھنے کو مجھ سے کہا جائے گا۔ چناں‌چہ میں یہاں نہایت اہم نکتوں پر مختصراً ہی کچھ کہہ سکوں‌گا۔

اوپر جس تفصیلی مضمون کا ذکر آیا ہے، اس کے دیباچے کی صورت میں جنرل کونسل کے ان دو مختصر خطوں کو استعمال کئے لیتا ہوں جو فرانس اور پروشیا کی جنگ کے بارے میں لکھے گئے تھے *۔ پہلی وجہ تو یہ کہ ان دونوں میں سے دوسرا خط، جو خود بغیر پہلے کے پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا، اس کا حوالہ ''خانہ جنگی،، والے اصل مضمون میں آیا ہے۔ پھر ایک اور وجہ یہ کہ دونوں خط جن کا خاکہ بھی مارکس کے قلم کا ہی نتیجہ ہے، مصنف کی اس خداداد قابلیت کا غیرمعمولی نمونہ ہونے میں ''خانہ‌جنگی،، والے مضمون سے کچھ کم درجہ نہیں رکھتے جو اول تو ''لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں بروسیئر،،** میں ثابت ہو چکی، کہ مارکس نے کس خوبی اور صفائی

---

* ملاحظہ ہو اسی جلد کے صفحات ۱۴۸—۱۴۱ اور ۱۵۹—۱۴۹۔ (ایڈیٹر)

** ملاحظہ ہو حصۂ اول، صفحات ۲۹۳—۱۵۰۔ (ایڈیٹر)

سے بڑے تاریخی واقعات کے مزاج، ان کے آثار اور اثر تاثیر کو ایسے وقت اپنی ذهنی گرفت میں لے لیا جب یه واقعات هماری نظروں کے سامنے چل رہے تھے اور انھیں گزرے ابھی کچھ عرصه نه هوا تھا۔ آخری وجه یه که مارکس نے ان واقعات کے جو نتیجے پہلے سے جتا دئے تھے، آج بھی همیں جرمنی میں ان کا سامنا کرنا پڑ رها ہے۔

پہلے خط میں جو بات کہی گئی تھی کیا وہ سامنے نہیں آگئی که اگر لوئی بوناپارٹ کے مقابلے میں جرمنی اپنا بچاؤ کرنے کی جنگ سے پھسل کر فرانسیسیوں کا علاقه قبضانے میں مبتلا هوا تو پھر وہ ساری مصیبتیں جو نام نہاد آزادی کی جنگ (۵۹) کے بعد اس کے سر پڑی تھیں وہ پھر نئے سرے اور زیادہ شدت کے ساتھ ٹوٹ پڑیں گی۔ کیا همیں بسمارک کی حکمرانی کے اور بیس‌سال نہیں بھگتنے پڑے؟ کیا هنگامی قانون (۶۰) اور اشتراکیوں کو پھنسانے کی کارروائی نے پولیس کی ویسی هی دهاندلی اور قانونی زور زبردستی عام نہیں کر دی تھی جو Demagogue لوگوں (۶۱) کے ساتھ روا رکھی جاتی تھی؟

اور کیا یه پیش گوئی لفظ بلفظ پوری نہیں هو گئی که الزاس‌لارین علاقے کو جرمنی میں ملانے کا اثر یه هوگا که ”فرانس مجبور هو کر روس کی دهائی دے“، اور علاقه ملا لینے کے بعد جرمنی کو یا تو روس کا کھلے عام پیروکار بننا پڑے گا یا تھوڑی سی مہلت کے بعد اسے ایک اور جنگ کے لئے کمربسته هونا پڑے گا؟ جنگ بھی کیسی؟ ”متحده سلاف اور رومن نسلوں سے نسلی جنگ“ *۔ کیا فرانسیسی صوبوں کو ادهر ملا لینے کے باعث فرانس کو روس کی گود میں نہیں پهنچا دیا گیا؟ کیا بسمارک نے پورے بیس سال تک زار روس کو خوش کرنے کی فضول کوششیں نہیں کیں؟ اور ان کوششوں میں اس پست سطح تک اتر گیا که چھوٹے سے پروشیا نے بھی ”یورپ میں اول نمبر کی طاقت“ بننے سے پہلے ”روس مقدس“ کے قدموں میں اتنا ماتھا نہیں رگڑا تھا۔ اور کیا همارے سر پر اب بھی هر وقت جنگ کا خطره نہیں منڈلاتا رهتا ہے، که اگر وہ جنگ چھڑی

* ملاحظه هو اسی جلد کا صفحه ۱۵۶۔ (ایڈیٹر)

تو پہلے ھی دن والیان ریاست کے سارے پکے کئے ہوئے عہدنامے ھوا میں اڑ جائیں گے، ایسی جنگ ہوگی جس کے بارے میں کچھ بھی یقینی نہیں سوائے اس کے کہ نتیجہ قطعی غیریقینی ہوگا، ایسی نسلی جنگ چھڑے گی جو ڈیڑھ یا دو کروڑ ھتھیار بند فوجیوں کے ھاتھوں پورے یورپ کو تباھی و بربادی کا نشانہ بنادے گی، اور اگر ابھی تک نہیں چھڑی ھے تو صرف اس لئے کہ بڑی بڑی فوجی طاقتوں میں جو سب سے مضبوط ھے، وہ بھی یہ سوچ کر گھبراتی ھے کہ نجانے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔

اس لئے ھم پر یہ اور بھی فرض ہو گیا ھے کہ جرمن مزدوروں میں ۱۸۷۰ء کی انٹرنیشنل مزدور طبقے کی پالیسی کی دوراندیشی کے وہ روشن ثبوت عام کر دیں جو وہ بھولتے جارھے ھیں۔

جو بات میں نے ان دونوں خطوں کے بارے میں کہی ھے وھی ''فرانس میں خانہ جنگی،، والے اصل مضمون پر بھی صادق آتی ھے۔ پیرس کمیون کے آخری جانباز ۲۸ مئی کو بیلویل کی ڈھلوانوں پر اپنے سے زیادہ طاقتور فوج کے سامنے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اور صرف دو دن بعد ۳۰ مئی کو جنرل کونسل کے سامنے مارکس نے وہ مضمون پڑھ کر سنایا جس میں پیرس کمیون کا تاریخی مرتبہ، مختصر لفظوں، جاندار اشاروں لیکن ایسے پرمغز اور تہہ‌دار بیان اور خاص کر ایسی سچائی کے ساتھ بیان ہوا ھے کہ اس موضوع پر جو بہت سا انبار لکھا جا چکا ھے، وھاں کہیں اس کا جواب نہیں ملتا۔

فرانس میں ۱۷۸۹ء کے بعد سے جو معاشی اور سیاسی ترقی ہوئی ھے، اس کی بدولت پچھلے پچاس سال سے پیرس کی ایسی پوزیشن ہو گئی ھے کہ وھاں ہونےوالا کوئی انقلاب پرولتاری کردار لئے بغیر، یعنی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پرولتاری طبقہ جو فتح کی راہ میں اپنا لہو بہاتا تھا وہ فتح کے بعد اپنے مطالبے آگے نہ بڑھائے۔ پیرس کے مزدور جس جس مقام پر ترقی کرکے پہنچتے گئے، اس کی نسبت سے دیکھا جائے تو ان کے مطالبے کم و بیش دھندلے بلکہ الجھے ہوئے نظر آتے ھیں۔ تاھم لے دے کے حاصل سب کا یہی نکلتا ھے کہ سرمایہ‌داروں اور مزدوروں کے درمیان طبقاتی تضاد کا خاتمہ کیا جائے۔ یہ صحیح

ہے کہ تب کسی کو خبر نہ تھی کہ طبقاتی تضاد کا یہ خاتمہ ہو تو کیوں کر ہو۔ پھر بھی خود یہ مانگ، چاہے اسے کتنے ہی بے ڈھنگے طریقے سے کیوں نہ پیش کیا گیا ہو، سماج کے موجودہ نظام کے لئے خطرے سے خالی نہیں تھی۔ اس مانگ کو پیش کرنے والے مزدور ابھی تک ہتھیاربند تھے۔ اس لئے مزدوروں سے ہتھیار رکھوا لینا اس بورژوازی کے لئے ایک غیبی حکم تھا جو اسٹیٹ کی باگ‌دوڑ سنبھالے ہوئے تھی۔ یہی سبب ہے کہ مزدوروں کے جیتے ہوئے ہر ایک انقلاب کے بعد ایک نئی کشمکش ہوتی تھی جس کا انت ہوتا تھا مزدوروں کی ہار پر۔

پہلی بار یہ واقعہ ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ پارلیمنٹ میں فریق مخالف آزاد خیال بورژوازی نے کئی ایک دعوتیں کر ڈالیں تاکہ رائے دہندگی کے حق میں اصلاحوں پر لوگوں کو راضی کیا جائے اور اس طرح اپنی پارٹی کی بالادستی پکی کرلی جائے۔ گورمنٹ سے کھینچاتانی میں انہیں زیادہ سے زیادہ مجبور ہو کر عوام سے رجوع کرنا پڑا اور رفتہ رفتہ ان لوگوں کو آگے آنے کا موقع دیتے گئے جو بورژوازی اور چھوٹی بورژوازی میں ریڈیکل اور ریپبلکن خیالات رکھتے تھے۔ مگر ان کے پیچھے انقلابی مزدور کھڑے تھے اور ۱۸۳۰ء کے بعد سے (۶۲) ان انقلابی مزدوروں نے اتنی سیاسی خودمختاری حاصل کرلی تھی جو بورژوازی تو کیا، ریپبلکنوں کے بھی گمان سے باہر تھی۔ گورمنٹ اور مخالف پارٹی میں سنکٹ پڑا تو مزدوروں نے گلی کوچوں میں ہتھیار سنبھال لئے۔ بادشاہ لوئی فلپ غائب ہو گیا اور اسی کے ساتھ رائے دہندگی کی اصلاح بھی ہوا ہو گئی۔ اس کی جگہ ایک ریپبلک اٹھنے لگی، واقعی ایسی ریپبلک جسے فتحمند مزدوروں نے خود ہی "سماجی"، ریپبلک کا رنگ ڈھنگ دیا تھا۔ کسی کے ذہن میں یہ بات صاف نہ تھی کہ اس سماجی ریپبلک کی عملی صورت کیا ہوگی، خود مزدوروں کو بھی خبر نہ تھی۔ لیکن ان کے پاس ہتھیار تھے اور ریاست میں ان کی قوت بنی ہوئی تھی۔ اس لئے جیسے ہی ان بورژوازی ریپبلکنوں نے، جن کے ہاتھ میں اختیارات تھے، اپنے پاؤں جمتے دیکھے تو سب سے پہلا نشانہ یہ تا کا کہ مزدوروں کو نہتا کیا جائے۔ یہ

موقع ایسے ہاتھ لگا کہ مزدوروں کو جون ۱۸۴۸ء کی عام شورش میں باہر نکالا گیا۔ سبب یہ ہوا کہ ان سے وعدے کی صاف خلاف‌ورزی کی گئی اور اس کھلی بےایمانی سے جو لوگ بےروزگار ہو گئے تھے انھیں دوردراز صوبے میں جلاوطن کر دینے کی ٹھانی۔ سرکارنے پہلے سے اہتمام کر رکھا تھا کہ وقت پر اس کی طاقت زبردست رہے۔ پانچ دن کی جاں‌بازانہ جنگ کے بعد مزدوروں کو شکست ہو گئی۔ اس کے بعد نہتے قیدیوں کے خون کی ایسی ہولی کھیلی گئی کہ رومی ریپبلک پر زوال لانےوالی خانہ جنگیوں کے بعد سے کبھی اتنا خون نہیں بہایا گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سرمایہ دار طبقے نے دکھا دیا کہ اگر پرولتاریہ اس کے مقابلے پر ایک علاحدہ طبقے کی حیثیت سے خود اپنے مفاد اور اپنی مانگیں لےکر اٹھنے کی جرات کرے، تو وہ پرولتاریہ سے کیسا جنونی اور بے رحمانہ انتقام لینے پر کمربستہ ہو سکتا ہے۔ پھر بھی دیکھا جائے تو ۱۸۷۱ء میں بورژوازی پر جیسا جنون سوار ہوا اس کے مقابلے میں ۱۸۴۸ء کے خونی واقعات بچوں کا کھیل معلوم ہوں گے۔

بورژوازی کو اس کی ہاتھوں ہاتھ سزا بھی مل گئی۔ اگر ابھی پرولتاریہ میں فرانس کی حکومت سنبھالنے کا دم خم نہ تھا تو بورژوازی میں بھی نہیں تھا۔ کم سے کم اس دور میں تو سرمایہ‌دار طبقہ اس قابل نہیں تھا کیوں‌کہ اس میں اکثر کے دل بادشاہی طرز حکومت میں اٹکے ہوئے تھے، وہ تین شاہی خاندان‌والی پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے (۶۳) اور چوتھی ریپبلکن پارٹی تھی۔ اندرونی چپقلش نے ایک منچلے لوئی بوناپارٹ کو یہ موقع دے دیا کہ حکم چلانے کے سارے تار، فوج، پولیس اور سرکاری انتظامی محکمے اپنے ہاتھ میں لےلے اور دوسری دسمبر ۱۸۵۱ء کو (۶۴) بورژوازی کے آخری گڑھ یعنی قومی اسمبلی کو ھی اس نے دھماکے سے اڑا دیا۔ فرانس کی دوسری سلطنت شروع ہوئی۔ یہ تھی فرانس کی لوٹ کھسوٹ سیاسی اور مالی ہاتھ مارنےوالے ایک ٹولے کے ہاتھوں۔ لیکن ساتھ ساتھ صنعتی ترقی نے بھی وہ زور باندھا کہ لوئی فلپ کے اس ٹٹ پونجیا دورحکومت میں جہاں مٹھی بھر بڑے بڑے سرمایہ‌داروں کا گروہ سفید و سیاہ کا مالک و مختار بنا ہوا تھا،

ہرگز اتنی ترقی نہیں ہو سکتی تھی۔ لوئی بوناپارٹ نے سیاسی طاقت سرمایہ‌داروں سے لی تھی اس بہانے کہ وہ بورژوازی کو مزدوروں کے فتنے سے بچائےگا اور مزدوروں کو ان سے۔ لیکن اپنی باری کو اس کی حکومت نے سٹہ‌بازی اور صنعتی سرگرمی کا زور باندھا یا مختصر یہ کہ پوری بورژوازی میں طاقت اور دولت کی ایسی روح پھونک دی جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ یہ سچ ھے کہ اس سے بھی بڑے پیمانے پر بےایمانی، بدعنوانی اور چوری کا بازار گرم ہو گیا جس کا مرکز تھا شاھی محل کہ وہ خود اس بہتی دولت میں اپنا کافی حصہ لگا لیتا تھا۔

مگر یہ دوسری سلطنت فرانس کے قومی تعصب کو ایک بھلاوا تھی، یہ ایک تقاضا تھی اس بات کا کہ پہلی سلطنت کی وھی سرحدیں بحال کی جائیں جو ۱۸۱۴ء کی شکست میں ھاتھ سے نکل گئی تھیں یا کم‌ازکم پہلی ریپبلک کی ھی سرحدیں قائم ھوں۔ ایسی فرانسیسی سلطنت جو پچھلی بادشاھت کی حدوں میں، ۱۸۱۵ء کی اس سے بھی کٹی پھٹی سرحدوں کے اندر بند ھو کر رہ جائے زیادہ عرصے چلنےوالی بات نہیں تھی۔ اسی لئے بار بار جنگوں کی اور سرحدیں پھیلانے کی نوبت آئی۔ لیکن فرانسیسی کٹر قوم‌پرستوں کے خیالوں میں جگمگانےوالی سب سے بڑی توسیع وہ تھی جو دریائے رائن کے بائیں کنارے پر جرمنوں کی طرف کی جائے۔ رائن کنارے ایک مربع میل سرحد بڑھا لینا ان کے نزدیک کوہ الپس یا کسی اور طرف دس میل بڑھ جانے سے کہیں بہتر تھا۔ جب دوسری سلطنت نصیب ھو گئی تو یہ جلد یا بدیر ھونے ھی والا تھا کہ رائن کے بائیں کنارے کی سرحد ایک دم یا آھستہ بحال کرنے کا تقاضا کر دیا جائے۔ چناں‌چہ آسٹریا اور پروشیا میں جب ۱۸۶۶ء کی جنگ چھڑی تو وہ لمحہ آپہنچا۔ بسمارک سے ”علاقوں کی تلافی“ کی جو آس تھی، اس میں دھوکا کھا کر، اور خود اپنی ضرورت سے زیادہ چالاک اور ڈانواڈول پالیسی کے ھاتھوں دغا پا کر اب لوئی بوناپارٹ کے سامنے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا، اور ۱۸۷۰ء میں جنگ کا شعلہ بھڑکا تو پہلے سیدان تک اور پھر ولہلم‌سہوئے تک اسے اپنی لپیٹ میں لے گیا۔

اس کا خمیازہ بھگتنا ھی تھا، سو ۴ ستمبر ۱۸۷۰ء کو پیرس میں انقلاب ھو گیا۔ سلطنتِ تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی اور پھر سے فرانسیسی رپبلک کا اعلان ھو گیا۔ لیکن دشمن دروازے پر دستک دے رھا تھا۔ سلطنت کی فوجیں یا تو میتز کے مقام پر بری طرح گھری ہوئی تھیں یا جرمنی میں قید پڑی تھیں۔ ایسے توڑ کے وقت جنتا نے پچھلی قانون ساز اسمبلی میں پیرس کے نمائندوں کو یہ اختیار دیا کہ وہ مل کر ''قومی بچاؤ کی حکومت،، بنالیں۔ بغیر کسی حیل حجت کے یہ بات یوں مان لی گئی کہ پیرس کے وہ تمام لوگ جو ھتھیار اٹھانے قابل تھے، نیشنل گارڈ میں اپنا نام لکھوا چکے تھے، ھتھیار سج چکے تھے، اور ان میں مزدوروں کی بڑی زبردست اکثریت ھو گئی تھی۔ لیکن جلد ھی سرکار، جو قریب قریب پوری طرح سرمایہداروں کی تھی اور ھتھیاربند پرولتاریہ کے درمیان کھلے عام ٹکر کی نوبت آگئی۔ ۳۱ اکتوبر کو مزدوروں کی بٹالینوں نے ٹاؤن ھال پر یلغار کر دی اور گورنمنٹ کے کچھ ممبروں کو نرغے میں لے لیا۔ مگر ھوا یہ کہ دغابازی سے، وعدہ کر کے گورنمنٹ کے صاف مکر جانے کی وجہ سے اور چھوٹی بورژوازی کی کچھ بٹالینوں کے بیچ میں پڑ جانے سے انھیں پھر چھوڑ دیا گیا اور اس اندیشے سے کہ اس شہر میں جو غیرملکی فوجی طاقت کے محاصرے میں پھنسا ھے، کہیں خانہ جنگی نہ پھوٹ پڑے اسی پرانی سرکار کو اپنی جگہ رھنے دیا گیا۔

آخر ۲۸ جنوری ۱۸۷۱ء کو بھوکوں مرتے پیرس نے ھتھیار ڈال دئے۔ لیکن یہ کام اس شان کے ساتھ کیا کہ جنگ کی تاریخ میں کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ قلعے حوالے کر دئے، شہر کی فصیل پر سے توپیں ھٹا لیں، چھاونی رجمنٹوں کے اور گشتی گارڈ کے ھتھیار دشمن کے سپرد کر دئے، اور خود کو جنگی قیدی شمار کرا دیا۔ لیکن نیشنل گارڈ نے اپنے ھتھیار بھی بچا لئے اور توپیں بھی — اور فاتح فوجوں کے ساتھ صرف جنگ بندی مان لی جس کے باعث وہ پیرس میں فاتحانہ شان سے داخل نہیں ھو سکیں۔ انھیں صرف اتنی جرات ھوئی کہ پیرس کے ایک چھوٹے سے گوشے میں اپنی چھاونی ڈال لیں اور جب وہ گوشہ طے ھونے لگا تو اس میں ایک حصہ عام پارکوں کا شامل کر دیا جہاں یہ

فوجیں صرف چند روز قابض رہ سکیں۔ جتنے دن یہ فاتحانہ فوج وہاں پڑی رہی، جس نے ۱۳۱ دن سے پیرس کو نرغے میں لے رکھا تھا، وہ خود ہی پیرس کے ہتھیاربند مزدوروں کے نرغے میں آگئی، جنھوں نے اس پر سخت پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی ''پروشیائی،، اس تنگ حلقے کی حد نہ پھلانگنے پائے جو غیرملکی فاتح کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اپنا ایسا نقش بٹھا دیا پیرس کے مزدوروں نے اس فوج کے دلوں پر جس فوج کے سامنے سلطنت کی تمام فوجوں نے ہتھیار ڈال دئے تھے کہ پروشیائی یونکر جو انقلاب کے گھر پر انتقام لینے آئے تھے وہ ادب سے کھڑے ہونے اور عین اسی مسلح انقلاب کو سلامی دینے پر مجبور ہو گئے۔

جب تک لڑائی چلتی رہی، پیرس کے مزدوروں کا مطالبہ صرف اس قدر تھا کہ لڑائی میں پورا زور لگا دیا جائے۔ لیکن پیرس کے ہتھیار ڈالتے ہی صلح نامے پر دستخط ہوئے (٦٥) تو نئے وزیراعظم تیئر کو یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا کہ جہاں تک پیرس کے مزدوروں کے ہاتھ میں ہتھیار رہیں‌گے، صاحب جائداد طبقوں یعنی بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ‌داروں کی عملداری مستقل خطرے میں رہےگی۔ چناں‌چہ اس نے مزدوروں سے ہتھیار رکھوا لینے کی کوشش میں پہلی کارروائی کی۔ ۱۸ مارچ کو اس نے چھاونی کی فوج کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ نیشنل گارڈ سے اس کا وہ توپخانہ چھین لیا جائے جو پیرس کے محاصرے کے زمانے میں پبلک چندوں سے بن کر تیار ہوا تھا۔ کوشش ناکام ہو گئی۔ پیرس ایک ہوکر مقابلے کے لئے اٹھا۔ ایک طرف یہ شہر، دوسری طرف وارسائی میں بیٹھی ہوئی فرانسیسی سرکار، دونوں کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ ۲۶ مارچ کو پیرس کمیون کا چناؤ ہوا اور ۲۸ مارچ کو اس نے اختیارات سنبھال لئے۔ نیشنل گارڈ کی مرکزی کمیٹی نے، جو فی‌الوقت سرکار چلا رہی تھی، پہلے تو پیرس کی بدنام زمانہ ''احتسابی پولیس،، کو توڑنے کا فرمان جاری کیا اور پھر اپنا استعفا کمیون کے حوالے کر دیا۔ ۳۰ مارچ کو کمیون نے جبری بھرتی اور صف‌بند باقاعدہ فوج دونوں کو توڑ دیا اور نیشنل گارڈ کو تنہا ہتھیاربند طاقت قرار دے دیا جس میں سارے باشندے جو ہتھیار اٹھانے قابل تھے، بھرتی کئے جانے لگے۔ اکتوبر ۱۸۷۰ء سے اپریل

۱۸۷۱ء تک رہائشی مکانوں کے سب کرائے معاف کر دئے اور جو کرائے ادا کئے جا چکے تھے انہیں پیشگی کرایہ شمار کر کے رجسٹر میں چڑھا لیا اور میونسپل محافظ خانے میں قرضے کے بدلے جو سامان گروی رکھا تھا، اس کی فروخت بالکل بند کردی۔ کمیون میں جن غیرملکیوں کا چناؤ ہوا تھا اسی دن ان کو عہدے سپرد کئے گئے کیوں کہ ''کمیون کا جھنڈا ساری دنیا کی ریپلک کا نشان تھا،،۔ پہلی اپریل کو ھی طے پایا کہ کمیون کے کسی ملازم، اور خود اس کے ممبروں کی بھی بڑی سے بڑی تنخواہ چھ ہزار فرانک (تب کے چار ہزار آٹھ سو مارک) سے زیادہ نہیں ہوگی۔ دوسرے دن کمیون نے فرمان جاری کیا کہ کلیسائی نظام (چرچ) اسٹیٹ سے بالکل الگ تھلگ رہے، سرکار کی طرف سے مذہبی کاموں کے لئے جو رقمیں دی جاتی تھیں، ان کا خاتمہ کیا، اور چرچ کی ساری جائداد قومی ملکیت قرار دے دی گئی۔ نتیجہ یہ کہ ۸ اپریل کو اسکولوں میں سے تمام مذہبی نشان، تصویریں، کلمے اور دعائیں، غرض وہ سارے تام جھام ''جن کا تعلق آدمی کے ذاتی عقیدے سے ھے،، اٹھا دینے کا حکم جاری ہوا اور رفتہ رفتہ اس کی تعمیل ہونے لگی۔ چوں کہ وارسائی کی فوج کمیون کے گرفتارشدہ حامیوں کو روز بہ روز گولی سے اڑا رہی تھی، اس کے جواب میں ۵ تاریخ کو ایک فرمان جاری ہوا کہ یرغمال کے آدمی گرفتار کر لئے جائیں لیکن اس پر آخر تک عمل نہیں کیا گیا۔ ۶ اپریل کو نیشنل گارڈ کی ۱۳۷ ویں بٹالین سزائے موت میں گردن کاٹنے کے تختے اٹھا کر لائی اور انہیں خوشی کے عام نعروں میں جلا کر بھسم کر دیا گیا۔ ۱۲ تاریخ کو کمیون نے فیصلہ کیا کہ ویندوم میدان پر جو فتح مینار ان توپوں کو گلا کر ڈھالا گیا تھا جو نپولین نے ۱۸۰۹ء کی جنگ کے بعد دشمن سے چھینی تھیں، اسے قومی تعصب اور دوسری قوموں سے نفرت کا ایک نشان سمجھ کر ڈھا دیا جائے۔ ۱۶ مئی کو اس فیصلے پر عمل ہو گیا۔ ۱۶ اپریل کو حکم نکلا کہ ان کارخانوں کا بھی کھاتہ تیار کیا جائے جن پر مالکان کارخانہ نے تالے ڈال دئے ھیں، اور ایسا بندوبست کیا جائے کہ جو مزدور ان میں پہلے کام کر رہے تھے، انھی کو یہ کارخانے چلانے

کے لئے سپرد ہوں تا کہ وہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں اکٹھے ہو کر ان کارخانوں کا انتظام کریں۔ اور یہ بھی پلان بنے کہ امداد باھمی کی ایسی تمام سوسائٹیاں ایک بڑی یونین میں منظم ہو جائیں۔ ۲۰ تاریخ کو کمیون نے بیکریوں کے لئے رات کے کام کی مناھی کر دی اور مزدوروں کے بھرتی دفتر بھی توڑ دئے جو دوسری سلطنت کے زمانے سے پولیس کے چھنٹے ہوئے گرگوں، اول نمبر کے منافع نچوڑنےوالوں نے اپنا اجارہ بنا رکھے تھے۔ یہ دفتر وھاں سے توڑ کر پیرس کی بیس محکمےوالی میونسپلٹی میں منتقل کر دیا گیا۔ ۳۰ اپریل کو حکم نکلا کہ گروی پر قرض دینےوالے تھلے اٹھادئے جائیں کیوں کہ ان میں مزدوروں کی کمائی ناجائز طریقے سے نجی ھاتھوں میں چلی جاتی ھے اور یہ اس حق کی خلاف‌ورزی ھے جو محنت کرنےوالے کو اپنے اوزار پر اور قرض کی رقم پر حاصل ھے۔ ۵ مئی کو کمیون نے حکم نافذ کیا کہ ”توبہ کا گرجاگھر،، مسمار کر دیا جائے جو لوئی شانزدھم کا سر اڑا دینے کے کفارے کے طور پر بنایا گیا تھا۔

یوں ۱۸ مارچ کے بعد سے برابر پیرس کی تحریک کا وہ طبقاتی کردار تیزی کے ساتھ اجاگر ھوتا چلا گیا جو غیرملکی حملہ‌آوروں سے لڑائی چلنے کے کارن پہلے نظروں سے اوجھل ھو گیا تھا۔ چوں کہ کمیون میں خود مزدور بیٹھے تھے یا مزدوروں کے مانے ہوئے نمائندے، اس لئے جتنے بھی فیصلے ہوئے ان کا کردار قطعی طور سے پرولتاری تھا۔ یا تو ان فیصلوں کے ذریعے ان اصلاحات کو نافذ کیا گیا جنھیں ریپبلکن خیالات کی بورژوازی محض بزدلی کے مارے پاس کرنے سے رہ گئی تھی، حالاں کہ مزدور طبقے کی آزادانہ سرگرمی کے لئے ان اصلاحوں کا نفاذ ایک لازمی بنیاد بنتا۔ مثلاً اس اصول کی تعمیل کہ ریاست کے تعلق سے مذھب صرف ایک ذاتی معاملہ ھوتا ھے۔ یا پھر کمیون نے ایسے احکام نافذ کئے جو مزدور طبقے کا مفاد سیدھے سیدھے پورا کرتے تھے اور کسی نہ کسی حد تک سماج کے پرانے نظام میں اندر تک شگاف ڈالنے والے تھے۔ لیکن ایک ایسے شہر کے اندر جو دشمن کے نرغے میں ھو زیادہ سے زیادہ اتنا ھی ممکن تھا کہ ان تمام باتوں کو عملی جامہ پہنانے کی شروعات کر دی جائے۔ اور مئی کے شروع سے کمیون کی

ساری طاقت اس لڑائی میں کھپنے لگی جو وارسائی والی حکومت کی ان فوجوں سے لڑنی تھی جن کے ٹھٹھ برابر لگتے چلے جا رہے تھے۔

۷ اپریل کو وارسائی کی فوجوں نے پیرس کے مغربی مورچے پر نیئی کے نزدیک دریائے سین کے آرپار قبضہ کر لیا۔ مگر دوسری طرف گیارہ تاریخ کو جنوبی مورچے پر ایک حملے میں جنرل یودے (Eudes) کے ہاتھوں انھیں بھاری نقصان اٹھاکر پیچھے ہٹنا پڑا۔ پیرس پر اب مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی وہ بھی ان لوگوں کی طرف سے جو اسی شہر پر پہلے پروشیا کی گولہ‌باری کو مذہبی جرم قرار دے کر لعنت بھیج چکے تھے۔ انھی لوگوں نے پروشیائی حکومت سے درخواست پر درخواست کی کہ سیدان اور میتز کے (٦٦) مقاموں پر قید ہونے‌والے فرانسیسی فوجیوں کو جلدی سے واپس بھیجا جائے تاکہ وہ پیرس کو ان کی خاطر پھر چھین سکیں۔ ان فوجوں کی رفتہ رفتہ واپسی نے وارسائی حکومت کا فوجی پلہ مئی کے شروع میں بھاری کر دیا۔ یہ بات ۲۳ اپریل کو ہی کھل کر سامنے آ گئی جب صدر حکومت تیئر نے کمیون کی تجویز سے قیدیوں کے اس تبادلے کی بات چیت توڑ دی جس کے مطابق پیرس کے بڑے پادری (جارج دربوئی) اور بہت سے دوسرے پادریوں کو جنھیں یرغمال کے طور پر شہر میں رکھا گیا تھا، صرف ایک لیڈر بلانکی کے بدلے میں چھوڑنا تھا۔ یہ بلانکی دوبار کمیون کا ممبر چنا جا چکا تھا لیکن ابھی تک کلیروو کے جیل خانے میں پڑا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ بات ظاہر ہوئی تیئر کے بدلے ہوئے لب و لہجہ سے۔ پہلے وہ گول مول اور مذبذب سی زبان میں بولا کرتا تھا مگر اب گستاخی، ڈانٹ ڈپٹ اور حیوانیت پر اتر آیا۔ وارسائی حکومت کی فوج نے جنوبی مورچے پر ۳ مئی کو مولیں — ساکے کا قلعہ چھین لیا، ۹ مئی کو فورٹ یسی پر قبضہ ہوا جو توپوں کی مار میں پہلے ہی ڈھیر ہو چکا تھا اور ۱۴ تاریخ کو فورٹ وانو ان کے ہاتھ آ گیا۔ مغربی مورچے پر یہ فوجی دستے شہر کی فصیل تک پھیلے بہت سے دیہات اور عمارتوں پر قبضہ کرتے ہوئے دھیرے دھیرے بڑھ کر بچاؤ کے خاص خاص ٹھکانوں تک پہنچ گئے۔ ۲۱ مئی کو اس مورچے پر غداری اور نیشنل گارڈ کی بے فکری کی بدولت وہ شہر کے اندر

گھس پڑنے میں کامیاب ہوگئے - پروشیائی جن کے پاس شمالی اور مشرقی قلعے تھے، انھوں نے وارسائی کے فوجیوں کو شہر کے شمال‌والا حصہ پار کرکے اندر بڑھنے کا موقع دے دیا جو جنگ‌بندی کی رو سے ان کے لئے ممنوعہ علاقہ تھا اور اس طرح انقلاب دشمن فوج کو دور تک پھیلے ہوئے اس محاذ پر آگے بڑھ آنے کا پورا موقع مل گیا جس کو پیرس والے سمجھتے تھے کہ جنگ بندی کے معاہدے کی رو سے یہ راستہ بند ہے اور اسی لئے حفاظت کا بندوبست کم رکھا تھا - اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیرس کے مغربی حصے میں جو خاص شہر کے اندر آسائشی علاقہ تھا، کمزور سا مقابلہ ہوا، البتہ پیش‌قدمی کرتی ہوئی فوج مشرقی حصے کی طرف جتنی بڑھتی گئی، مقابلہ اتنا ہی جاندار ہونے لگا اور ڈٹ کر اس کا سامنا کیا گیا - یہ خاص شہر کے اندر مزدور طبقے کا علاقہ تھا - آٹھ دن کے لگاتار خونی معرکوں کے بعد کمیون کے آخری محافظ بیلویل اور مینل‌ماں‌تاں کی چڑھائیوں پر ڈھے گئے - اس کے بعد نہتے مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام، جو ہفتہ بھر سے برابر بڑھتا جا رہا تھا، اپنی انتہا کو پہنچ گیا - چونکہ توڑے دار بندوقوں سے جلدی جلدی لوگوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا جا سکتا تھا اس لئے ہارے ہوئے فریق کو سیکڑوں کی تعداد میں مترالیوز (ہلکی توپ) کی باڑھ مارکر ٹھنڈا کر دیا گیا - پیرلاشیز کے قبرستان میں ''فیڈرلوں کی دیوار،، * جہاں آخری قتل عام ہوا تھا، آج بھی کھڑی ہوئی زبان خاموشی سے گواہی دے رہی ہے کہ مزدور طبقہ اپنے حق کے لئے میدان میں اترے تو حاکم طبقے کے سر پر کیسا خون سوار ہو جاتا ہے - آخر جب دیکھا کہ سب کو چن چن کر ذبح کرنا ممکن نہیں تو اندادھند عام گرفتاریوں کا، قیدیوں میں سے آنکھ بند کرکے چنے ہوئے لوگوں کو گولی سے اڑا دینے کا، اور باقی کو ان کیمپوں میں ڈھکیل دینے کا بازار گرم ہوا جہاں سے انھیں فوجی عدالت کے سامنے ملزم کی طرح پیش ہونا تھا - پروشیائی فوج جو شہر کا آدھا شمالی مشرقی حصہ گھیرے پڑی تھی، اسے آرڈر ملا کہ

---

* جسے آجکل ''کمیون‌والوں کی دیوار،، کہتے ہیں - (ایڈیٹر)

ادھر سے کوئی جان بچا کر بھاگنے نہ پائے۔ لیکن جب عام فوجی اپنے ھائی کمان کا حکم سننے کے بجائے انسانیت کی پکار پر کان دھرتے تو پروشیائی افسر دیکھی ان دیکھی کر دیا کرتے تھے۔ سیکسن فوجی دستوں کو خاص طور سے شاباش ملنی چاھئے کہ انھوں نے بڑی انسانیت سے کام لیا اور ایسے بہت سے لوگوں کو نکل جانے دیا جو صاف صاف کمیون پر جان چھڑک رھے تھے۔

* * *

آج ھم بیس سال بعد جب ۱۸۷۱ء کے پیرس کمیون کی سرگرمی اور اس کی تاریخی اھمیت پر پلٹ کر نظر ڈال رھے ھیں تو ضروری معلوم ھوتا ھے کہ ''فرانس میں خانہ جنگی،، والے مضمون کے بیان میں کچھ اور اضافے بھی کرتے چلیں۔

کمیون کے ممبر اکثریت اور اقلیت میں بٹے ھوئے تھے: بلانکی کے حامی اکثریت ھونے کے علاوہ نیشنل گارڈ کی مرکزی کمیٹی پر بھی حاوی تھے اور انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن کے ممبر اقلیت میں تھے، جن میں زیادہ‌تر سوشلزم کے پرودھوں والے نظرئے کو مانتے تھے۔ بلانکی کے حامیوں کی بڑی اکثریت اس وقت اتنی ھی اشتراکی تھی کہ ان میں انقلابی پرولتاری جذبہ تھا۔ ان میں صرف تھوڑے سے لوگوں نے وائیان (Vaillant) کے ذریعے، جسے خود جرمن سائنٹفک سوشلزم کی خبر تھی، اصولوں کی اچھی سوجھ بوجھ پیدا کی تھی۔ اس لئے یہ بات سمجھ میں آنے‌والی ھے کہ معاشی دائرے میں ایسے بہت سے کام ھونے سے رہ گئے جو آج ھم سوچتے ھیں کہ پیرس کمیون کو کر دینے چاھئے تھے۔ جو بات کسی طرح گلے نہیں اترتی وہ یہ کہ بینک آف فرانس کے پھاٹک کے سامنے سر جھکا کر ادب کے ساتھ کھڑے کیوں رہ گئے؟ یہ ایک گمبھیر سیاسی غلطی تھی۔ پورا بینک اور کمیون کے ھاتھ میں ھو، یہ ایک ھی بات یرغمال میں رکھے ھوئے دس ھزار آدمیوں کے برابر بھاری پڑتی۔ اگر ایسا ھو جاتا تو پوری فرانسیسی بورژوازی وارسائی حکومت پر دباؤ ڈال کر کہتی کہ کمیون سے صلح کرلو۔ تاھم بلانکی اور پرودھوں دونوں مختلف خیالات‌والوں کی شرکت کے

باوجود کمیون نے جتنی کچھ صحیح کارروائی کی، وہ بھی بڑے کمال کی بات ہے۔ قدرتی امر ہے کہ کمیون کی طرف سے جو معاشی احکام جاری ہوئے اپنی خوبیوں اور خامیوں دونوں میں ان کا سہرا بڑی حد تک پرودھوں والوں کے سر ہے۔ اور بلانکی‌والوں پر سیاسی کارگزاری اور کوتاہی کی ذمہ‌داری جاتی ہے۔ اور ایسے موقعوں پر جب طاقت ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائے جو نظرئے کے پرستار ہوں، جیسا ہوتا آیا ہے، یہاں بھی تاریخ نے مذاق کیا کہ دونوں نے ہی اپنے مکتب فکر کی تعلیم کے بالکل برخلاف عمل کر کے دکھایا۔

چھوٹے کسانوں اور استاد کاریگروں کے ترجمان سوشلسٹ پرودھوں کو انجمن‌سازی سے کھلی نفرت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ انجمن بنانے میں اتنی اچھائی نہیں جتنی برائی ہے۔ وہ اپنی فطرت سے صرف لاحاصل ہی نہیں بلکہ نقصان دہ بھی ہے کیوں‌کہ وہ مزدور کی آزادی پر ایک بندھن ہو جاتی ہے؛ وہ محض ایک اندھ وشواس ہے، پھل کچھ نہیں، اور مفت کا بوجھ، جس کا مزدور کی آزادی سے بھی اتنا ہی ٹکراؤ ہوگا جتنا محنت کی کفایت کو نقصان پہنچے گا؛ فائدوں کے مقابلے میں اس کے نقصانات کہیں تیزی سے دوگنے چوگنے ہو جاتے ہیں اور اگر موازنہ کیا جائے تو کھلا مقابلہ، محنت کی تقسیم اور پرائیویٹ ملکیت کارآمد معاشی طاقتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پرودھوں کے بقول صرف خاص خاص موقعے ایسے ہیں بڑی صنعت اور بڑے کاروبار کے، جیسے ریلیں کہ ان میں مزدوروں کی انجمنیں ہونا مناسب رہتا ہے (ملاحظہ ہو: ''انقلاب کا عام خیال،، (۹۷)، تیسرا خاکہ)۔

۱۸۷۱ء کے قریب نازک دستکاریوں کے مرکز پیرس تک میں بڑے پیمانے کی صنعت اتنی پھیل چکی تھی کہ وہ خاص موقع نہیں رہ گئی تھی اور کمیون کی طرف سے جو نہایت ہی اہم حکم جاری ہوا اس نے بڑی صنعت کی تنظیم قائم کی اور تنظیم بھی کیسی کہ ایک ایک کارخانے میں مال بنانے والوں کی انجمن نہیں، بلکہ ان سب کو ملا کر ایک بڑی انجمن میں جوڑنے‌والی تنظیم، مختصر یہ کہ ایسی تنظیم جس کے متعلق مارکس نے اپنے مضمون ''خانہ جنگی،، میں سچ کہا ہے

کہ چلتی تو آخر میں کمیونزم تک پہنچاکر دم لیتی — اسے یوں کہئے کہ پرودھوں نے اپنے نظرئے اور ایمان کے برخلاف عمل کیا۔ چنان چہ اس کمیون میں پرودھوں والے سوشلزم کی قبر بن گئی۔ آج یہ طرز فکر فرانس کے مزدور طبقے کے حلقوں میں بالکل ناپید ہے۔ اب یہاں، ''امکانیوں،، (۶۸) کے درمیان بھی مارکس کا نظریہ اتنا ہی چھا گیا ہے جتنا خود مارکسیوں میں۔ البتہ تیزخیال (radical) بورژوازی میں پرودھوں کے ماننے والے مل جاتے ہیں۔

بلانکی والوں کا بھی کچھ یہی حال ہوا۔ ان کی اٹھان سازش کی تعلیم گاہ میں ہوئی تھی اور سازش کے ساتھ جو سخت ڈسپلن چلتا ہے وہی ان کو جوڑے ہوئے تھا۔ وہ یہ سمجھے تھے کہ پکے ارادے کے، خوب مضبوطی سے منظم کئے ہوئے کسی قدر تھوڑے لوگوں کا گروہ مناسب وقت آنے پر نہ صرف یہ کہ معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے قابل ہو جائے گا بلکہ اپنے انتھک اور بےلوچ دم خم سے کام لے کر اس وقت تک حکومت سنبھالے رہے گا جب تک کہ جنتا میں روح پھونک کر انقلاب کے ہنگامے میں نہ کھینچ لائے اور پھر یہ انقلابی ہجوم لیڈروں کی چھوٹی سی ٹولی کے گرد سمٹ آئے گا۔ اس کا اول تقاضا یہ تھا کہ تمام اختیارات نہایت سختی اور ڈکٹیٹری کے ساتھ نئی انقلابی حکومت کے ہاتھ میں دے دئے جائیں۔ جب کمیون قائم ہوا اور اس میں انھی بلانکی والوں کی اکثریت بنی تھی تو کمیون نے کیا کرکے دکھایا؟ باہر صوبوں میں فرانسیسیوں کے نام جتنے اعلان شائع کئے ان میں یہ اپیل کی کہ ملک میں جتنے کمیون بنتے ہیں ان سب کا پیرس کمیون کے ساتھ آزادانہ فیڈریشن بنایا جائے، ایک قومی تنظیم بنے جو حقیقت میں پہلی بار خود قوم کے ہاتھوں بننی تھی۔ پہلے سے مرکزیت لئے ہوئے ایک استبدادی عملداری، فوج، سیاسی پولیس اور سرکاری عملے کے ساتھ چلی آرہی تھی جسے ۱۷۹۸ء میں نپولین نے جمایا تھا اور بعد میں جو بھی نئی حکومت آتی وہ اسے بڑی خوشی سے کام کا ایک اوزار سمجھ کر اپنا لیتی اور اپنے حریفوں کے خلاف استعمال کیا کرتی تھی۔ یہی تھی وہ عملداری جسے پیرس کی طرح اور سب جگہوں پر بھی ٹوٹ پھوٹ کر ہٹ جانا تھا۔

شروع سے کمیون کو یہ مان لینا پڑا کہ جب مزدور طبقے کے ھاتھ میں ایک بار اختیارات آ گئے تو ممکن نہیں کہ وہ اسی پرانی سرکاری مشین سے کام لیتا رھے - جو برتری کی حیثیت اس طبقے نے چھین کر حاصل کی ھے، کہیں یہ پھر نہ جاتی رھے، اس کے لئے ضروری ھے کہ ایک طرف تو اس پرانی مشینری سے نجات پائی جائے جو زور زبردستی سے کام لیتی تھی اور خود مزدور طبقے کے خلاف ھی استعمال کی جاتی تھی، اور دوسری طرف اپنے ھی مقرر کئے ھوئے نمائندوں اور عہدہ‌داروں سے بچاؤ کی یہ صورت رکھی جائے کہ بلا رعایت ھر ایک کو ممبری یا عہدے سے ھٹا دینے کا اختیار ھر وقت حاصل رھے - پہلے کی حکومت کی خاصیت کیا تھی؟ سماج نے شروع میں کارگزاری کے الگ الگ خانے بنا کر اپنے دست و بازو یا خاص ادارے تیار کئے تا کہ وہ اس کے مفادوں کی نگرانی رکھیں - لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ادارے یا محکمے، جن کے سر پر خود سرکاری اقتدار کھڑا تھا، اپنی ذاتی مصلحتیں پوری کرنے کی خاطر، سماج کے خدمت‌گزار ھونے کے بجائے سماج کے آقا بنتے چلے گئے - یہ بات مثال کے طور پر صرف موروثی بادشاھی میں نہیں بلکہ جمہوری رپبلک میں بھی اسی طرح نظر آتی ھے - شمالی امریکہ کو لیجئے جہاں ''سیاست دانوں'' نے خود کو قوم کا ایک ایسا الگ تھلگ اور طاقتور حصہ بنا لیا ھے جو اور کہیں نہ ھوگا - وھاں دونوں بڑی سیاسی پارٹیاں جن میں سے کوئی ایک برسر اقتدار ھوتی ھے، ایسے لوگوں کے قبضۂ قدرت میں رھتی ھیں جنھوں نے سیاست کو اپنا کاروبار بنا رکھا ھے اور شمالی امریکی یونین کی اور الگ الگ ریاستوں کی قانون ساز اسمبلیوں میں نشستیں دلانے کا بازار بھاؤ ھاتھ میں رکھتے ھیں یا اپنی اپنی پارٹی کے لئے ایجی‌ٹیشن کر کے روزی کماتے اور پارٹی کے جیتنے پر اس کا انعام وصول کیا کرتے ھیں - مشہور بات ھے کہ پچھلے تیس سال سے امریکہ‌والے کوشش میں ھیں کہ اس بلا کو اپنے سر سے اتاریں جو ناقابل برداشت ھو چکی ھے، لیکن سارے جتن کرلینے کے باوجود وہ بدعنوانی کی اس دلدل میں اور دھنستے جا رھے ھیں - خاص امریکہ میں یہ منظر آنکھوں کے سامنے ھے کہ سرکاری اقتدار اپنے آپ کو اسی

سماج سے الگ ایک وجود بنانے کا عمل کیوں کر اختیار کرتا ہے جس سماج کا شروع میں اسے ایک آلۂ کار بنانا سوچا گیا تھا۔ یہاں نہ تو کوئی پشتینی بادشاہی ہے، نہ اسیردرباردار، اور مقامی انڈین آبادی پر نگرانی رکھنےوالے مٹھی بھر سپاہیوں کے علاوہ نہ کوئی باقاعدہ فوج ہے، نہ سرکاری نوکریاں اور مستقل عہدے اور نہ پنشن کا حق۔ پھر بھی دیکھئے تو دو بڑے گروہ ہیں سیاسی بولی لگانےوالوں کے جو باری باری سرکاری اقتدار اپنی مٹھی میں لیتے رہتے ہیں اور بہت گرے ہوئے ہتھکنڈوں سے اور نہایت گندی غرضوں کے لئے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن پوری قوم سیاست‌دانوں کے ان دو بڑے کارٹلوں کے آگے بالکل بےبس ہے، جو بظاہر قوم کے خادم لیکن اصل میں خدمت لینے اور اسے ٹھگنے والے ہیں۔

سرکار اور سرکاری اداروں یا محکموں کے اس طرح سماج کے خدمت‌گزار بننے کے بجائے اس کے مالک بن بیٹھنے کی جو یہ کایاکلپ ہوتی ہے، جو پہلے کی تمام سرکاروں میں بہرحال چلتی رہی، کمیون نے اسی کا توڑ کرنے کے لئے دو بےخطا تدبیریں اختیار کیں۔ اول تو یہ کہ اس نے سارے عہدے، چاہے وہ انتظامی ہوں، عدالتی یا تعلیمی، تمام لوگوں کے ووٹ سے انتخابی کر دئے اور ووٹ دینےوالوں کو یہ بھی اختیار دیا کہ جب چاہیں، مقررہ عہدہ‌دار کو ہٹا دیں۔ دوسرے یہ کہ تمام عہدہ‌داروں کی تنخواہ، چاہے وہ اونچے ہوں یا نیچے، وہی رکھی جو مزدوروں کو ملتی۔ کمیون نے بڑی سے بڑی تنخواہ چھ ہزار مارک مقرر کی تھی۔ اس طرح عہدے تاکنے اور نوکریوں کی سیڑھی چڑھ جانے کے راستے میں ایک کارگر رکاوٹ کھڑی کر دی۔ اوپر سے یہ بندش بھی بڑھا دی کہ نمائندہ اداروں میں جو لوگ چناؤ کے راستے پہنچیں وہ اپنے حلقے کی مرضی کے پابند رہیں گے۔

پہلے کی سرکاری طاقت کا یوں پرزے اڑنا (Sprengung) اور نئی اور صحیح معنوں میں جمہوری طاقت کا اس کی جگہ لینا ''خانہ‌جنگی،، کے تیسرے حصے میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ لیکن یہاں بھی اس کے بعض پہلوؤں کا مختصر تذکرہ ضروری تھا کیوں کہ جرمنی میں

خاص کر اسٹیٹ پر ایک غیبی عقیدہ فلسفے سے ہوتا ہوا دل و دماغ میں بیٹھ گیا ہے اور صرف بورژوازی کے نہیں بلکہ بہت سے مزدوروں کے دلوں میں بھی اس نے جگہ بنا لی ہے۔ فلسفیانہ تصور کہتا ہے کہ اسٹیٹ ''خیال کا عملی جامہ پہننا،، ہے یا زمین پر ''حکومت انہیہ،، ہے جسے فلسفے کے لفظوں میں یوں کہیں‌گے کہ وہ دائرہ جس میں ابدی سچائی یا انصاف کا بول بالا ہوتا ہے یا ہونا چاہئے۔ یہیں سے وہ غیبی عقیدہ بنتا ہے جس سے اسٹیٹ کے اور اس کے متعلقات کے سامنے لوگوں کے سر جھک جاتے ہیں۔ وہ اور بھی جڑ پکڑ لیتا ہے کیوں کہ لوگوں کے تخیل میں بچپن سے یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ پورے سماج کے مشترکہ معاملات اور مصلحتوں کا خیال رکھنے کی بس وہی ایک صورت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے یعنی اسٹیٹ یا سرکار اور اس کے بڑی بڑی تنخواہیں پانے‌والے عہدے‌داروں کے ذریعے ہی یہ دیکھ بھال ہو سکتی ہے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ موروثی بادشاہی پر سے اپنا عقیدہ ہٹاکر اور جمہوری ریپبلک پر ایمان لاکر انہوں نے بہت ہی غیرمعمولی دلیری کا قدم اٹھایا ہے۔ سچ پوچھئے تو اسٹیٹ محض ایک مشین ہے جسے ایک طبقہ دوسرے طبقے کو اپنے دباؤ میں رکھنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور یہ عمل جیسا بادشاہی دور میں تھا ویسا ہی جمہوری ریپبلک میں ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہ پرولتاریہ اپنے طبقے کے حاوی ہو جانے کی جنگ جیتنے کے بعد بھی اس برائی کو اگلوں کی وراثت میں پائے‌گا تو جیسا کہ کمیون نے کیا، فتحمند پرولتاریہ کو بھی کرنا ہوگا کہ اس وراثت کے بدترین پہلوؤں کو جتنا جلد ممکن ہو، چھانٹ‌کر نکال پھینکے اور باقی اس وقت تک چلتا رہے جب تک کہ وہ نسل پروان نہ چڑھے جو نئے آزادانہ سماجی حالات میں پلی ہو اور ریاست کے پورے کاٹھ‌کباڑ کو اٹھاکر کوڑے کے ڈھیر میں پھینکنے قابل نہ ہو جائے۔

ادھر کچھ عرصے سے سوشل ڈیموکریٹک (سماجی جمہوریت پسند) کم ظرفوں (٦٩) کے دلوں میں پرولتاری ڈکٹیٹری کے لفظ سے دھشت بیٹھنے

لگی ہے ۔ اچھا تو جناب‌والا، کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ پرولتاری ڈکٹیٹری کیسی ہوتی ہے؟ پیرس کمیون ملاحظہ فرمائیے — یہی تھی پرولتاری ڈکٹیٹری ۔

لندن، پیرس کمیون کی ۲۰ ویں سالگرہ کے موقع پر، ۱۸ مارچ ۱۸۹۱ء

ف ۔ اینگلس

رسالے «Die Neue Zeit» Bd. 2, №28, 1890—1891 اور Marx, «Der Bürgerkrieg in Frankreich». Berlin, 1891 میں شائع ہوا۔

اصل مسودے کے مطابق شائع کیا گیا۔

فرانس اور پروشیا کی جنگ پر پہلا خط جو انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی ایشن کی جنرل کونسل نے بھیجا*

یورپ اور امریکہ میں ایسوسی ایشن کے ممبروں کے نام

انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی ایشن کے نومبر ۱۸۶۴ء والے ''تاسیسی مینی فسٹو،، میں ہم نے کہا تھا کہ: ''محنت کش طبقوں کے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے اگر ضروری ہے کہ ان میں برادرانہ ہم آہنگی ہو تو وہ اپنے اس شاندار مشن کو اس خارجہ پالیسی کے ہوتے ہوئے کیوں کر پورا کر سکتے ہیں جس کی نیت میں فتور ہو، اور جو قومی تعصب بھڑکا کر لوگوں کا لہو اور دھن دولت غارت گری کی جنگ میں بہا دینے پر تلی ہو؟،، انٹرنیشنل جس خارجہ پالیسی کو مانتا ہے، اس کی تعریف ہم نے ان لفظوں میں کی تھی ''اخلاقی برتاؤ اور انصاف کے وہی سیدھے سادے اصول جو افراد کے ذاتی بیوہار میں برتے جانے چاہئیں، قوموں کے باہمی معاملات میں بھی انہی کو حرف آخر سمجھ کر اختیار کیا جائے،،۔

کچھ تعجب کی بات نہیں کہ لوئی بوناپارٹ، وہ شخص جس نے فرانس میں طبقوں کے درمیان لڑائی سے فائدہ اٹھا کر طاقت ہتھیالی، اور

وقتاً فوقتاً دوسرے ملکوں سے جنگ چھیڑ کر اس طاقت کو مٹھی میں رکھے ہوئے تھا، پہلے دن سے ھی انٹرنیشنل کو ایک خطرناک دشمن شمار کر رھا ھے۔ عین اس وقت جب عام رائے شماری ہونےوالی تھی (۷۱)، اس نے انٹرنیشنل کی انتظامی کمیٹیوں کے ممبروں پر سارے فرانس میں چھاپے مارنے کا حکم دے دیا، پیرس، لیون، روآن، مارسیلز، بریست وغیرہ میں چھاپے مارے گئے اور بہانہ یہ کہ انٹرنیشنل ایک خفیہ سوسائٹی ھے جو اسے قتل کرنے کی سازش میں لگی ھے۔ یہ ایسا جھوٹا بہانہ تھا کہ خود اسی کے ججوں نے تھوڑے دن بعد اس کے بےتکے پن کی قلعی کھول دی۔ انٹرنیشنل کی فرانسیسی شاخوں کا اصلی جرم کیا تھا؟ انھوں نے فرانسیسیوں سے ڈنکے کی چوٹ زور دے کر یہ کہا کہ رائےشماری میں ووٹ دینا ملک کے اندر من مانی حکومت اور ملک کے باھر جنگوں کے حق میں ووٹ دینا ھے۔ انھی کی کوششوں کا ثمرہ تھا کہ فرانس کے تمام بڑے بڑے شہروں اور صنعتی مرکزوں میں مزدور طبقہ ایک ھوکر اٹھا اور اس نے رائے شماری کو ٹھکرا دیا۔ بدقسمتی سے دیہاتی حلقوں میں جہالت کے بوجھ نے ترازو کا پلہ دوسری طرف جھکا دیا۔ یورپ کے اسٹاک اکس‌چینجوں نے، وزارتوں نے، حاکم طبقوں نے اور اخبارات نے رائے شماری پر خوب بغلیں بجائیں کہ یہ فرانس کے مزدور طبقے پر فرانسیسی شہنشاہ کی شاندار فتح ھے، حالاں‌کہ یہ ایک اشارہ تھا کسی ایک آدمی کے گلے پر نہیں، بلکہ قوموں کے گلے پر چھری پھیر دینے کا اشارہ۔

جولائی ۱۸۷۰ء میں جنگ چھیڑنے کی سازش (۷۲) دسمبر ۱۸۵۱ء میں حکومت کا تختہ الٹنے (coup d'état) کا دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن تھی، اور کچھ نہیں۔ پہلی نظر میں یہ بات اتنی واھیات معلوم ھوتی تھی کہ جنگ کے چرچے پر فرانس نے شروع میں کان ھی نہیں دھرے۔ بلکہ اس ممبر* کی بات کو زیادہ قابل اعتبار سمجھا جس نے کہا تھا کہ وزیروں کی جنگی دھواں دھار تقریریں شیئربازار کو جھانسا دینے

* ژیول فاور۔ (ایڈیٹر)

کے لئے ہیں۔ آخر ۱۵ جولائی کا دن آیا جب قانون ساز اسمبلی کے سامنے جنگ کا سرکاری اعلان کیا گیا تو پورے فریق مخالف نے ابتدائی خرچوں کی منظوری دینے سے صاف انکار کر دیا۔ تیئر تک نے اس جنگ کو ''ناگوار،، کہا اور پیرس کے تمام آزاد اخباروں نے اس کی مذمت کی۔ کمال تو یہ ہوا کہ صوبائی اخباروں تک نے قریب قریب اتفاق رائے سے جنگ کی مخالفت کی۔

اس عرصے میں انٹرنیشنل کے پیرس والے ممبر پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ ۱۲ جولائی کے «Réveil» (۷۳) میں ''تمام قوموں کے محنت کشوں کے نام،، انھوں نے اپنا مینی‌فسٹو شائع کیا جس کے بعض اقتباس ہم یہاں دے رہے ہیں:

''یورپی توازن کے نام پر اور قومی عزت کا واسطہ دے‌کر سیاسی امنگوں نے پھر دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اسپین کے محنت کرنے‌والو! آؤ، ہم سب آواز میں ملا‌کر جنگ کے خلاف مذمت کا نعرہ لگائیں!.. اپنا رتبہ اونچا رکھنے کی خاطر، یا کسی شاہی خاندان کے حق کے لئے جنگ کرنا مزدوروں کی نظر میں ایک احمقانہ جرم کے سوا کچھ نہیں۔ ہم لوگ، جو امن، روزگار اور آزادی کے حامی ہیں، ہم ایسے لوگوں کے جنگی طنطنے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں جنھوں نے خود کو ''خون کے ٹیکس،، سے بری سمجھ رکھا ہے اور جن کے لئے سماج کی مصیبت صرف ایک سرچشمہ ہے نئی سٹہ‌بازی کا!.. جرمن بھائیو، اگر ہم میں پھوٹ پڑی تو اس کا خمیازہ یہ بھگتنا پڑے‌گا کہ دریائے رائن کے دونوں کناروں پر من‌مانی حکمرانی پوری طرح قدم جمالے... تمام ملکوں کے محنت‌کشو! چاہے فی‌الحال ہماری مشترکہ کوششوں کا کوئی بھی نتیجہ نکلے لیکن ہم، انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کے ممبر، جن کے نزدیک ریاستی سرحدوں کا

کوئی وجود نہیں، ہم آپ کو اپنے اٹوٹ برادرانہ رشتے کی نشانی سمجھ کر فرانس کے مزدوروں کی طرف سے دلی تمنائیں اور سلام بھیجتے ہیں۔،،

ہماری پیرس کی شاخوں کے اس مینی‌فسٹو کے بعد اسی طرح کے کئی فرانسیسی اعلان نکلے جن میں سے یہاں صرف ایک نیئی سیورسین صوبے کے اعلان کا حوالہ دے سکتے ہیں جو اخبار «Marseillaise» (۷۴) میں ۲۲ جولائی کو شائع ہوا تھا۔

،،کیا یہ جنگ برحق ہے؟ نہیں۔ کیا یہ جنگ قومی ہے؟ نہیں۔ یہ جنگ محض موروثی بادشاہی کی ہے۔ انسانیت کا، جمہوریت کا اور فرانس کے سچے مفاد کا واسطہ دے کر ہم لوگ، جنگ کے خلاف انٹرنیشنل کے احتجاج سے پوری یک دلی اور قوت کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔،،

ان احتجاجوں نے فرانسیسی محنت کشوں کے صحیح جذبات ظاہر کئے تھے اور بہت دن نہ گزرنے پائے کہ ایک عجیب و غریب اتفاق سے یہ بات ثابت ہو گئی۔ ہوا یہ کہ دس دسمبروالوں کی ٹولی (۷۵) کو، جو شروع میں لوئی بوناپارٹ کی ریپبلکن صدارت کے سائے میں تیار ہوئی تھی، مزدوروں کی کرتی پہنا کر جب پیرس کی سڑکوں پر نکالا گیا کہ اپنے کرتبوں سے لوگوں کا جنگی موڈ دکھا دیں تو پاس کی بستیوں کے اصلی مزدوروں نے امن کے حق میں ایسے زبردست جلوس نکالے کہ پولیس پریفیکٹ پیئتری نے اسی میں خیریت سمجھی کہ سڑکوں کی اس سیاست کا سلسلہ فوراً بند کر دے اور اس نے یہ کہہ کر مظاہرے روک دئیے کہ پیرس کے اصلی باشندوں نے اپنے وطنی جوش و خروش کا اور جنگی غیظ و غضب کا جتنا مظاہرہ کر لیا، بس وہی کافی ہے۔

پروشیا کے ساتھ لوئی بوناپارٹ کی جنگ چاہے کسی کل بیٹھے مگر پیرس میں تو دوسری شہنشاہی کی موت کی گھنٹی بج چکی۔ یہ دوسری شہنشاہی جس گھٹیا سوانگ سے شروع ہوئی تھی اسی پر ختم بھی ہونی ہے۔ تاہم بھولنے کی بات نہیں کہ یہ یورپ کی حکومتیں اور حاکم

طبقے ہی ہیں جنھوں نے لوئی بوناپارٹ کو اٹھارہ سال سے بانس پر چڑھا کر پھر سے جمائی ہوئی شہنشاہی کا بے درد تماشا کرایا تھا۔

رہا جرمنی کا معاملہ، تو اس کے لئے یہ اپنے بچاؤ کی جنگ ہے۔ مگر کون ہے جس نے جرمنی کو اپنے بچاؤ پر مجبور کیا؟ کس نے لوئی بوناپارٹ کو اس قابل کیا کہ وہ جرمنی پر ہتھیار اٹھائے؟ پروشیا نے۔ وہ بسمارک ہے جس نے اس شخص لوئی بوناپارٹ سے سانٹھ گانٹھ کرکے یہ قدم اٹھوایا تاکہ اپنے ملک پروشیا میں جمہوری مخالفت کو کچل ڈالے اور جرمنی کو ہوہینزولرن کی سوروثی بادشاہت میں جوڑ لے۔ اگر جرمنی سادووا کے مقام پر جنگ جیتنے کے بجائے ہار گیا ہوتا تو فرانسیسی بٹالینیں پروشیا کے حلیف کی حیثیت سے جرمنی کو روندتی ہوئی بڑھ جاتیں۔ کیا پروشیا نے اپنی فتح کے بعد ایک لمحے کو بھی یہ سوچا کہ دبے ہوئے فرانس کے مقابلے پر آزاد جرمنی کو کھڑا کر دیا جائے؟ نہیں۔ اس کے بالکل برخلاف۔ اپنے پرانے سسٹم کی تمام فطری خوبیاں باقی رکھتے ہوئے، اس نے دوسری سلطنت کے سارے ہتھکنڈے بھی اپنا لئے: اس کی سچی من مانی حکمرانی، اور جھوٹ موٹ کی جمہوریت‌پسندی، اس کے سیاسی کرتب اور مالی کرتوت، بلند بانگ لفظوں کا طومار لیکن گرے ہوئے اطوار۔ بوناپارٹ کی عملداری اب تک تو دریائے رائن کے صرف ایک کنارے بہار دے رہی تھی، اب دوسرے کنارے پر بھی اس کا نقلی نمونہ بن کر تیار ہو گیا۔ جب حالت یہ ہو تو جنگ کے سوا اور کیا امید ہو سکتی تھی؟

اگر کہیں جرمن مزدور طبقے نے اس جنگ کو اپنے بچاؤ کی حد سے گزرنے دیا اور اسے فرانسیسی جنتا کے خلاف جنگ کی طرف بہک جانے دیا تو چاہے فتح ہو یا شکست، دونوں حالتوں میں تباہی و بربادی یقینی ہے۔ نام نہاد آزادی کی جنگ لڑ لینے کے بعد سے جرمنی پر جو مصائب آئے ہیں وہ اور بھی شدت سے ٹوٹ پڑیں گے۔

لیکن انٹرنیشنل کے اصول جرمن مزدور طبقے میں اتنے عام ہیں اور اس قدر گہری جڑیں پکڑے ہوئے ہیں کہ ان کی طرف سے ایسی افسوسناک بدگمانی نہیں رکھنی چاہئے۔ فرانسیسی محنت کشوں کی

صدا جرمنی سے صدائے بازگشت لے کر پھری ہے۔ برونشویگ میں ۱۶ جولائی کو مزدوروں کے ایک عام جلسے نے پیرس والے مینیفسٹو سے پورا اتفاق رائے ظاہر کیا ہے اور فرانس سے کسی قومی ناچاقی کو بےجا قرار دیا ہے۔ اس جلسے کی تجویز ان لفظوں پر تمام ہوتی ہے:

''ہم ہر قسم کی جنگ کے دشمن ہیں، خاص طور سے ان جنگوں کے جو شاہی خاندانوں کے لئے کی جائیں... نہایت افسوس اور رنج کے ساتھ ہم اپنے بچاؤ کی جنگ لڑنے پر مجبور ہوئے ہیں، ایسی برائی اختیار کرنے پر، جس سے کوئی مفر نہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم پورے جرمن مزدور طبقے کو آواز دیتے ہیں کہ وہ اس قسم کی بےپناہ سماجی آفت کے لئے آئندہ کوئی امکان نہ چھوڑے — خود لوگوں (قوموں) کو یہ اختیار دلواکر کہ وہ جنگ اور امن کا فیصلہ آپ کر سکیں اور اپنی تقدیر کے آپ مالک ہوں۔''

خیمنتز کے مقام پر سیکسونیا کے ۵۰ ہزار مزدوروں کے نمائندوں کے ایک بھرے جلسے میں اس مضمون کی تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی:

''ہم لوگ عام طور پر جرمن جمہوریت کی طرف سے، اور خاص کر ان محنت کشوں کی طرف سے جو سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں ہیں، اعلان کرتے ہیں کہ موجودہ جنگ خاندانی بادشاہت کی جنگ ہے... ہمیں وہ برادرانہ ہاتھ تھام کر خوشی ہوتی ہے جو فرانس کے مزدوروں نے ہماری طرف بڑھایا ہے... انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کے اس نعرے کو ''دنیا کے مزدورو، ایک ہو!'' ذہن میں رکھتے ہوئے ہم یہ کبھی نہیں بھول سکتے کہ سبھی ملکوں کے محنت کش ہمارے دوست ہیں اور سبھی ملکوں کے من مانے حاکم ہمارے دشمن ہیں۔''

انٹرنیشنل کی برلن والی شاخ نے بھی پیرس کے مینی‌فسٹو کا جواب دیا:

''ہم دل و جان سے آپ کے احتجاج میں شریک ہیں... اور پکا عہد کرتے ہیں کہ چاہے جنگ کا بگل ہو یا توپ کی گرج، چاہے فتح ہو یا شکست، ہمیں اس مشترکہ کام سے کوئی نہیں ہٹا سکتا جو تمام ملکوں کے محنت کے سپوتوں کو متحد کرنے کے لئے ہم کر رہے ہیں۔''

ایسا ہی ہو!

خودکشی کے اس جنگی ہنگامے کے پس منظر میں روس کا سیاہ سایہ منڈلا رہا ہے۔ یہ ایک برا شگون ہے کہ موجودہ جنگ کا سگنل ایسے وقت میں دیا گیا جب ماسکو سرکار نے موقع کی جگہوں پر ریلوے لائنیں بچھانے کا کام پورا کر لیا اور دریائے پروتھ کی سمت دھڑادھڑ فوجیں بھیجی جانے لگیں۔ بوناپارٹ کی چڑھائی کے مقابلے میں جرمنوں کو اپنے بچاؤ کی جنگ لڑتے وقت جو ہمدردیاں حاصل ہو سکتی ہیں، اگر کہیں انھوں نے یہ موقع دیا کہ پروشیا کی سرکار کزاکوں کی مدد طلب کرے یا اسے منظور کرلے تو وہ فوراً ساری ہمدردیاں کھو دیں گے۔ جرمنی کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے نپولین بوناپارٹ سے جب اپنی آزادی کی جنگ لڑی تھی، اس کے کئی نسل بعد تک وہ زار روس کے قدموں میں پڑا رہا۔

انگلینڈ کا مزدور طبقہ بھی فرانسیسی اور جرمن محنت‌کش جنتا کی طرف بھائی چارے کا ھاتھ بڑھا رہا ہے۔ اسے اچھی طرح یقین ہے کہ آنےوالی ہولناک جنگ چاہے جو موڑ لے، لیکن وہ وقت آئے گا کہ تمام ملکوں کے محنت‌کش طبقوں کا اتحاد ہر قسم کی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ خود یہ حقیقت، کہ جب فرانس اور جرمنی کے سرکاری حلقے ایک دوسرے کے خلاف برادرکشی کی جنگ میں اترے ہوئے ہیں، دونوں ملکوں کے محنت‌کش ایک دوسرے کو امن اور خیرخواہی کے پیغام بھیج رہے ہیں۔ یہ شاندار حقیقت، جو ماضی کی تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتی، ایک روشن مستقبل کی راہ دکھا رہی ہے۔ اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ اقتصادی بربادیوں اور سیاسی سرساموں والے پرانے سماج کے مقابلے میں ایک نیا سماج ابھر رہا ہے جس کا بین اقوامی اصول ہوگا — امن، کیوں کہ ہر قوم کی حکمرانی اسی ایک ہاتھ میں ہوگی، محنت کے ہاتھ میں!

اس نئے نظام معاشرت کی پیشوا ہے انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی ایشن ۔

۲۵۶، ہائی ہولبورن،
لندن، ویسٹرن سنٹرل ،
۲۳ جولائی ۱۸۷۰ء

مارکس نے ۱۹ اور ۲۳ جولائی ۱۸۷۰ء کے درمیان تحریر کیا ۔

انگریزی میں جولائی ۱۸۷۰ء میں پہلے دستی اشتہار کی شکل میں چھپا ۔ پھر لیف لٹوں کے علاوہ، جرمن، فرانسیسی اور روسی اخبارات میں اگست ستمبر ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا ۔

دستی اشتہار کے پہلے انگریزی ایڈیشن کی لفظ بلفظ عبارت سے ترجمہ کیا گیا ہے، جس کا دوسرے ۱۸۷۰ء والے انگریزی ایڈیشن اور جرمن ایڈیشن سے مقابلہ کیا گیا ۔

فرانس اور پروشیا کی جنگ پر انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی ایشن کی جنرل کونسل کا دوسرا خط

یورپ اور امریکہ میں ایسوسی ایشن کے ممبروں کے نام

۲۳ جولائی کے اپنے پہلے خط میں ہم نے کہا تھا کہ ’’دوسری شہنشاھی کی موت کی گھنٹی پیرس میں بج چکی۔ یہ دوسری شہنشاھی جس گھٹیا سوانگ سے شروع ہوئی تھی، اسی پر ختم بھی ہونی ہے۔ تاھم بھولنے کی بات نہیں کہ یہ یورپ کی حکومتیں اور حاکم طبقے ھی ھیں جنھوں نے لوئی بوناپارٹ کو اٹھارہ سال سے بانس پر چڑھا کر پھر سے جمائی ہوئی شہنشاھی کا بےدرد تماشا کرایا تھا،،۔*

اس طرح جنگ کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ھی ھمیں نظر آ گیا تھا کہ لوئی بوناپارٹ کا صابن کا جھاگ اب گئی گزری بات ہے۔

دوسری شہنشاھی کے کس بل کا اندازہ کرنے میں ھم نے ٹھوکر نہیں کھائی اور نہ اس اندیشے میں ھم سے غلطی ہوئی کہ کہیں جرمنی کی ’’جنگ اپنے بچاؤ کی حد سے گزر کر فرانسیسی جنتا کے خلاف جنگ کی طرف نہ بہک جائے،، **۔ اصل پوچھئے تو بچاؤ کی

---

* ملاحظہ ہو اس جلد کا صفحہ ۱۴۴۔ (ایڈیٹر)

** ملاحظہ ہو اس جلد کا صفحہ ۱۴۵۔ (ایڈیٹر)

جنگ تبھی ختم ہو گئی جب لوئی بوناپارٹ نے ہتھیار ڈالے، سیدان میں فوجوں نے شکست مان لی اور پیرس میں ریپبلک کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن ان واقعات سے بہت پہلے، اسی وقت جب شہنشاہی فوجوں کی پول کھل چکی تھی، پروشیا کے فوجی ٹولے (camarilla) نے فرانس پر قبضہ کرنے کی نیت باندھ لی تھی۔ ان کی راہ میں بس ایک ناگوار رکاوٹ کھڑی تھی، یعنی لڑائی شروع ہوتے وقت قیصر ولہلم کا اپنا اعلان جنگ۔ شمالی جرمن رائخ‌ستاگ کے نام قیصر نے تخت کی طرف سے تقریر کرتے وقت یہ پختہ عہد کیا تھا کہ جو لڑائی لڑی جائےگی وہ شہنشاہ فرانس کے خلاف ہوگی، فرانسیسی جنتا کے خلاف نہیں۔ گیارہ اگست کو اس نے فرانسیسی قوم کے نام ایک اعلان شائع کیا جس میں وہ کہتا ہے:

''شہنشاہ نپولین نے خشکی اور تری کے راستے چونکہ اس جرمن قوم پر حملہ کر دیا ہے جو فرانس والوں کے ساتھ پہلے بھی امن سے رہنا چاہتی تھی اور اب بھی یہی چاہتی ہے، لہازا میں نے جرمن فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے تاکہ اس کے حملے کو پسپا کردوں اور یہ فوجی صورت حال کا تقاضا تھا کہ فرانس کی سرحد پار کی جائے۔''

اس جنگ میں جو اپنے بچاؤ کی نوعیت تھی اسے اجاگر کرنے میں قیصرولہلم نے صرف اتنا ہی نہیں کہا کہ ''حملے کو پسپا کرنے کے لئے'' جرمن فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے بلکہ یہ بھی بڑھا دیا کہ ''فوجی صورت حال کا تقاضا'' تھا کہ فرانس کی سرحد پار کی جائے۔ اپنے بچاؤ کی جنگ میں، یقیناً یہ بھی ہوتا ہے کہ ''فوجی صورت حال کے تقاضے'' سے بڑھ کر حملہ کیا جائے۔

چنانچہ یہ نیک طینت بادشاہ فرانس کے اور ساری دنیا کے سامنے اپنے اس عہد کا پابند ٹھیرا کہ جنگ صرف اپنے بچاؤ کی حد تک کی جائےگی۔ اب اس عہد سے اسے بری کیسے کیا جائے؟ تماشے کا بندوبست کرنےوالوں کو یہ سوانگ رچانا تھا کہ جرمن قوم کے دباؤ کی تاب نہ لاکر بادشاہ سلامت کو اپنی مرضی کے بغیر جھکنا پڑا ہے۔

انہوں نے آزاد خیال جرمن درمیانی طبقے کو، جس میں پروفیسر، سرمایہ دار، میونسپل کونسلر، اور اخبار نویس شامل ہیں، اشارہ کر دیا ۔ درمیانی طبقے کے یہ لوگ جو شہری آزادی کی خاطر اپنی جدوجہد میں ۱۸۴۶ء سے ۱۸۷۰ء تک ہچکچاہٹ کا، نااہلی کا، اور بزدلی کا بے مثال منظر پیش کرتے رہے تھے، ایک دم خوشی سے دمک اٹھے کہ انہیں یورپ کے اسٹیج پر جرمن وطن پروری کے دھاڑتے ہوئے شیر کی طرح اچھل کود کرنی تھی ۔ اس طبقے کی شہری آزادی بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ پروشیا کی حکومت کو خود اسی کے خفیہ منصوبے پورے کرنے پر مجبور کرنے کا دکھاوا کر رہا تھا ۔ لوئی بوناپارٹ کے اٹل اور بےخطا ہونے پر اس طبقے کو جو ایک زمانے سے پکا ایمان تھا، اب اس گناہ کا کفارہ یوں ادا کیا جا رہا ہے کہ فرانسیسی ریپبلک کا شیرازہ بکھیرنے کے حق میں شور مچایا جائے ۔ آئیے، زرا سنیں تو کہ یہ شیردل دیش بھگت کیا کیا خاص دعوے کر رہے ہیں ۔

وہ یہ بات بنانے کی تو ہمت نہیں کرتے کہ الزاس اور لارین علاقے کے لوگ جرمنی کی آغوش میں آنے کو بیقرار ہیں ۔ اصلیت اس کے برعکس ہے ۔ استراسبورگ کا شہر، جس کا قلعہ الگ تھلگ کھڑا ہوا پورے منظر پر حاوی ہے، اسے فرانسیسی حب وطن کی سزا دینے کے لئے چھ دن تک ''جرمن'' آتشی گولوں کی زد میں لے کر بےتحاشا اور بےوجہ گولہ باری سے پھونک ڈالا گیا اور اس کے نہتے، بےبس لوگوں کی بڑی تعداد مٹی میں ملا دی گئی ۔ پھر بھی کہنے کو چونکہ ان صوبوں کی سرزمین کبھی کسی زمانے میں مرحوم جرمن سلطنت میں (۷۶) رہ چکی ہے، اس لئے یہ زمین اور اس پر بسنے والے، دونوں جرمنی کی غیرمنقولہ جائداد قرار دے کر ضبط کر لئے جائیں ۔ اگر اسی طرح قدیم کے حامیوں کا شوق پورا کرنے میں یورپ کے پرانے نقشے کو پھر سے بحال کیا جائے تو یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ برانڈن برگ کا الکٹور بھی پروشیائی علاقوں کے والی ریاست کی حیثیت سے پولینڈ کی ریپبلک کا باج گزار تھا (۷۷) ۔

تاہم جو زیادہ ہوشیار محبان وطن ہیں، وہ الزاس صوبے اور لارین کے جرمن زبان بولنے والے علاقے کو فرانسیسی حملہ آوری کے

توڑ پر ایک ''ٹھوس ضمانت،، کہہ کر لینا چاہتے ہیں۔ اس گھٹیا چال نے چوں کہ بہت سے کم نظر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ زرا تفصیل سے اس پر روشنی ڈالیں۔

اس میں شک نہیں کہ رائن کے دوسرے کنارے کی نسبت سے الزاس کی عام ساخت اور بازل اور گیرمیرسگیئم کے تقریباً بیچوں بیچ استراسبورگ جیسے بڑے قلعہ‌بند شہر کا واقع ہونا جنوبی جرمنی پر چڑھائی کرنے کے لئے فرانس کو بہت سہولت سہیا کرتا ہے، اور جنوبی جرمنی کی طرف سے فرانس پر چڑھائی کرنے میں کچھ دشواریاں پیدا کرتا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ الزاس کو اور لارین کے جرمن بولنےوالے علاقے کو اگر ملالیا جائے تو جنوبی جرمنی کے ہاتھ اتنی مضبوط سرحد آ جائےگی کہ وہ ووسگیس پہاڑی سلسلے کی ایک چڑھائی پر پوری طرح حاوی ہو جائےگا اور وہ قلعے بھی اس کے قبضے میں رہیں‌گے جو شمالی دروں کے پہرہ‌دار ہیں۔ اگر اسی کے ساتھ میتز بھی ملا لیا جائے تو پھر جرمنی کے خلاف جنگی کارروائی کرنے میں فرانس اپنے دو خاص گڑھ فی‌الحال کھو بیٹھےگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نانسی یا ویردیں کے مقام پر نئے گڑھ بنانے سے رک جائے۔ جب خود جرمنی کے پاس کوبلینتس، مائنتس، گیرمیرسگیئم، رشٹاڈ اور اولم جیسے ٹھکانے فرانس پر کارروائی کرنے کے لئے موجود ہیں اور موجودہ جنگ میں ان کا جی بھرکر استعمال بھی ہوا ہے تو پھر اس میں جلنے کی کیا بات ہے اگر فرانس کے پاس دریا پار صرف دو اہم قلعے رہتے ہیں استراسبورگ اور میتز۔ پھر یہ بھی کہ استراسبورگ سے جنوبی جرمنی کو صرف اسی حالت میں خطرہ ہوگا جب وہ شمالی جرمنی سے علاحدہ ایک طاقت ہو۔ ۱۷۹۲ء سے ۱۷۹۵ء تک جنوبی جرمنی پر اس سمت سے کبھی چڑھائی نہیں ہوئی کیوں کہ انقلاب فرانس کے خلاف جنگ میں پروشیا خود ایک فریق تھا۔ لیکن جیسے ہی پروشیا نے ۱۷۹۵ء میں اپنے طور پر صلح نامہ (۷۸) کرکے، جنوبی جرمنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تو جنوبی جرمنی پر چڑھائی شروع ہو گئی جو ۱۸۰۹ء تک چلی اور استراسبورگ نے جنگی اڈے کا کام دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک متحدہ جرمنی استراسبورگ کے گڑھ کو اور

الزاس میں کسی بھی فرانسیسی فوج کو، جیسا کہ موجودہ جنگ میں کیا، اس طرح بےاثر کر سکتی ہے کہ سارلوئی اور لانداؤ مقاموں کے درمیان اپنی فوجیں جمع کردے اور مائنتس اور میتز کے درمیان سڑک کے کنارے کنارے فوج آگے بڑھا دے یا لڑنا منظور کرلے۔ جرمن فوجوں کی بھاری تعداد وہاں لگی ہو تو پھر کوئی فرانسیسی فوج جو استراسبورگ سے جنوبی جرمنی میں پیش‌قدمی کرےگی دونوں بازوؤں سے گھر جائےگی اور عقب سے اس کے درمیانی رابطے خطرے میں پڑیں‌گے۔ اگر حال کی جنگی مہم نے کچھ ثابت کیا ہے تو یہ کہ جرمنی سے فرانس پر چڑھائی کرنے کی سہولت موجود ہے۔

لیکن ایمانداری سے جانچئے تو کیا یہ محض حماقت اور دقیانوسی‌پن نہیں ہے کہ فوجی مصلحتوں کو وہ اصول مانا جائے جس کی رو سے قوموں کی سرحدیں طے پائیں؟ اگر اسی اصول پر عملدرآمد ہونے لگے تو آج بھی آسٹریا کا حق ہوگا کہ وینس اور مینچو کی لائن اسے مل جائیں اور فرانس کو دریائےرائن کی لائن تک کا علاقہ ملے تاکہ پیرس کی حفاظت کی جا سکے، کہ اگر شمال مشرق کی سمت سے حملہ ہو تو پیرس تک راستہ زیادہ کھلا ہے بہ‌نسبت برلن کے، جس پر جنوب مغرب سے حملہ کیا جائے۔ اگر سرحدیں طے کرنے میں جنگی مصلحتوں کی ہی پابندی کی جائے تو پھر دعووں کی کوئی انتہا نہیں رہےگی کیوں‌کہ ہر ایک فوجی لائن میں کہیں نہ کہیں خرابی ہے، کچھ اور باہر کے علاقے کو جوڑ کر یہ خرابی کم کی جا سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ قطعی طور سے اور انصاف کے ساتھ سرحدیں کبھی طے نہیں کی جا سکتیں کیوں‌کہ وہ ہمیشہ فاتح کی طرف سے مفتوح کے سر منڈھی جاتی ہیں۔ اور انجام اس کا یہ کہ ان سرحدوں کے اندر نئی جنگوں کے بیج دبے رہ جاتے ہیں۔

پوری تاریخ کا یہی سبق ہے۔ جو بات افراد کے حق میں صحیح ہے وہی قوموں کے حق میں بھی ہے۔ اگر انہیں دوسرے پر ہاتھ اٹھانے کی طاقت سے محروم کرنا ہے تو اپنی حفاظت کے ذریعے سے بھی محروم کرنا ہوگا۔ گلا گھونٹنا کافی نہیں، قتل بھی کرنا پڑےگا۔ اگر کبھی کسی فاتح نے کسی قوم کی نسیں توڑنے کے لئے ”ٹھوس

ضمانت،، طلب کی ہے تو وہ نپولین اول تھا جس نے تلست کے صلح نامے کے وقت ایسا کیا (۷۹) اور پروشیا اور باقی جرمنی کے خلاف اس پر عمل کرکے دکھا دیا۔ لیکن کچھ ہی سال گزرے تھے کہ اس کی زبردست طاقت جرمن لوگوں پر ایک گلے ہوئے نرکل کی طرح بکھر کر رہ گئی۔ جو ''ٹھوس ضمانتیں،، کسی وقت نپولین اول نے پروشیا سے زبردستی وصول کی تھیں کیا اب پروشیا ان سے بڑھ کر ''ٹھوس ضمانتیں،، انتہائی طیش میں فرانس سے وصول کرنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ نتیجہ اس سے کچھ کم تباہ کن نہیں نکلنے والا۔ تاریخ جب جرمانہ لگائے گی تو وہ اس حساب سے نہیں ہوگا کہ فرانس سے کتنے مربع میل علاقہ چھینا گیا تھا بلکہ اس حساب سے ہوگا کہ ۱۹ ویں صدی کے دوسرے نصف میں ملک ہتھیانے کی پالیسی کو پھر سے زندہ کرنے کا جرم کتنا شدید تھا۔

لیکن تیوتونی (۸۰) دیش بھگتی کے حمایتی کہتے ہیں: آپ جرمنوں کو فرانسیسیوں سے خلط ملط نہ کیجئے۔ ہمیں شان بگھارنی نہیں ہے، سلامتی چاہئے۔ جرمن اصل میں امن پسند قوم ہیں۔ ان کی شریفانہ نگرانی میں آکر کسی علاقے کی فتح مستقبل میں جنگ کا سبب رہنے کے بجائے مستقل امن کی ضمانت بن جاتی ہے۔ اس میں کیا شک ہے! وہ کوئی جرمنی تھوڑئی تھا جس نے ۱۷۹۲ء میں اس اعلا مقصد کی خاطر کہ سنگینوں سے اٹھارویں صدی کے انقلاب کا سینہ چھلنی کر دیا جائے فرانس پر چڑھائی کی تھی! اور وہ بھی جرمنی نہیں، کوئی اور تھا جس نے اٹلی کو اپنا ماتحت بنا کر، ہنگری کو کچل کر، پولینڈ کے ٹکڑے کرکے اپنے نام کو بٹہ لگایا۔ اور جرمنی کا یہ موجودہ فوجی نظام، جس میں تمام تندرست نرینہ آبادی دو حصوں میں تقسیم ہے — ایک حصہ مستقل صف بندی کی ہوئی فوج اور دوسرا حصہ مستقل ریزرو فوج، اور دونوں کے دونوں خدا کے فضل سے اپنے حاکموں کی مرضی کے آگے سر جھکائے ہوئے۔ یہ فوجی نظام امن کی ''ٹھوس ضمانت،، تو خیر ہئی، اوپر سے تہذیب کا اعلا مقصد بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور جگہوں کی طرح جرمنی میں بھی حکومت وقت

کے خوشامدی جھوٹ موٹ اپنی تعریفوں کے پل باندھ کر لوگوں کے دماغوں کو زہرآلود کر دیتے ہیں۔

یہ جرمن محبان‌وطن میتز اور استراسبورگ میں فرانسیسی قلعہ‌بندیاں دیکھ‌کر تو بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں، لیکن انہیں وارسا، مودلین اور ایوان گورود میں ماسکووالوں کی قلعہ بندیوں کے جال میں کوئی ہرج نہیں دکھائی دیتا۔ بوناپارٹ کی یلغار کی دھشت پر تو وہ بہت شور مچاتے ہیں لیکن اپنے سر پر زار کی شخصی حکومت کا سایہ دیکھ کر آنکھیں میچ لیتے ہیں۔

جس طرح ۱۸۶۵ء میں لوئی بوناپارٹ اور بسمارک نے ایک دوسرے سے عہدوپیمان کئے تھے، اسی طرح اب ۱۸۷۰ء میں گرچاکوف اور بسمارک میں پیام سلام ہوئے ہیں۔ جس طرح لوئی بوناپارٹ نے یہ سوچ کر دل خوش کر لیا تھا کہ ۱۸۶۶ء کی جنگ آسٹریا اور پروشیا دونوں کو ھلکان کر چکی، اور اب میرا وقت ہے کہ جرمنی کی قسمت کا فیصلہ کروں، اسی طرح اب زارروس الیکساندر دل میں خوش ہو رہا ہے کہ ۱۸۷۰ء کی جنگ سے جرمنی اور فرانس دونوں نڈھال ہو چکے، لہازا میں مغربی یورپ کا سر پنچ بن جاؤں‌گا۔ جس طرح دوسری شہنشاھی کو اندیشہ تھا کہ شمالی جرمنی کی یونین اور وہ دونوں کی ایک وقت میں بسر نہیں ہو سکتی، اس طرح زارشاھی روس کو یہ فکر لگ گئی ہوگی کہ جرمن سلطنت اور وہ بھی پروشیائی لیڈرشپ کے سائے میں خود اس کے لئے ایک خطرہ ہے۔ پرانے سیاسی نظام کا قانون کچھ ایسا ہی ہے۔ اس نظام کے اندر ایک ریاست کا فائدہ دوسری ریاست کا نقصان ہے۔ یورپ پر زار روس کی بالادستی کی جڑ یہاں ہے کہ جرمنی پر اس کی پرانی گرفت چلی آتی ہے۔ ایسے وقت جبکہ خود روس میں ھی لاوے کی طرح ابلتی ہوئی سماجی طاقتیں شخصی حکومت کی جڑ بنیاد ھلا ڈالنے پر تلی ہوئی ہیں، کیا زار روس ملک سے باھر اپنے وقار کا اتنا بڑا نقصان برداشت کر سکتا ہے؟ ابھی سے ماسکو کے اخبار وہ زبان بول رہے ہیں جو ۱۸۶۶ء کی جنگ کے بعد بوناپارٹ‌والے اخبار بولا کرتے تھے۔ کیا واقعی تیوتونی دیش بھگت یہ سوچتے ہیں کہ فرانس کو جبراً روس کی پناہ میں دے کر جرمنی امن و آزادی کی

ضمانت حاصل کر لے گا؟ اگر جنگ میں زیر رہنے کی بدولت، کامیابی کے نشے اور شاہی خاندانوں کے جوڑتوڑ کے سبب سے جرمنی نے فرانس کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنے کا راستہ اپنایا تو پھر خود جرمنی کے لئے صرف دو ھی راستے رہ جائیں گے: یا تو یہ کہ چاھے کچھ بھی ہو جائے، روس کی قابضانہ سیاست کا ایک کھلا پرزہ بن کر رھے، یا تھوڑی سی مہلت گزارنے کے بعد پھر ایک اور ''بچاؤ،، کی جنگ کے لئے کمربستہ ہوجائے، اس قسم کی جنگ نہیں جیسی نوایجاد محدود ''مقامی،، جنگیں ہونے لگی ھیں، بلکہ نسلی جنگ کے لئے، ایسی جنگ جو متحدہ سلاف اور رومن نسلوں سے لڑنی ہوگی۔

جرمن مزدور طبقے نے، کہ اس جنگ کو روکنا اس کے بس کی بات نہ تھی ثابت‌قدمی سے جنگ کا ساتھ دیا اور اسے جرمنی کی آزادی کی جنگ، فرانس اور یورپ کو دوسری شہنشاھی کے گھناونے عذاب سے نجات دلانے کی جنگ قرار دیا۔ جرمنی کے صنعتی مزدوروں نے دیہات کے محنت کشوں سے مل کر اس سورما فوج کی شہ‌رگ مہیا کی اور آدھے پیٹ کھا کر جینےوالے کنبوں کو چھوڑکر نکل گئے۔ وطن سے باھر میدان جنگ میں وہ تباہ ہو چکے، اب وطن میں افلاس اور محتاجی سے تباہ ہوں‌گے۔ اب اپنی باری کو وہ ''گارنٹی،، طلب کرتے ھیں، اس بات کی گارنٹی یا ضمانت کہ ان کی بےشمار قربانیاں ضائع نہ جائیں، انھیں آزادی نصیب ہو، اور بوناپارٹ کی فوجوں پر جو فتح پائی ھے وہ ۱۸۱۵ء کی فتح کی طرح جرمن عوام کی شکست (۸۱) میں تبدیل نہ ہونے پائے۔ اور ان سب میں پہلی ضمانت کے طور پر ان کا تقاضا ھے کہ فرانس سے عزت آبرو کے ساتھ صلح ہو اور فرانسیسی ریپبلک کو تسلیم کیا جائے۔

جرمن سوشل ڈیموکریٹک مزدور پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ۵ ستمبر کو ایک مینی‌فسٹو (اعلان نامہ) شائع کیا ھے جہاں پورے زور شور سے ان ضمانتوں کا تقاضا موجود ھے:

''ہم الزاس اور لارین کو اپنے علاقے میں ملا لینے کے خلاف احتجاج کرتے ھیں۔ ھمیں پورا شعور ھے کہ جرمن

مزدور طبقے کی طرف سے یہ آواز بلند کر رہے ہیں ۔ فرانس اور جرمنی کے مشترکہ مفاد کی خاطر ، امن اور آزادی کی خاطر ، مشرقی درندگی کے مقابلے پر مغربی تمدن کی خاطر ، جرمن محنت‌کش الزاس اور لارین کے ملا لئے جانے کو ہرگز خاموشی سے برداشت نہیں کریں‌گے... پرولتاریہ کے مشترکہ بین‌اقوامی مقصد کے لئے تمام ملکوں میں ہم اپنے رفیق محنت کشوں کا دیانت‌داری سے ساتھ دیں‌گے !،،

بدقسمتی سے ہمیں یہ امید نہیں بندھتی کہ انہیں فوری کامیابی ہو جائے‌گی ۔ فرانس کے محنت‌کش جب امن کی حالت میں حملہ‌آور کا ہاتھ تھامنے سے ہار گئے تو اب جرمن محنت‌کش کس برتے پر ہتھیاروں کی جھنکار میں فاتح کو روک سکتے ہیں ۔ جرمن مزدوروں کا اعلان‌نامہ کہتا ہے کہ لوئی بوناپارٹ کو ایک عام مجرم کی حیثیت سے فرانسیسی ریپبلک کے حوالے کر دیا جائے ۔ مگر ان کے حاکموں کی، اس کے برخلاف انتہائی کوشش ہے کہ اسے پھر تویلری کے تخت (۸۲) پر بٹھا دیا جائے کیوں‌کہ وہ فرانس کو تباہی تک پہنچانے کے لئے سب سے موزوں آدمی ہے ۔ جو بھی صورت بنے، بہرحال تاریخ ثابت کر دےگی کہ جرمن مزدور طبقہ اس پھس پھسے مسالے سے نہیں بنا جس سے جرمن درمیانی طبقے کا خمیر اٹھا ہے ۔ محنت‌کش اپنا فرض ادا کر دیں‌گے ۔

ان کے ساتھ ہم بھی فرانس میں ریپبلک کی آمد کا استقبال کرتے ہیں ۔ لیکن چند ایسی باتوں پر ماتھا ٹھنکتا ہے جو امید ہے کہ بےبنیاد ثابت ہوں‌گی ۔ اس ریپبلک نے راج سنگھاسن کو ہٹایا نہیں بلکہ اس کی خالی جگہ بھر دی ہے ۔ خود کو اس نے ایک سماجی فتح کے طور پر نہیں، بلکہ ڈیفنس کی ایک قومی تدبیر بنا کر دنیا کے سامنے رکھا ہے ۔ ریپبلک ابھی عارضی حکومت کے ہاتھوں میں ہے جو کچھ تو بدنام اورلین‌والوں (۸۳) سے مل کر بنی ہے اور کچھ درمیانی طبقے کے ریپبلکنوں سے جن میں سے بعض کی آستینوں پر جون ۱۸۴۸ء کی بغاوت کا لہو ایسا لگا ہے کہ دھل نہیں سکتا ۔ عارضی حکومت

کے ممبروں میں کام کی تقسیم بھی بے تکی ہے۔ اورلین‌والوں نے فوج اور پولیس پر اپنی گرفت مضبوط کرلی ہے اور جنھیں ریپبلکن ہونے کا دعوا ہے ان کے ہاتھ صرف بحثا بحثی کے محکمے آئے ہیں۔ اس حکومت کی شروع کی ہی بعض کارروائیاں حد سے آگے بڑھ کر یہ دکھاتی ہیں کہ ان لوگوں کو پچھلی شہنشاہی سے صرف کھنڈر ہی وراثت میں نہیں ملے بلکہ مزدور طبقے کی دهشت بھی پہنچی ہے۔ اگر یہ حکومت ریپبلک کے نام پر اناپ شناپ وعدے کر رہی ہے تو کہیں اس کی غرض یہ تو نہیں کہ جیسی حکومت ''کام چلا سکے'' یہ اس کے حق میں شور برپا کرنے کی تیاری ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہونےوالا کہ درمیانی طبقے کے بعض کرتا دھرتاؤں کے خیال کے مطابق ریپبلک کو محض ایک درمیانی سیڑھی یا پل بنا لیا جائے اورلین‌والوں کو پھر سے تخت حکومت پر پہنچانے کے لئے؟

غرض کہ فرانس کا مزدور طبقہ انتہائی دشوار حالات سے گزر رہا ہے۔ ایسے توڑ کے وقت میں، جب دشمن پیرس کے دروازے پر دستک دے رہا ہے، نئی سرکار کو الٹنے کی کوشش کرنا انتہائی حماقت ہوگی۔ فرانسیسی محنت‌کشوں کا فرض ہے کہ وہ شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کریں، لیکن ہوشیار رہیں کہ کہیں ۱۷۹۲ء والے ماضی کی قومی یادیں انھیں اسی طرح راہ سے بےراہ نہ کر دیں جیسے فرانسیسی کسان پہلی شہنشاہی کی قومی یادوں کے بھکاوے میں آگئے تھے۔ انھیں اپنا سارا ماضی نہیں دھرانا، مستقبل ضرور بنانا ہے۔ انھیں چاہئے کہ پختہ ارادے اور ٹھنڈے دل کے ساتھ ریپبلکن آزادی کے ذریعوں کو ابھارتے چلے جائیں تاکہ ان سے اپنی طبقاتی تنظیم کا کام لیتے رہیں۔ اس کی بدولت انھیں فرانس کو نئی زندگی عطا کرنے کے لئے اور ہماری مشترکہ منزل، یعنی محنت کے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے زبردست سورمائی کس بل میسر آئے گا۔ انھی کی توانائی اور دانائی پر اب ریپبلک کی قسمت کا دارومدار ہے۔

انگریز محنت‌کشوں نے ایسی کچھ تدبیریں اختیار کرلی ہیں کہ فرانسیسی ریپبلک کو تسلیم کرنے میں ان کی حکومت جو ٹال مٹول کرتی رہی، باہر سے دباؤ ڈال کر اس کا تدارک کیا جائے (۸۴)۔

فی الحال انگریزی حکومت کی طرف سے جو وقت گزاری ہو رہی ہے، وہ غالباً اس لئے کہ ۱۷۹۲ء والی جیکوبی دشمن جنگ کے داغ دھبے مٹائے اور پچھلے انقلاب حکومت (۸۵) کو تسلیم کر لینے میں ناگوار جلد بازی کا کفارہ ادا کر دیا جائے۔ انگریز محنت کشوں نے اپنی حکومت پر یہ زور بھی ڈالا ہے کہ فرانس کے حصے بخرے کرنے کے خلاف اپنی پوری طاقت استعمال کرے، حالانکہ کچھ انگریزی اخبارات بے شرمی سے اس کے حق میں بہت چیخ پکار مچائے ہوئے ہیں۔ یہ وہی اخبارات ہیں جنھوں نے پورے بیس برس تک لوئی بوناپارٹ کو یورپ کا کرتا دھرتا بتا کر اس کی پوجا کی تھی اور امریکی بردہ فروشوں کی بغاوت پر شادیانے بجائے تھے۔ تب کی طرح وہ آج بھی بردہ‌فروشوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کی شاخوں کو یہ کرنا ہے کہ ہر ایک ملک میں مزدور طبقے کے اندر عمل کی روح ڈورا دیں۔ اگر مزدوروں نے اپنا فرض بھلایا، اگر وہ بےعمل رہ گئے، تو آج کی خوفناک جنگ اس سے بھی زیادہ ہولناک اور تازہ بین‌اقوامی جنگوں کا پیش خیمہ بن جائےگی اور ہر ایک ملک میں مزدوروں کے سر پر اہل شمشیر کو، زمین اور زر کے مالکوں کو پھر سے سوار کر دےگی۔

Vive la République! (ریپبلک زندہ‌باد!)

۲۵٦، ہائی ہولبورن،
لندن، ویسٹرن سنٹرل،
۹ ستمبر، ۱۸۷۰ء

مارکس نے ٦ اور ۹ ستمبر ۱۸۷۰ء کے درمیان لکھا۔

انگریزی زبان میں دستی اشتہار کے مطابق۔

فرانس میں خانہ جنگی

انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی ایشن کا خط

یورپ اور امریکہ میں ایسوسی ایشن کے تمام ممبروں کے نام

۱

چوتھی ستمبر ۱۸۷۰ء کو، جب پیرس کے مزدوروں نے ریپبلک قائم ہونے کا اعلان کیا، اور تقریباً اسی وقت پورے فرانس نے ایک آواز ہو کر ریپبلک کا سواگت کر دیا تو عہدوں کے بھوکے بیرسٹروں کی ایک ٹولی نے، جس کا سیاسی رہنما تیئر تھا اور فوجی جنرل تروشیو، ٹاؤن ہال (Hôtel de Ville) کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس وقت ان لوگوں کے سروں میں سودا سمایا ہوا تھا کہ تاریخ کے ایسے تمام نازک دوروں میں پورے فرانس کی نمائندگی کرنا پیرس کا ہی منصب ہے۔ فرانس کے حاکم کہلانے کی دھاندلی کو جائز ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اتنا کافی سمجھا کہ پیرس سے اپنی منتخبہ ممبری کا وہ اختیار ہی دعوے میں پیش کر دیں جس کی میعاد گزرچکی تھی۔ ان لوگوں کے اس مرتبے پر پہنچنے کے پانچ دن بعد ہم نے پچھلی جنگ کے متعلق اپنے دوسرے خط میں آپ پر یہ واضح کر دیا تھا کہ ان لوگوں کی حقیقت کیا ہے*۔ پھر بھی اچانک تلاطم برپا ہونے کی اس حالت میں،

* ملاحظہ ہوں صفحات ۱۵۱–۱۵۸۔ (ایڈیٹر)

جب مزدور طبقے کے اصلی رہنما، بوناپارٹ کی جیلوں میں پڑے تھے اور پروشیا کی فوج پیرس کی طرف بڑھ رہی تھی، پیرس نے ان کے ہاتھ میں اختیارات کی باگ ڈور صرف یہ سوچ کر گوارا کرلی کہ انھیں قومی ڈیفنس کی خاطر استعمال ہونا ہے۔ پیرس کی حفاظت صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ شہر کے مزدوروں کو مسلح کیا جائے، انھیں واقعی ایک جنگی طاقت بنایا جائے، اور خود لڑائی کی آنچ میں تپا کر فن‌جنگ سکھایا جائے۔ لیکن پیرس کو مسلح کرنے کے معنی تھے انقلاب کو ہتھیار سجانا۔ پروشیا کے حملہ‌آوروں پر پیرس کا فتحیاب ہونا خود فرانسیسی سرمایہ‌داروں اور ان کی سرکار کے مفت‌خوروں پر فرانس کے مزدوروں کا فتحیاب ہونا بن جاتا۔ قومی ڈیفنس کے لئے بننےوالی حکومت قومی فرض اور طبقاتی مفاد کے اس ٹکراؤ میں زرا بھی نہ ھچکچائی اور قومی دغا کی سرکار بن کر رہ گئی۔

ان لوگوں نے پہلی حرکت یہ کی کہ تیئر کو یورپ کے تمام راج درباروں کے دورے پر بھیج دیا تاکہ وہاں وہ ریپبلک دے کر بادشاہ لینے کی شرط پر بیچ بچاؤ کی بھیک مانگتا پھرے۔ جب پیرس کے محاصرے کو چار مہینے گزر گئے تو انھوں نے اندازہ لگایا کہ اب ہتھیار ڈالنے کے بول زبان پر لانے کا لمحہ آپہنچا۔ چناں‌چہ جنرل تروشیو نے ژیول فاور کی اور اپنے دوسرے رفیقوں کی موجودگی میں پیرس کے میئر حاضرین کے سامنے یوں لب کشائی کی:

''چوتھی ستمبر کی شام کو ھی میرے رفیقوں نے میرے سامنے یہ سوال رکھا تھا کہ کیا اس بات کی گنجائش ھے کہ پروشیائی فوج کے محاصرے میں رہ کر پیرس کامیابی سے مقابلہ کر لے؟ میں نے بغیر کسی ھچکچاھٹ کے نفی میں جواب دیا تھا۔ کچھ حضرات جو یہاں موجود ھیں، میرے ان الفاظ کی سچائی اور رائے کے استقلال کی تصدیق کریں‌گے۔ میں نے اسی وقت کھلے لفظوں میں جتا دیا تھا کہ بحالت موجودہ پیرس کی یہ کوشش کہ پروشیائی فوج کے محاصرے میں پڑکر وہ مقابلے سے کامیاب نکلے، ایک حماقت ہوگی۔ میں

نے یہ بھی بڑھا دیا تھا کہ اس میں شک نہیں کہ بڑی جاں بازانہ حماقت ہوگی... بعد کے واقعات نے،، (اسی کے ہاتھ میں تھے یہ واقعات) ''میری پیش گوئی ثابت کردی ہے۔،،

جو میئر حاضر تھے ان میں سے کوربوں نام کے ایک میئر نے جنرل تروشیو کی یہ چھوٹی سی پیاری تقریر بعد میں شائع کردی۔

چناں‌چہ اسی شام جب رپبلک کا نشان بلند کیا گیا تروشیو کے ساتھ‌والوں کو اس کا یہ ''منصوبہ،، کہ پیرس ہتھیار ڈال دے، معلوم تھا۔ اگر قومی ڈیفنس تیئر، فاور اینڈ کمپنی کی ذاتی حکومت قائم کرنے کا بہانہ بننے کے سوا اور کچھ ہوتا تو ۴ ستمبر کے نو دولتیوں کو چاہئے تھا کہ ۵ ستمبر کو ہی گدی چھوڑ دیتے، اور پیرس والوں پر جنرل تروشیو کا منصوبہ کھول کر صاف کہہ دیتے کہ یا تو وہ فوراً ہتھیار ڈالیں، ورنہ اپنے معاملات کے خود مالک و مختار بنیں۔ اس کے بجائے ان بے‌ایمان دغابازوں نے طے کیا کہ پیرس کی ''جاں بازانہ حماقت،، کا علاج فاقہ کشی اور خوں ریزی سے کیا جائے اور علاج ہونے تک ان بلند بانگ اعلانوں سے شہر کو بےوقوف بنایا جائے کہ ''پیرس کا گورنر تروشیو ہرگز ہتھیار نہیں ڈالے گا،،، ژیول فاور وزیر خارجہ ''ہماری سرزمین کا ایک انچ اور ہمارے قلعوں کا ایک پتھر بھی دینے پر آمادہ نہیں ہوگا،،۔ اور اسی وزیر خارجہ نے گمبیٹا کے نام ایک خط میں خود اپنی زبان سے مان لیا کہ ''ڈیفنس،، پروشیائی فوج سے نہیں بلکہ پیرس کے مزدوروں سے کیاجا رہا ہے۔ محاصرے کے پورے عرصے بوناپارٹ کے یہ ٹھگ، جنھیں تروشیو نے بڑی ہوشیاری سے پیرس کی فوج کی کمان سونپ رکھی تھی، ذاتی خط و کتابت میں جھوٹ موٹ کے اس ڈیفنس پر گندے فقرے کسنے سے بھی نہیں چوکتے تھے (مثال کے لئے ملاحظہ ہو پیرس کی ڈیفنس فوج کے توپخانے کے کمانڈر انچیف اور سب سے بڑے خطاب یافتہ الفونس سیموں گئو کی توپخانہ ڈویژن کے جنرل سیوزن سے وہ خط و کتابت جسے پیرس کمیون کے «Journal Officiel» (۸۶) نے شائع کر دیا ہے)۔ ۲۸ جنوری ۱۸۷۱ء کو (۸۷) آخر ان بہروپیوں نے نقاب اتار دیا۔ قومی ڈیفنس کی حکومت

نے ھتھیار ڈالنے کے معاملے میں اپنی گراوٹ کا ایسا شاندار مظاھرہ کیا کہ وہ فرانس کی حکومت ہوتے ہوئے بسمارک کے قیدی بنے نظر آئے۔ یہ ایسا گراھوا پارٹ تھا کہ لوئی بوناپارٹ جیسا آدمی سیدان میں اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ھوا تھا۔ ۱۸ مارچ کے واقعے کے بعد جب وہ سر پر پاؤں رکھ کر وارسائی کی طرف فرار ہوئے تو یہ شکست خورے (capitulards) (۸۸) بھاگتے وقت پیرس کے ھاتھ اپنی غداری کی وہ تحریری شہادتیں بھی چھوڑ گئے، جنھیں مٹا دینے کی خاطر، بقول کمیون

''یہ لوگ پیرس کو خون کے سمندر میں ڈوبا ھوا خاک کا ڈھیر بنانے سے بھی باز نہ آتے۔،،

کمیون نے یہ الفاظ اس اعلان نامے میں لکھے ھیں جو صوبوں کے نام بھیجا گیا۔

قومی ڈیفنس کی حکومت کے بعض خاص ممبروں کو اتنا تہس نہس کرانے کی جو بےچینی لگی ہوئی تھی اس میں بھی ان کی کچھ مخصوص ذاتی مصلحتیں کام کر رہی تھیں۔

جنگ‌بندی معاھدے پر دستخط ہونے کی دیر تھی کہ قومی اسمبلی میں پیرس کے ایک نمائندے موسیو میلیئر نے جسے بعد میں ژیول فاور کے حکم خاص سے گولی مار دی گئی، مستند قانونی تحریروں کا ایک سلسلہ شائع کیا اس بات کے ثبوت میں کہ ژیول فاور ایک عورت سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا جو الجیریا جاکر بسنےوالے کسی شرابی کی بیوی تھی اور نہایت ذلیل جعل سازیوں سے کام لے کر، جو کئی سال چلتی رھیں، اسی عورت کی اولاد کے نام سے اس نے ایک بڑی میراث پر ھاتھ مارا اور مالدار بن بیٹھا اور جب اس کے جائز وارثوں نے مقدمہ دائر کیا تو راز فاش ہوتے ہوتے اس لئے بچا کہ بوناپارٹ کی خاص عدالتوں نے ارادتاً پردہ ڈال دیا تھا۔ چوں کہ ان خشک قانونی دستاویزوں کی زد سے بچ نکلنا لچھےدار تقریروں کے بس کا روگ نہیں تھا تو ژیول فاور نے زندگی میں پہلی بار زبان پر قابو رکھا اور خاموشی سے اس تاک میں رھا کہ خانہ جنگی چھڑ جائے تو بعد میں

بےتحاشا پکارپکارکر کہے کہ پیرس کے لوگ قانون کے پنجے سے بھاگے ہوئے وہ مجرم ہیں جنھیں نہ خاندان کی آبرو کا لحاظ ہے، نہ مذہب کا، نہ قاعدہ قانون برداشت ہے، نہ ملکیت جائداد۔ اس جعل‌ساز نے ابھی ۴ ستمبر کو بمشکل طاقت سنبھالی ہی تھی کہ سماج کے سر پر پیک اور تائفیر جیسے لوگوں کو براہ کرم سوار کر دیا، جنھیں لوئی بوناپارٹ کے زمانے میں ہی اخبار «Étendard» والی بدنامی (۸۹) کے ساتھ جعل سازی کے جرم میں سزا ہو چکی تھی۔ ان دونوں میں سے ایک تائفیر نے دیدہ دلیری کی کہ کمیون کے دنوں میں پیرس واپس آگیا اور پہنچتے ہی پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔ پھر ژیول فاور نے قومی اسمبلی کے اسٹیج سے پکارکر کہا کہ پیرس‌والے داغی مجرموں کو جیلوں سے رہا کئے دے رہے ہیں!

ارنسٹ پی‌کار جسے قومی ڈیفنس والی حکومت کا تیس مارخاں کہنا چاہئے، پچھلی شہنشاہی میں وزیر داخلہ بننے کی کوششیں کر کرکے تھک گیا تھا، اب ریپبلک کا وزیر مال بن بیٹھا، ایک شخص آرتھر پی‌کار کا بھائی ہے، جو پیرس کے شیئر بازار سے روپیہ مارلینے کے جرم میں نکالا جا چکا ہے (ملاحظہ ہو پولیس پریفیکٹ کی رپورٹ، بابت ۳۱ جولائی ۱۸٦۷ء) اور خود یہ اقبال جرم کرکے سزا کاٹی ہے کہ جس زمانے میں سوسائٹی جنرل (۹۰) کی پالسترو نمبر ۵ شاخ کا ڈائرکٹر تھا، ۳ لاکھ فرانک کی خیانت مجرمانہ کر چکا ہے (ملاحظہ ہو پولیس پریفیکٹ کی رپورٹ، بابت ۱۱ دسمبر ۱۸٦۸ء)۔ اسی آرتھر پی‌کار کو ارنسٹ پی‌کار نے اپنے اخبار «Électeur libre» (۹۱) کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ جن دنوں وزارت مالیات کا یہ اخبار سرکاری چھاپ کے جھوٹ بول‌کر اسٹاک بروکروں کو بدحواس کئے ہوئے تھا، یہی آرتھر پی‌کار وزارت مالیات اور شیئر بازار کے درمیان دوڑا پھرتا تھا تاکہ فرانسیسی فوج کی تباہی سے اپنا کمیشن وصول کرلے۔ ان لائق بھائیوں کی جوڑی نے جو مالی خط و کتابت کی تھی، وہ ساری کی ساری پیرس کمیون کے ہاتھ لگی۔

ژیول فیری جو ۴ ستمبر سے پہلے ایک قلاش بیرسٹر تھا، محاصرے کے دنوں میں پیرس کے میئر کی حیثیت سے ایسے جوڑ توڑ کرتا رہا کہ

لوگوں کے خالی پیٹ سے اس نے اپنی تجوری بھرلی۔ جس دن اسے اپنے انتظامی کرتوتوں کا حساب دینا پڑتا، اسی روز سزایاب ہو جاتا۔

ایسے لوگوں کو جیل سے رہائی کا اجازت نامہ [tickets-of-leave]* صرف پیرس شہر کے ملبے میں ھی مل سکتا تھا اور بسمارک کو بھی اسی قماش کے لوگ درکار تھے۔ تیئر جو کل تک حکومت کے پس پردہ کرتا دھرتا بنا ہوا تھا، اب اس نے پتے ایسے پھینٹے کہ خود حکومت کا سربراہ بن بیٹھا اور دس نمبری داخلہ بازوں [ticket-of-leave men] کو اپنا وزیر بنا لیا۔

اس جادو کے بالشتیے، تیئر نے قریب قریب آدھی صدی سے فرانسیسی بورژوازی کا من موہ رکھا تھا کیوں کہ وہ اپنی ذات سے خود بورژوازی کی طبقاتی بدچلنی کا نہایت مکمل اور اعلا نمونہ پیش کرتا ھے۔ سیاست کے میدان میں اترنے سے پہلے وہ سورخ کی حیثیت میں جھوٹ بولنے کی اپنی قابلیت منوا چکا تھا۔ اس کی سماجی زندگی کا روزنامچہ فرانس کی مصیبتوں کی روئداد ھے۔ ۱۸۳۰ء سے پہلے تک وہ ریپبلکنوں سے خلا ملا رکھتا تھا، لیکن اپنے سرپرست لافیت سے غداری کر کے بادشاہ لوئی فلپ کے زیرسایہ حکومت میں چپکے سے در آیا اور پھر پادریوں کے خلاف لوگوں میں اشتعال پھیلا کر، بلوے کرا کے جن بلووں میں سین ژرسین ل،اوسےروا کا گرجا گھر اور اسقف اعظم کا محل دھڑلے سے لوٹا گیا، اور پھر نواب زادی دےبیری پر خفیہ نظر رکھنےوالے وزیر اور آخر اسے جیل تک پہنچوانےوالے کی حرکتیں کرکے (۹۲) بادشاہ کی ناک کا بال بن گیا۔ ٹرانسنونان‌والی سڑک پر ریپبلکنوں کا قتل عام، اور بعد میں اخبارات اور انجمن‌سازی کے حق کے خلاف ستمبر کے بدنام زمانہ قانون اسی شخص کے کرتوت ھیں (۹۳)۔ مارچ ۱۸۴۰ء میں وہ پھر وزیراعظم کے رتبے پر نمودار ھوا

---

* انگلینڈ میں قاعدہ تھا کہ سزایافتہ لوگ جب اپنی سزا کا بڑا حصہ کاٹ چکے ھوتے تو انھیں ticket-of-leave دے کر جیل سے رہا کر دیا جاتا تھا لیکن رہائی کے بعد وہ پولیس کی نگرانی یا تھانے کی حاضری میں رہتے تھے۔ (اینگلس کا نوٹ)

اور پیرس کی قلعہ‌بندی کرنے کا نقشہ پیش کرکے اس نے سارے فرانس کو مبہوت کر دیا (۹۴)۔ ریپبلکنوں نے جب اس کی تجویز پر الزام عائد کیا کہ یہ پیرس کی آزادی کو جکڑنے کی گندی چال ھے تو اس نے بھری پارلیمنٹ کے سامنے جواب دیا کہ:

''کیا؟ آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ کسی قسم کی قلعہ‌بندی آگے چل کر آزادی کے لئے خطرہ بن جائےگی؟ سب سے اول تو یہ کہ آپ لوگ خواہ مخواہ بد گمانی میں مبتلا ھیں کہ یہاں کوئی ایسی بھی حکومت ھوگی جو کسی حالت میں شہر پر گولہ‌باری کا فیصلہ کرے اور اس طرح طاقت اپنے ھاتھ میں رکھے... اگر ایسی کوئی حکومت ھو تو فتح پانے سے پہلے اس کا چلنا جس قدر ناممکن تھا، فتح پانے کے بعد اس سے سو گنا زیادہ ناممکن ھو جائےگا۔،،

واقعی، کوئی حکومت پیرس شہر پر قلعوں سے گولہ‌باری کرنے کا فیصلہ نہ کرتی، سوائے اس حکومت کے جو پہلے ھی ان قلعوں کو پروشیائیوں کے حوالے کر چکی ھو۔

جب جنوری ۱۸۴۸ء میں شاہ بومبا نے (۹۵) پالیرمو کے مقام پر طاقت آزمائی کی تو یہی تیئر جو ایک زمانے سے وزارت کے باھر تھا، پارلیمنٹ میں کہنے کے لئے اٹھا:

''حضرات، آپ کو معلوم ھے، پالیرمو میں کیا ھو رھا ھے۔ آپ صاحبان یہ سن کر کانپ اٹھتے ھیں،، (پارلیمنٹری معنوں میں) ''کہ ۴۸ گھنٹے سے ایک بڑا شہر گولہ‌باری کا شکار ھے۔ کس کی طرف سے؟ کیا غیرملکی دشمن کی طرف سے جسے جنگ نے گولہ باری کا حق دیا؟ جی نہیں۔ خود اپنی ھی حکومت کی طرف سے۔ وجہ کیا؟ وجہ صرف یہ کہ اس بدنصیب شہر نے اپنے حق طلب کئے تھے۔ حق طلب کرنے کی پاداش میں اس پر ۴۸ گھنٹے گولے برسائے گئے... مجھے اجازت دیجئے کہ یورپ کی رائے عامہ سے اپیل کروں۔ اٹھ

> کر پوری آواز میں یورپ کے سب سے اونچے اسٹیج پر یہ الفاظ پکارنا چاہتا ہوں،، (واقعی محض الفاظ) ''کہ اس قسم کی حرکت کے خلاف غم و غصہ کا اظہار عالم انسانیت کی ایک خدمت ہوگی... جب ریجنٹ اسپارتیرو نے، جو اپنے ملک کی خدمت کر چکا تھا،، (جو خود تیئر صاحت نے کبھی نہ کی) ''بارسلونا شہر پر ، وہاں شورش فرو کرنے کی خاطر گولہ‌باری کا ارادہ کیا تو دنیا کے گوشے گوشے سے غم و غصہ کی صدائیں گونجنے لگیں۔،،

صرف ڈیڑھ سال گزرا تھا کہ شہر روم پر فرانسیسی فوج کی گولہ‌باری کی حمایت میں یہی موسیو تیئر سب سے بڑھ کر گرجنےوالوں میں شامل تھا (۹٦) ۔ سچ پوچھیے تو شاہ بومبا کا قصور اسی قدر نظر آتا ھے کہ وہ صرف ۴۸ گھنٹے گولہ‌باری کرکے رہ گیا۔

انقلاب فروری ۱۸۴۸ء سے چند روز پہلے، جب وہ گیزو کے ھاتھوں ایک عرصے تک طاقت اور دولت دونوں سے محروم رہنے کے کارن خار کھائے بیٹھا تھا، یہ سونگھ کر کہ کوئی عوامی شورش برپا ہونےوالی ھے، اس نے اپنے مخصوص سرفروشانہ انداز میں (جس نے اس کو زناٹےدار سکھا مشہور کر دیا ھے) پارلیمنٹ کے ایوان کو خطاب کرتے ہوئے کہا :

> ''میرا واسطہ انقلاب پارٹی سے ھے، صرف فرانس میں نہیں، سارے یورپ میں ۔ میری تمنا ھے کہ انقلاب کی سرکار اعتدال‌پسند لوگوں کے ھاتھ میں رھے... لیکن اگر حکومت ان لوگوں کے ھاتھ میں بھی آجائے جو گرم مزاج یا تیز تبدیلیوں کے حامی ہوں، تب بھی اپنے اس مقصد کا دامن نہیں چھوڑوں‌گا۔ ھمیشہ انقلاب پارٹی کا دم بھروں‌گا۔،،

فروری کا انقلاب پھٹ پڑا۔ بجائے اس کے کہ، جیسا اس بےحیثیت آدمی نے سوچا تھا، گیزو کی وزارت ٹوٹ کر تیئر کی وزارت بنتی، انقلاب نے لوئی فلپ کو ھٹاکر ریپبلک بنا دی۔ عام لوگوں کی فتح کے پہلے

دن تو وہ ہوشیاری سے چھپا رہا اور بھول گیا کہ مزدوروں کی نظر میں اس کا بےحیثیت ہونا ہی ان کی نفرت کا شکار ہونے سے بچا لے گا۔ اپنی دلیری کے افسانوں کے باوجود اس نے منظر عام پر آنے کی ہمت نہ کی لیکن جون مہینے کے قتل عام کی دیر تھی کہ اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع مل گیا۔ وہ ضابطہ پارٹی (۹۷) اور اس کی پارلیمنٹری ریپبلک کا ایک سرگروہ بن بیٹھا، اس گمنام کھچڑی حکومت کا، جس میں حاکم طبقے کی تمام دست و گریباں ٹکڑیاں سر جوڑ کر عوام کو کچلنے کی سازش میں لگی ہوئی تھیں اور اپنے اپنے گروہ کی بادشاہی جمانے کی فکر میں ایک دوسرے کے خلاف بھی جوڑ توڑ کئے جا رہی تھیں۔ اب کی طرح تب بھی تیئر نے ریپبلکنوں کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا کہ ریپبلک کے قدم جمنے میں وہی ایک رکاوٹ ہیں۔ جیسے جلاد نے دون کارلوس سے کہا تیئر نے بھی اسی طرح ریپبلک سے تب کہہ دیا تھا کہ ''میں تیری گردن کاٹوں گا، مگر تیری ہی بھلائی کے لئے''۔ اور تب کی طرح اب بھی وہ اپنی بازی جیتنے پر صدا لگا کر رہے گا کہ L'Empire est fait — سلطنت تیار ہے۔ اگرچہ اس شخص کی زبان پر لازمی آزادیوں کا ظاہرا پرچار ہے، اور لوئی بوناپارٹ کی طرف سے دل میں غبار بھرا ہے، کہ اس نے مجھے بےوقوف بنایا اور پارلیمنٹری طرز حکومت کو نکال باہر کیا، اور خوب جانتا ہے کہ پارلیمنٹری نظام کی مصنوعی فضا سے نکل کر اس کی حیثیت ملیامیٹ ہو جاتی ہے، تاہم اسی تیئر نے دوسری شہنشاہی کے سارے گندے لچھنوں میں ہاتھ رنگے، روم پر فرانسیسی فوجوں کے قبضے سے لے کر پروشیا سے جنگ چھڑنے تک سب کرموں میں شریک رہا۔ جرمنوں کے ایک ہونے پر اتنا زہر اگلا کہ جنگ تک نوبت پہنچا دی، جرمنوں کا ایک ہونا اسے پروشیائی استبداد کا پردہ تو نظر نہ آیا البتہ جرمنوں میں نااتفاقی رہنے کا فرانس کو جو لازوال حق حاصل تھا اس میں رخنہ پڑ گیا۔ اس بالشتیے کو بہت شوق تھا کہ یورپ کی آنکھوں کے سامنے نپولین اول کی تلوار چمکایا کرے اور اپنی تاریخی تصنیفوں میں وہ نپولین اول کے جوتے چمکانے کی خدمت بھی خوب انجام دے چکا تھا۔ حقیقت میں اس کی خارجہ پالیسی ہمیشہ

فرانس کو ذلت کی تہہ میں اتارنے کے کام آتی رہی، ۱۸۴۰ء کے لندن کنونشن (۹۸) سے لے کر ۱۸۷۱ء میں پیرس کے ہتھیار ڈالنے تک اور اب اس خانہ جنگی تک یہی عمل جاری رہا جس میں بسمارک کی خاص منظوری سے اس نے سیدان اور میتز کے جنگی قیدیوں کو پیرس پر ٹوٹ پڑنے کے لئے ھشکارا ھے (۹۹) - اپنی قابلیتوں کی رنگارنگی اور شوق کی کروٹوں کے باوجود اس شخص نے ساری زندگی پرانی لکیر پیٹنے میں بسر کی ھے - یہ جتانے کی ضرورت نہیں کہ جدید سوسائٹی میں جو گہرے دھارے رواں ھیں، وہ ھمیشہ اس کی رسائی سے باھر ایک راز رہے ھیں - لیکن اوپر کی سطح پر جو تبدیلیاں نظر کے سامنے رہتی ھیں وہ بھی اس دماغ کی گرفت میں نہیں آتیں جس دماغ کی ساری طاقت زبان نے کھینچ لی ھے - مثلاً فرانس کے پرانے سرپرستانہ سسٹم سے ادھر ادھر ھٹنے کو وہ ایسا قصور سمجھ کر کوستا تھا جس سے ایمان میں خلل آگیا ھو - جب وہ لوئی فلپ کا وزیر تھا تو اس نے ریلوے پر دیوانہ‌پن کے فقرے کسے اور جب لوئی بوناپارٹ کے زمانے میں مخالف پارٹی میں تھا تو فرانس کے سڑے گلے فوجی نظام میں اصلاح کی ھر ایک کوشش پر داغ لگا دیا - اپنی سیاسی زندگی کے طول طویل عرصے میں کبھی ایک بھی، معمولی سی خطا بھی اس سے سرزد نہیں ھوئی کہ کسی قدر عملی فائدے کا کام کیا ھو - تیئر صرف دولت کی حرص اور دولت پیدا کرنے والوں سے نفرت میں ھی پکا تھا - جب اسے لوئی فلپ کے زمانے میں پہلی بار وزارت کا موقع ملا تو بالکل مفلس تھا، وزارت چھوڑی تو لکھ پتی بن چکا تھا - اسی بادشاہ کے زمانے میں جب آخری بار وزیراعظم رہا (پہلی مارچ ۱۸۴۰ء سے) تو کھلے ایوان میں اس پر سرکاری رقمیں غبن کرنے کا الزام لگا، جس کا جواب اتنا ھی تھا کہ وہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا - یہ اتنا سستا نسخہ ھے کہ ژیول فاور اور ھر طرح کے مگرمچھ اس میں شریک رہے ھیں - بوردو میں اس نے فرانس کو مالی دیوالیہ پن کے خطرے سے بچانے کی اولین تدبیر یہ کی کہ اپنے لئے تیس لاکھ سالانہ تنخواہ مقرر کرالی - یہ اس ”کفایت شعار ریپبلک“ کا پہلا اور آخری حرف تھا جس کے دریا ۱۸۶۹ء میں پیرس کے اپنے ووٹروں کے لئے بہادئے تھے - ۱۸۳۰ء کی

پارلیمنٹ میں اس کے ایک پرانے رفیق کار موسیو بیلے نے، جو خود سرمایہ‌دار ہو کر بھی پیرس کمیون‌میں دل و جان سے شریک ہیں، کچھ دن پہلے ایک عام اشتہار میں تیئر کو ان لفظوں سے خطاب کیا تھا:

''محنت کو سرمائے کا غلام بنانا ہمیشہ سے تمھاری سیاست کا نشان راہ بنا رہا ہے۔ اور اسی وقت سے جب پیرس کے ٹاؤن ہال میں محنت کی ریپبلک قائم ہوئی، تم پورے فرانس سے یہ کہتے نہیں تھکے کہ لو، یہ رہے مجرم!''

چھوٹے موٹے سرکاری جوڑتوڑ کا استاد، دروغ حلفی اور غداری میں باکمال، سبھی قسم کے روکھے پھیکے حربوں، ہتھکنڈوں، ادنادرجے کے داؤ پیچ اور پارلیمنٹ‌والی پارٹیوں کی چھینا جھپٹی کی گھٹیا تکڑموں میں چلتا پرزہ؛ جب عہدہ ہاتھ میں نہ ہو تو انقلاب کی آگ لگانے تک سے باز نہ آنےوالا، اور طاقت ہاتھ میں آئے تو انقلاب کو خون میں ڈبونے والا؛ خیال یا نظریے کے بجائے طبقاتی تعصب اور دل و جذبہ کی جگہ خودپسندی کا شکار، یہ شخص جس کی نجی زندگی بھی اتنی ہی گندی ہے جتنی گھناونی سماجی زندگی، یہ تیئر آج فرانسیسی سولا کا پارٹ ادا کرتے وقت بھی اپنی حرکات کے سفلےپن کو مضحکہ‌خیز شیخی خوری کے ذریعے ابھارنے سے باز نہیں آتا۔

پیرس نے ہتھیار ڈالے، اور پروشیا کو نہ صرف پیرس، بلکہ پورا فرانس حوالے کر دیا تو اسی کے ساتھ تکڑموں کا وہ سلسلۂ دراز بند ہو گیا جو ۴ ستمبر کو ہی طاقت ہتھیا لینےوالوں نے، بقول تروشیو کے، دشمن سے ساز باز کر کے شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف ہتھیار ڈالنے کے سبب اس خانہ جنگی کی ابتدا ہو گئی جسے وہ لوگ پروشیاوالوں سے مل کر ریپبلک اور پیرس کے خلاف چلانے لگے۔ ہتھیار ڈالنے کی شرطوں میں ہی ایک چال رکھی گئی تھی۔ اس وقت ملک کا ایک تہائی سے زیادہ علاقہ دشمن کے ہاتھ میں تھا، راجدھانی کا صوبوں سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا، رسل و رسائل کے سبھی ذریعے بگڑے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں، جب تک تیاری کی کافی مہلت نہ مل جائے، ایسے لوگوں کا چناؤ ناممکن تھا جو واقعی فرانس کے نمائندے

ہوں۔ اور اوپر سے شرط یہ لگی ہوئی کہ قومی اسمبلی کا چناؤ آٹھ دن کے اندر ہو جانا چاہئے۔ نتیجہ یہ کہ ملک کے بہت سے حصوں میں الکشن ہونے کی خبر عین الکشن کے وقت پہنچ سکی۔ مزید یہ کہ ہتھیار ڈالنے کی ایک اور خاص شرط کے مطابق قومی اسمبلی کا چناؤ صرف اس غرض سے ہونا تھا کہ وہ جنگ یا صلح کا فیصلہ کرے اور وقت ضرورت صلح نامے پر دستخط کر دے۔ باشندوں کے دل میں یہ خیال بیٹھ چکا تھا کہ جنگ‌بندی کی شرطوں نے جنگ جاری رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور ایسی صلح کی منظوری دینے کے لئے جو بسمارک کے دباؤ میں کی جائے، فرانس کے بدترین لوگ ہی بہترین ثابت ہوتے۔ اتنی کچھ پیش بندیاں کر لینے کے باوجود تیئر نے، اس سے پہلے کہ جنگ‌بندی کا راز پیرس‌والوں تک پہنچے، شہر چھوڑ دیا اور صوبوں میں انتخابی دورہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، نیت یہ تھی کہ جائزوارث والی (Legitimist) پارٹی (۱۰۰) کے تن مردہ میں جان ڈالی جائے کیوں کہ اس پارٹی کو اورلین‌والوں سے مل کر بوناپارٹ کے گروہ کی جگہ لینی تھی جو فی الحال ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ تیئر کو اب جائزوارث والوں سے کوئی ڈر نہیں تھا۔ یہ لوگ جدید فرانس کی حکومت چلانے کے تو اہل تھے نہیں، حریف یا رقیب بن کر کیا بگاڑ لیتے، اس پارٹی کی تمام تر سرگرمی خود تیئر کے بقول (جو ۵ جنوری ۱۸۳۳ء کو وہ ایوان پارلیمنٹ میں کہہ چکا تھا)

''صرف تین پایوں پر کھڑی تھی: باہر کا حملہ، خانہ جنگی اور افراتفری،،۔

اس لئے یہی پارٹی انقلاب کے توڑ پر آلۂ کار بننے کے لئے انتہائی کارآمد نظر آئی۔ جائزوارث والے اس عقیدے میں مگن تھے کہ پہلے کی سی ہزارسالہ موعودہ سلطنت پھر قائم ہوگی۔ اور یہاں غیرملکی فاتحوں کے بوٹوں تلے فرانس پھر کچلا جا رہا تھا، پھر سلطنت سرنگوں ہو گئی تھی، اور بوناپارٹ پھر قیدی بن چکا تھا؛ جائزوارث‌والے پھر کفن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ تاریخ

کا پہیہ الٹا گھوم گیا تاکہ ۱۸۱۶ء کے «Chambre introuvable» (انوکھے دربار) (۱۰۱) کے سامنے پہنچ کر تھم جائے - ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۱ء تک رپبلک کی قومی اسمبلیوں میں ان کی نمائندگی تعلیم‌یافتہ اور پارلیمنٹری معاملات کے منجھے ہوئے لوگ کیا کرتے تھے مگر اب جو پارٹی کے عام ممبروں نے ہلہ بولا تو گویا فرانس کے سارے موٹی عقل کے چودھری * اسمبلی میں بھر گئے -

جیسے ہی ''چودھریوں کی چوپال،، (۱۰۲) بوردو میں بیٹھی، تیئر نے صاف لفظوں میں اسے جتا دیا کہ صلح کی ابتدائی باتوں کی منظوری فوراً دے دینی چاھئے، اس کے لئے پارلیمنٹ کے مباحثے تک کی گنجائش نہیں ھے، یہ ایک شرط پوری ہونی ھے تاکہ پروشیاوالے فرانسیسی رپبلک اور اس کے گڑھ پیرس پر جنگ کا دروازہ کھولنے کی اجازت دے دیں - واقعہ یہ ھے کہ انقلاب کے دشمنوں کے پاس سوچ بچار کا وقت بھی نہ تھا - دوسری شہنشاھی نے قومی قرضے دوگنے سے بھی زیادہ پہنچا دئے تھے اور ملک کے بڑے بڑے شہر بھاری میونسپل قرضوں میں دب گئے تھے - جنگ نے قرض کے بوجھ خطرناک حد تک بڑھا دئے تھے اور قوم کی آمدنی کے ذرائع بےدردی سے تباہ کر ڈالے تھے - تباھی میں جو رھی سہی کسر تھی اسے پورا کرنے کو، پروشیائی شائی‌لاک فرانس کی سر زمین پر اپنی پانچ لاکھ فوج کا خرچ اور ۵ ارب تاوان جنگ وصول کرنے کے لئے، جس میں بقایا پر پانچ فیصدی سود بھی دینا تھا، پکی دستاویز لئے موجود تھا - اس کا بھگتان کون کرے؟ صرف رپبلک کا تختہ بزور طاقت الٹ کر دولت پر ھاتھ صاف کرنے‌والے وہ لوگ جنھوں نے خود جنگ چھیڑی تھی، جنگ کے خرچوں کا سارا بار دولت پیدا کرنے والوں کے سر ڈال سکتے تھے - اس طرح سے فرانس کے خاک و خون میں مل جانے کی وجہ سے زمین جائداد اور سرمائے کے ان نمائندہ محبان وطن کو یہ شہ ملی کہ غیرملکی فاتح

---

* مارکس نے یہاں Pourceaugnac کا لفظ لکھا ھے جو مولیئر کے ڈرامے میں ایسا کیرکٹر ھے جس سے چھوٹی حیثیت اور موٹی عقل کے زمیندار کی تصویر ابھرتی ھے -

کی نظر کے سامنے اور اس کے زیرسایہ، باہر سے آئی ہوئی جنگ پر خانہ‌جنگی، یا بردہ‌فروشوں کی شورش بھی لاد دیں۔

اس سازش کے راستے میں صرف ایک ہی رکاوٹ تھی، پیرس کی رکاوٹ۔ اور کامیابی کی اولین شرط یہ تھی کہ پیرس سے ہتھیار لے لئے جائیں۔ چناں‌چہ اسی شہر سے تیئر نے ہتھیار رکھ دینے کے لئے کہا۔ وہ سب ترکیبیں کی گئیں جن سے پیرس کے صبر کا پیمانہ چھلک جائے: ''چودھریوں کی چوپال،، نے رپبلکنوں کے خلاف بڑا ہائے واویلا مچایا؛ خود تیئر نے رپبلک کے قانونی وجود پر کافی دورخی باتیں کہہ ڈالیں؛ پیرس کو دھمکی دی گئی کہ سراتار لیا جائے گا، یعنی شہروں کا سرتاج نہیں رہنے دیا جائے گا؛ اورلین‌والوں کو سفارت کے عہدے بخشے گئے؛ دیوفور نے مقررہ میعاد میں سرکاری قرضے اور کرایہ مکان ادا نہ کرنے پر سخت قانون (۱۰۳) بنادئے، ایسے قانون جن سے پیرس کا بیوپار اور صنعتی کاروبار بالکل اکھڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا؛ پویے کرتیے کے حکم سے خواہ کوئی اشاعت ہو، اس پر فی کاپی دو سینتم ٹیکس لگ گیا؛ بلانکی اور فلورنس کے لئے سزائے موت کا اعلان ہوا؛ رپبلکن خیالات کے اخبار بند کر دئے گئے؛ قومی اسمبلی کو وارسائی میں منتقل کر دیا گیا؛ پالیکاؤ نے شہر کے محاصرے کی جس حالت کا اعلان کیا تھا، اور جسے ۴ ستمبر کے واقعات نے اٹھا دیا تھا، وہ پھر سے لگا دی گئی؛ décembriseur (۱۰۴) وینوآ کو پیرس کا گورنر مقرر کیا گیا؛ بوناپارٹ کا ژندارم (سیاسی پولیس افسر) والن‌تین پولیس پریفیکٹ بنا، اور یسوعی فرقے کے جنرل اوریل‌دی پلادین کو پیرس کے نیشنل گارڈ کا کمانڈر انچیف بنا کر بٹھا دیا گیا۔

یہاں ہم مسٹر تیئر اور اس کے ہالی موالی، قومی ڈیفنس کی سرکار کے ممبروں سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ تیئر نے اپنے وزیر مالیات پویے کرتیے کے ذریعے دو ارب کا قرضہ لیا تھا۔ یہ سچ ہے یا نہیں کہ:

۱) یہ سودا اس ترکیب سے کیا گیا کہ تیئر، ژیول فاور، ارنسٹ پی‌کار، پویے کرتیے اور ژیول سیموں کو اس سے کئی کروڑ کی رقم ہاتھ آگئی؟

۲) شرط رکھی گئی کہ جب پیرس میں ''امن چین،، ہو چکے گا تب ادائگی کی باری آئےگی (۱۰۵)؟

بات جو بھی ہو، کسی کارن انھیں اس معاملے کی بہت جلدی پڑی تھی کیوں کہ تیئر اور ژیول فاور نے نہایت بےشرمی کے ساتھ یہ کوشش کی کہ بوردو کی اسمبلی کی اکثریت کی تائید ہو جانے کے بہانے پیرس بےشرمی سے پروشیائی فوج کے حوالے کر دیں۔ لیکن بسمارک کی یہ نیت نہیں تھی جیسا کہ اس نے جرمنی واپس پہنچنے پر فرینکفرٹ کے تنگ نظر بغلیں بجانے والوں کو ہنس ہنس کر اور باآواز بلند سنایا تھا۔

۲

انقلاب دشمن سازش میں کوئی بھاری رکاوٹ تھی تو ہتھیاربند پیرس۔ اس لئے پیرس کو نہتا کرنا تھا۔ اس سوال پر بوردو کی اسمبلی نے اپنی نیت بہت کھلے لفظوں میں ظاہر کردی۔ اگر اس ''چودھریوں کی چوپال،، کے ممبروں کی غضبناک گرج سے یہ بات اتنی کھل کر نہ آتی، تب بھی پیرس کو تیئر نے جس طرح décembriseur وینوآ، بوناپارٹ والے سیاسی پولیس افسر والن‌تین اور یسوعی فرقے کے جنرل اوریل دی پلادین کے رحم و کرم پر چھوڑا، وہی ہر قسم کا شبہ دور کرنے کو کافی تھا۔ ان سازشیوں نے پیرس کے ہتھیار لے لینے میں اپنی اصلی نیت اس بدتمیزی سے ظاہر کی کہ ایک انتہائی نامعقول اور بےحیائی کا بہانہ تراش کر سنا دیا۔ تیئر نے اعلان کیا کہ پیرس کے نیشنل گارڈ کا توپ خانہ سرکاری ملکیت ہے، اس لئے سرکار کو واپس کیا جانا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہتھیار ڈال دینے کے اول روز سے جب بسمارک کے ان قیدیوں نے پورا فرانس حوالے کرنے کے کاغذ پر دستخط کئے، لیکن خاص اس غرض سے کہ پیرس پر رعب داب رکھیں، اپنی ذاتی حفاظت کے بہت سارے ہتھیاربند دستے بچا کر رکھ لئے، شہروالے خبردار ہو گئے۔ نیشنل گارڈ نے پھر سے اپنی تنظیم کی اور سارے اختیارات کا مالک ایک مرکزی کمیٹی کو بنا دیا جو بوناپارٹ کے چند پرانے دستوں کے بعض ٹکڑے چھوڑ کر،

باقی تمام نیشنل گارڈوالوں کے ووٹ سے چنی گئی تھی۔ جب وہ وقت آیا کہ پروشیائی فوجیں شہر میں داخل ہوں، مرکزی کمیٹی نے یہ انتظام کیا کہ وہ توپیں اور مترالیوز جو ہتھیار ڈالنے کے حامی دغا فریب سے خاص انھی ٹھکانوں میں یا ان کے آس پاس چھوڑ گئے تھے جہاں پروشیائی فوج کو چھاونی ڈالنی تھی، وہاں سے اٹھواکر مون‌مارتر، بیلویل اور لاویلیت میں رکھوا دیں۔ یہ وہ توپخانہ تھا جو نیشنل گارڈ کے چندوں سے جوڑا گیا تھا۔ ۲۸ جنوری کو ہتھیار ڈالنے کی دستاویز میں بھی اس کی یہ پرائیویٹ حیثیت مانی گئی تھی اور خاص اسی حیثیت سے وہ ان ہتھیاروں کی فہرست سے بھی خارج رکھا گیا تھا جو سرکاری ملکیت میں شمار ہوکر فاتح کے سامنے ڈال دئیے جاتے۔ مگر یہ شخص تیئر پیرس کے سر پر جنگ لانے کے چھوٹے سے چھوٹے بہانے سے بھی ایسا خالی ہاتھ ہو چکا تھا کہ اسے اتنا سفید جھوٹ بولنا پڑا کہ نیشنل گارڈ کا توپخانہ سرکاری ملکیت ہے!

اس توپخانے پر قبضہ کر لینا صاف صاف ایک ابتدائی قدم تھا اس غرض سے کہ پیرس کو بالکل ہی نہتا کر دیا جائے اور پھر ۴ ستمبر کا انقلاب بےبس ہوکر رہ جائے۔ لیکن یہ وہ انقلاب تھا جو فرانس کی قانونی حیثیت بن چکا تھا۔ ہتھیار ڈالنے کی دستاویز تک میں فاتح طاقت ریپبلک کو تسلیم کر چکی تھی جو اسی انقلاب کی دین تھی۔ اور ہتھیار ڈالنے کے فوراً بعد باہر کی طاقتوں نے بھی اسے مان لیا تھا اور اسی کی طرف سے قومی اسمبلی طلب کی گئی تھی۔ بوردو میں بیٹھی ہوئی قومی اسمبلی اور اس کی انتظامی طاقت دونوں کی قانونی حیثیت اسی انقلاب کی بدولت تھی جو پیرس کے محنت کشوں نے ۴ ستمبر کو برپا کیا تھا۔ اگر یہ انقلاب نہ ہوا ہوتا تو پھر قومی اسمبلی کو فوراً اس قانون ساز اسمبلی کے لئے جگہ خالی کرنی پڑتی جو پروشیا کی نہیں بلکہ فرانس کی حکومت کے سائے میں عام رائے دھندگی کی بنا پر ۱۸۶۹ء میں چنی گئی تھی اور انقلابی ہنگامہ اس اسمبلی کو نکال باہر کر چکا تھا۔ اگر ۴ ستمبر کے انقلاب کی قانونی حیثیت نہ ہوتی تو تیئر اور اس کے داخلہ باز دس نمبریوں کو، کائینا (۱۰۶) جانے کی سزا سے بچنے کے لئے لوئی بوناپارٹ کے دستخطوں سے نیک چلنی کی

ضمانت داخل کرنی پڑتی۔ یہ قومی اسمبلی، جسے پروشیا کے ساتھ صلح کی شرطیں طے کرنے کا مختار بنایا گیا، خود اسی انقلاب کے واقعات میں سے ایک واقعہ تھی اور اس کی اصلی ہستی ہتھیاربند پیرس کی صورت میں آنکھوں کے سامنے تھی، اس پیرس کی صورت میں، جس نے یہ انقلاب برپا کیا، وہ پیرس جس نے انقلاب کی خاطر پانچ مہینے تک پیٹ پر پتھر باندھ کر، مصیبتیں بھرکر محاصرے کا مقابلہ کیا، وہ پیرس جس نے تروشیو کی چالوں سے بےنیاز ہوکر، غنیم سے مسلسل ٹکر لیتے ہوئے یہ راہ بنائی کہ صوبوں میں جم کر اپنی حفاظت کی جنگ جاری رکھی جائے۔ اور اب پیرس کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے: یا تو بوردو کے فتنہ پرور بردہفروشوں کے توہینآمیز حکم پر اپنے ہتھیار رکھ دیتا، اور یہ مان لیتا کہ ۴ ستمبر کے انقلاب کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ لوئی بوناپارٹ کے ہاتھ سے طاقت نکل کر تخت و تاج کے دوسرے دعویداروں کو چلی جائے، یا پھر فرانس کی خاطر تن من دھن کی قربانی کے لئے اسے اٹھ کھڑے ہونا تھا، وہ فرانس جسے انتہائی بربادی سے بچانے اور نئی زندگی کی روح دوڑانے کی بس ایک ہی سبیل رہ گئی تھی کہ ان سیاسی اور سماجی حالات کے بندھن انقلابی وار سے کاٹ کر پھینک دئے جائیں جن کی بدولت دوسری شہنشاہی پنپی تھی اور اس کی سرپرستی میں وہ اور بھی گل سڑ چکے تھے۔ پانچ مہینے کی فاقہ کشی نے پیرس کو نڈھال کر رکھا تھا مگر اس کے پاؤں میں زرا لغزش نہ آئی۔ ہمتمردانہ نے اسے ان فرانسیسی سازشیوں سے ٹکر لینے پر کمربستہ کر دیا، حالاں کہ خود فرانس کے قلعوں سے پروشیائی توپیں اپنے دھانے کھولے کھڑی تھیں۔ پیرس کو جس خانہ جنگی میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی تھی، اس کو رد کرتے ہوئے سرکزی کمیٹی برابر ڈیفنس کی پوزیشن پر قائم رہی اور اس نے نہ اسمبلی کی اشتعال انگیزی پر دھیان دیا، نہ انتظامیہ کی غاصبانہ حرکتوں پر، نہ اس خطرے سے وہ بدحواس ہوئی کہ پیرس کے اندر اور باہر فوجوں کی یورش بڑھتی جا رہی ہے۔

اور اب تیئر نے خانہ جنگی شروع کر دی۔ اس نے پولیس والوں اور کئی چھاونی رجمنٹوں کو وینوآ کی سرکردگی میں رات کی تاریکی

میں بھیج کر مون مارتر پر ڈاکہ ڈلوا دیا تاکہ نیشنل گارڈ کے توپخانے پر ایکا ایکی قبضہ کر لیا جائے۔ سب کو معلوم ہے کہ نیشنل گارڈ کے منہ توڑ مقابلے اور فوجیوں کے عام لوگوں سے مل‌جانے کی بدولت اس کوشش کا کیا انجام ہوا۔ اوریل دی پلادین فتح کا خبرنامہ پیشگی ہی چھاپ ڈالنےوالا تھا اور تیئر کے پاس coup d'état (حکومت کا تختہ الٹنے) کو مکمل کرنےوالے احکام لکھے ہوئے تیار تھے۔ ان سب پر پانی پھر گیا اور ان کی جگہ ایک اعلان عام نکلا جس میں تیئر کے اس شریفانہ فیصلے کی خبر درج تھی کہ نیشنل گارڈ کے ہتھیار اسی کو بخشے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ فتنہ پردازوں سے نمٹنے میں نیشنل گارڈ حکومت کے گرد جمع ہوکر ان ہتھیاروں سے کام لےگا۔ نیشنل گارڈ کے ۳ لاکھ جوانوں میں سے صرف تین سو ایسے نکلے جنھوں نے بالشتیے تیئر کی صدا پر کان دھرے تاکہ اسے خود اپنوں سے بچانے کے لئے گردا گرد حلقہ بنالیں۔ مزدوروں کا ۱۸ مارچ والا شاندار انقلاب پورے پیرس کو اپنی رو میں بہالےگیا۔ مرکزی کمیٹی اس کی عارضی سرکار قرار پائی۔ معلوم ہوا کہ یورپ لمحہ بھر کو تو ٹھٹک کر رہ گیا کہ سرکار اور جنگ کے جو سنسنی‌خیز واقعات آنکھوں دیکھتے گزرے ہیں وہ حقیقت بھی ہیں یا نہیں: کہیں بھولے بسرے دنوں کا خواب تو نہیں دیکھا؟

۱۸ مارچ سے لےکر اس دن تک جب وارسائی کی فوجیں پیرس میں گھس پڑیں، پرولتاری انقلاب جبر اور زیادتی کی ان حرکتوں سے جو ''اونچے طبقوں،، کے انقلاب، خاص کر انقلاب دشمن ہنگاموں میں ضرورت سے زیادہ ہوا کرتی ہیں، اتنا پاک صاف رہا کہ دشمنوں کے پاس ہائے واویلا مچانے کے لئے جنرل لیکونت اور جنرل کلیماں تھاسں کی پھانسی اور ویندوم والے واقعے کے سوا کوئی اور بہانہ تک نہیں رہ گیا۔

بوناپارٹ کے فوجی افسروں میں سے ایک شخص، جنرل لیکونت، جو مون‌مارتر پر رات کو چڑھائی کرنے گیا تھا، اس نے چھاونی کی ۸۱ ویں رجمنٹ کو چار بار حکم دیا کہ پیگال چوک کے مجمع پر گولی چلاؤ۔ جب فوجیوں نے حکم نہ مانا تو وہ بازاری گالیوں پر اتر آیا۔

اس کے جوانوں نے عورتوں اور بچوں کو بھون ڈالنے کے بجائے اسی کو گولی سے اڑا دیا۔ مزدور طبقے کے دشمنوں کے زیرتربیت رہ کر فوج والوں میں جو عادتیں خوب پختہ ہو چکی ہوں، اگر خود فوجی اپنی صف بدل کر مزدوروں میں آملیں تو وہ عادتیں چٹکی بجاتے نہیں بدلا کرتیں۔ انھی فوجیوں نے جنرل کلیماں تھاسں کو بھی گولی مار دی۔

''جنرل،، کلیماں تھاسں جو پہلے اپنے کوارٹر ماسٹر سرجنٹ کے عہدے سے کچھ خوش نہیں تھا، لوئی فلپ کے آخر دور حکومت میں رپبلکن اخبار ''نیشنل،، (۱۰۷) کی ملازمت میں آ گیا اور دوہری ذمہداری اپنے سر لے لی — ایک تو چیف ایڈیٹر کا قائم مقام* (gérant responsable) بنا، دوسرے اس چومکھی لڑنےوالے اخبار کے کالموں میں اس نے دو بدو لڑنا شروع کر دیا۔ جب فروری ۱۸۴۸ء کا انقلاب ہوا اور ''نیشنل،، اخباروالے طاقت میں آگئے تو انھوں نے اس پرانے کوارٹر ماسٹر کو پلٹ کر پھر جنرل بنا دیا۔ اور یہ واقعہ جون ۱۸۴۸ء کی اس سفاکی کے موقع پر ہوا جس کی ذلیل سازشی تیاری میں وہ ژیول فاور کی طرح خود شریک بھی تھا اور اس کا سب سے بےدرد جلاد بھی بنا۔ اس خونی واقعے کے بعد وہ پھر نظروں سے اوجھل رہا اور پہلی نومبر ۱۸۷۰ء تک کہیں نمودار نہیں ہوا۔ عین اس سے ایک روز پہلے ڈیفنس کی سرکار نے، جو ٹاؤن ہال میں گھر گئی تھی، بلانکی اور فلورنس اور مزدوروں کے دوسرے نمائندوں سے حلفیہ وعدہ کیا کہ جو طاقت انھوں نے ہتھیائی ہے وہ اس کمیون کے حوالے کر دیں گے جو پیرس کے آزادانہ ووٹ سے چنا جائے (۱۰۸)۔ اپنا وعدہ تو کیا پورا کرتے انھوں نے پیرس پر تروشیو کے ''برے تن،، شکاری چھوڑ دئے جنھوں نے بوناپارٹ کے کورسیکی فوجیوں کی جگہ لےلی (۱۰۹)۔ تنہا ایک جنرل تمیزیے تھا جس نے اس وعدہ خلافی کا الزام اپنے سر لینے سے انکار کر دیا اور نیشنل گارڈ کے کمانڈر انچیف

---

* ۱۸۷۱ء اور ۱۸۹۱ء کے جرمن ایڈیشنوں میں یہاں یہ الفاظ تھے: ''وہ جو خود قید و بند اپنے سر لیتا ہے،،۔ (ایڈیٹر)

کے عہدے سے استعفا دے دیا۔ کلیماں تھاسس اس کی جگہ پھر جنرل بن گیا۔ جب تک وہ اپنے عہدے پر رہا، پروشیائی فوج سے جنگ کرنے کے بجائے پیرس نیشنل گارڈ سے لڑتا رہا۔ ان کے ھتھیار بند ھونے میں رکاوٹیں ڈالیں، محنت کشوں کی بٹالینوں کے سامنے بورژوازی کی بٹالینیں لگا دیں، ان افسروں کو چن چن کر نکالا جو تروشیو کے ''منصوبے،، کے خلاف تھے اور انھی پرولتاری بٹالینوں کو بزدلی کا الزام لگا کر توڑا، جن کی سورمائی جانی دشمنوں تک کو آج حیرت میں ڈالے ھوئے ھے۔ کلیماں تھاسس پھولے نہیں سماتا تھا کہ پھر ایک موقع ھاتھ آگیا ھے پیرس کے پرولتاری طبقے سے اپنا ذاتی بغض نکالنے کا، جو ۱۸۴۸ء کے جون والے قتل عام میں ابھر کر آیا تھا۔ ۱۸ مارچ کی تاریخ سے چند روز پہلے ھی اس نے وزیر جنگ لےفلو کے سامنے اپنی اسکیم رکھی کہ ''پیرس کے * canaille میں چنے ھوئے لوگوں کا ھمیشہ کے لئے قصہ ھی پاک کر دیا جائے،،۔ وینوآ کی شکست کے بعد اس سے رھا نہ گیا اور جائے واردات پر ایک شوقیہ جاسوس بن کر جا پہنچا۔ کلیماں تھاسس اور لیکونت کی موت کی ذمہ‌داری مرکزی کمیٹی اور پیرس کے مزدوروں پر بس اتنی ھے جتنی پرنسس آف ویلز (برطانوی راجکماری) پر ان لوگوں کی موت کی ذمہ‌داری، جو لندن میں شاھی سواری کے داخلے کے دن بھیڑ میں کچل کر مر گئے۔

ویندوم میدان پر نہتے لوگوں کا قتل عام ایک من گھڑت کہانی ھے جس پر خود تیئر اور ''چودھریوں کی چوپال،،، دونوں بےوجہ خاموش نہیں رھے۔ لیکن اسے پھیلانے کا کام چن کر یورپی اخبارنویسی کے دم چھلوں کو دے دیا گیا۔ وہ جو ''ضابطہ پسند،، بنے پھرتے تھے، پیرس کے رجعت پرست، ۱۸ مارچ کی جیت کی خبر سن کر کانپ اٹھے۔ ان کی نظر میں یہ واقعہ ایسا تھا گویا عوام نے اپنے یوم حساب کا صور پھونک دیا۔ جون ۱۸۴۸ء سے لے کر ۲۲ جنوری ۱۸۷۱ء تک (۱۱۰) جتنے لوگ ان کے ھاتھوں خاک و خون میں ملے تھے، وہ نظروں میں پھرنے لگے۔ بد حواسی ھی ان ظالموں کی سزا بن گئی۔ پولیس

---

* گرے پڑے بے حیثیت لوگ۔ (ایڈیٹر)

افسروں کے، نہ صرف یہ کہ ہتھیار نہیں چھینے، انہیں گرفتار نہیں کیا، جو کرنا چاہئے تھا، بلکہ پیرس شہر کے پھاٹک چوپٹ کھول دئے گئے تاکہ وہ نکل کر خیریت سے وارسائی پہنچ جائیں۔ ان ''ضابطہ پسندوں،، کو نقصان پہنچانا تو درکنار، یہ موقع بھی دے دیا گیا کہ وہ اکٹھے ہو جائیں، انہوں نے شہر کے خاص مرکز میں ہی چپ چاپ کئی ایک اڈے جمالئے۔ مرکزی کمیٹی کی اس رواداری کو، مسلح مزدوروں کی اس عالی ظرفی کو، جو ضابطہ پارٹی کے برتاؤ سے اس قدر مختلف تھی، اس پارٹی نے مزدوروں کی بےبسی کا اقرار سمجھا۔ اسی لئے ضابطہ پارٹی‌والوں کو بے عقلی کا ایک پلان سوجھا، یہ کہ ظاہر میں ایک بےہتھیار جلوس نکال کر وہ کام بنانے کی کوشش کی جائے جو وینوآ اپنی توپوں اور سترالیوزوں سے نہیں نکال سکا تھا۔ ۲۲ مارچ کو کھاتے پیتے خوشحال محلوں سے فیشن‌ایبل صاحبان کا ایک ہجوم چلا، جس میں ہر قسم کے petits crevés * بھرے تھے۔ جلوس کے آگے آگے شہنشاہی کے مشہور پروردہ، جیسے ہیکرین، کیوت‌لوگاں، آنری دی پین، وغیرہ تھے۔ بزدلی کے مارے پر امن جلوس کا پردہ رکھا تھا لیکن اندر سے ڈاکوؤں کے ہتھیاروں سے لیس، یہ بدمعاش مارچ کرتے ہوئے بڑھے، راستے میں اکادکا پہرے کے نیشنل گارڈ‌والوں اور چوکیوں سے ہتھیار چھینتے اور ان کی توہین کرتے چلے جا رہے تھے۔ دےلاپے روڈ سے نکلتے وقت انہوں نے نعرے لگائے ''مرکزی کمیٹی مردہ‌باد! قاتل مردہ‌باد! قومی اسمبلی زندہ باد!،، اور کوشش کی کہ ناکہ بندی توڑکر ہلہ بول دیں اور ویندوم میدان میں نیشنل گارڈ کے ہیڈ کوارٹر پر اچانک قبضہ کرلیں۔ ان کی طرف سے پستول داغے گئے تو جواب میں انہیں sommations (ہجوم بکھرنے کی وارننگ) دی گئی (۱۱۱)۔ اور جب بار بار کے کہنے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو نیشنل گارڈ کے جنرل** نے فائرنگ کا حکم دے دیا۔ ایک باڑھ چلی تو خالی الذہن لوگوں کا یہ ہجوم بھاگ کھڑا ہوا، جو اس وہم

* بانکے چھیلے۔ (ایڈیٹر)

** برژیرے۔ (ایڈیٹر)

میں مبتلا تھا کہ ''عزت دار آدمیوں،، کے مجمع کی ایک جھلک دیکھتے ہی پیرس کے انقلاب پر ویسا جادو کا اثر ہوگا جیسا یری‌ہون (Jericho) کی فصیل پر جوشوا کے ڈھول تاشوں کا ہوا تھا ۔ ان صاحبان نے منھ اٹھا کر بھاگتے وقت نیشنل گارڈ کے دو آدمیوں کو جان سے مار ڈالا اور نو آدمی زخمی کر دئے (ان نو میں مرکزی کمیٹی کا بھی ایک ممبر تھا *) ۔ جائے واردات پر، جہاں انھوں نے معرکہ سر کیا، جا بجا ریوالور، خنجر، نیزے اور اسی قسم کے ہتھیار بکھرے ہوئے تھے جو ان کے ''پرامن،، جلوس کا ''خالی ہاتھ،، نکلنا ثابت کرنے کو کافی تھے ۔ جب نیشنل گارڈ نے ۱۳ جون ۱۸۴۹ء کو مظاہرہ کرکے روم پر فرانسیسی فوج کے غارت‌گرانہ حملے کے خلاف احتجاج کیا تھا تو یہ واقعی ایک پرامن جلوس تھا ۔ لیکن تب قومی اسمبلی اور خاص کر تیئر نے شنگارنیے کو، جو ضابطہ پارٹی کی طرف سے جنرل کے عہدے پر تھا، سماج کا محافظ قرار دے کر اس بات کی داد دی تھی کہ اس نے بےسر و سامان ہجوم عام کو فوج کے نرغے میں لے لیا اور چوطرفہ گولی برسا کر، تلواروں سے کاٹ کر اور گھوڑوں سے کچل کر رکھ دیا ۔ پیرس میں اس وقت محاصرے کی حالت کا اعلان کر دیا گیا تھا ۔ دیوفور نے قومی اسمبلی میں جلدی جلدی جبر و ستم کے نئے قانون پاس کرائے تھے ۔ تازہ گرفتاریوں، جلا وطنی اور دہشت کا دوردورہ ہو گیا تھا ۔ لیکن وہ جنھیں ''نچلے طبقے،، کہا جاتا ہے، دوسری طرح پیش آتے ہیں ۔ ۱۸۷۱ء کی مرکزی کمیٹی نے ''پرامن جلوس،، کے ان سورماؤں کو نظر انداز کر دیا، اور اتنا نظر انداز کیا کہ دو ہی دن بعد ایڈمرل سیسے کی سرکردگی میں انھیں پھر اس ہتھیار بند جلوس نکالنے کی ہمت ہوئی جو آخر وارسائی کی طرف مشہور دیوانہ‌وار فرار پر تمام ہوا ۔ مرکزی کمیٹی چوں‌کہ دل سے اس خانہ جنگی میں پڑنے کے خلاف تھی جو تیئر نے مون مارتر پر نقب زنوں کی طرح حملے سے شروع کی تھی، اس لئے ایک بڑی فاش غلطی کر گئی کہ اسی وقت وارسائی پر چڑھائی کر دینی چاہئے تھی — تب تک

* مالژورنال ۔ (ایڈیٹر)

وارسائی والوں کے پاس اپنے بچاؤ کا سروسامان بھی نہ تھا، اور ہمیشہ کے لئے تیئر کی اور اس کے ''چودھریوں کی چوپال،، والوں کی سازش کا قصہ پاک کر دیا جاتا۔ اس کے بجائے ضابطہ پارٹی کو پھر سہلت دے دی گئی کہ وہ ٢٦ مارچ کو کمیون کے چناؤ میں اپنی طاقت آزما لے۔ اس روز پیرس کے میئر کے دفتروں میں ضابطہ پارٹی‌والوں نے اپنے ضرورت سے زیادہ عالی ظرف فاتحوں کے ساتھ صلح صفائی کی باتیں کہیں اور سنیں، لیکن دل میں قسم کھالی کہ وقت آنے پر انہیں کچا چبا جائیں گے۔

اب زرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں۔ تیئر نے پیرس پر اپنی دوسری سہم اپریل کے شروع میں روانہ کردی۔ پیرس کے قیدیوں کے پہلے جتھے کو جو وارسائی لایا گیا تھا، انتہائی بےدردانہ اذیتیں دی گئیں۔ ارنسٹ پی‌کار پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا رہا، قیدیوں پر فقرے کستا رہا اور تیئر اور فاور کی بیگمات اپنی خواصوں کے جھرسٹ میں چھجوں پر سے ان قیدیوں کے ساتھ وارسائی کے ہجوم کا برتاؤ دیکھ کر تالیاں بجاتی اور شاباش دیتی رہیں۔ چھاونی کے قید کئے ہوئے فوجی بےدردی سے قتل کر دئے گئے۔ لوہے کی ڈھلائی کرنے‌والے ہمارے بہادر ساتھی، جنرل دوال کو کسی قسم کی صفائی کا موقع دئے بغیر گولی سے اڑا دیا گیا۔ گیلی‌فے نے جو اپنی اس بیوی کا کھیل تھا جس نے دوسری شہنشاہی کے زمانے میں بےشرمی کی حرکتوں میں بڑا نام پیدا کیا ہے، ایک اعلان نکال کر یہ ڈینگ ماری کہ اچانک حملے میں اس کے فوجیوں کے ہاتھ پڑنے والے اور بےہتھیار کئے ہوئے نیشنل گارڈ کے ایک دستے کو کپتان اور لفٹنٹ سمیت حکم خاص سے قتل کر دیا گیا۔ میدان سے بھاگنے والے وینوآ کو تیئر نے فرانس کا بڑا اعزاز ''گرانڈ کراس،، بخشا کیوں‌کہ اسی نے حکم عام جاری کیا تھا کہ کمیون والوں میں جو بھی چھاونی کا جوان ہاتھ آئے اسے گولی مار دی جائے۔ سیاسی پولیس کے افسر دیمارے کو اس کارنامے کا انعام ملا کہ عالی حوصلہ اور شیردل فلورنس کو دغا دے کر اس نے بوٹی بوٹی کرڈالا، اسی فلورنس کو جس نے ٣١ اکتوبر ١٨٧٠ء کو قومی ڈیفنس کی حکومت کی جان بخشی کردی تھی (١١٢)۔

اس قتل کی ''ہمت افزا تفصیلات،، تیئر نے قومی اسمبلی کے ایک اجلاس میں خوب بغلیں بجاکر بیان کیں - پارلیمنٹری شیخ چلی کی بھڑکی ہوئی خودپسندی کے زعم میں، جسے تیمورلنگ کا پارٹ ادا کرنا تھا، تیئر نے ان لوگوں کو جو اس کی بالشتیا عظمت کے خلاف کھڑے ہوئے، وہ حق بھی نہیں دیا جو جنگی دشمن کو دیا جاتا ھے اور یہ بھی ماننے کو تیار نہ ہوا کہ زخمیوں کی مرہم‌پٹی کے ٹھکانے غیرجانبدار رکھے جائیں - اس بندر سے بڑھ کر اور کون خطرناک ہو سکتا ھے جسے وقتی طور پر چھوٹ مل گئی ہو شیر کی طرح پھاڑ کھانے کی، فطرت کو تسکین دینے کی - اس بندر شیر کی تصویر ناول‌نگار وولتیر نے پہلے ھی کھینچ دی تھی * -

۷ اپریل کو کمیون کا یہ فرمان نکلنے کے بعد بھی کہ ''پیرس کو وارسائی والے ڈاکوؤں کی آدم خوری سے بچانا، اور آنکھ کا انتقام آنکھ اور دانت کا انتقام دانت سے لینا،، (۱۱۳) ھمارا فرض ھے اور ھر زیادتی کا جواب دیا جائے گا، تیئر نے قیدیوں پر وحشیانہ ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اوپر سے اپنے بلیٹینوں میں ان الفاظ کے ساتھ ان کی تذلیل کرتا رہا کہ ''ایماندار لوگوں کی غمزدہ نظروں نے آج تک اتنی بےایمان جمہوریت کے اس سے زیادہ بےایمان نمائندوں کی صورت نہیں دیکھی تھی،، یعنی ایسے ایماندار لوگوں نے جیسے خود تیئر اور اس کے دس دسمبری وزیروں کی ٹولی - تاھم اتنا ھوا کہ قیدیوں کو گولی سے اڑانا کچھ عرصے کے لئے روک دیا گیا - لیکن جیسے ھی تیئر اور اس کے دس دسمبری جنرلوں کو پتہ چلا کہ کمیون کا وہ بدلہ لینےوالا فرمان خالی خولی دھمکی ھے، نیشنل گارڈ کے بھیس میں پیرس کے اندر پکڑے جانےوالے پولیس (ژندارم) مخبر، یہاں تک کہ وہ پولیس والے جن کے پاس سے آتش گیر گولے نکلے، یوں ھی بخش دئے گئے تو پھر انھوں نے قیدیوں کو ایک سرے سے گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اور بالکل آخر تک یہ سلسلہ لگاتار چلتا رہا - جن گھروں میں نیشنل گارڈ کے فوجی جاچھپے تھے، انھیں سیاسی پولیس‌والوں

* ملاحظہ ھو والتیئر کا ناول ''کندید،، - باب ۲۲ - (ایڈیٹر)

نے گھیر کر، پٹرول (اس جنگ میں یہاں پہلی بار مٹی کا تیل استعمال ہوا) چھڑک کر آگ لگا دی۔ جلی ہوئی لاشیں بعد میں اخباروں کی ایمبولینس گاڑیوں نے تیرن محلے میں نکالیں۔ ۲۵ اپریل کو بیل اپین کے مقام پر چار نیشنل گارڈوالوں نے گھوڑ سوار فوجیوں کی ایک ٹکڑی کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے۔ بعد میں سواروں کے کپتان نے جسے جنرل گیلی‌فے سے داد ملنی چاہئے ایک ایک کرکے ان چاروں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ ان چاروں میں سے شیفر نام کا ایک شخص، جسے مردہ جان کر چھوڑ دیا گیا تھا، کسی طرح گھسٹتا ہوا پیرس کی اگلی چوکیوں تک پہنچ گیا اور اسی کی زبانی کمیون کے ایک کمیشن کے سامنے اس واقعے کی تصدیق ہوئی۔ بعد میں جب تولین نے وزیر جنگ لےفلو سے اس کمیشن کی رپورٹ کی بابت سوال کیا تو ''چودھریوں کی چوپال،، کے ممبروں نے اتنا شور مچایا کہ اس کی آواز دب گئی اور لےفلو کو جواب دیتے بن نہیں پڑا۔ ان کی ''شاندار،، فوج کی توہین ہو جاتی اگر اس کے کارنامے گنائے جائے۔ مولیں ساکے کے مقام پر کمیون کے سوتے ہوئے آدمی اچانک پکڑ کر کس طرح سنگینوں سے چھیدے گئے، اور کلامار میں کس طرح لوگوں کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا، یہ خبریں تیئر نے کچھ اس بےاحتیاطی سے شائع کر دیں کہ لندن کے اخبار ''ٹائمس،، (۱۱۴) تک کے اعصاب جھنجھنا اٹھے، جس پر ایسے واقعات کا کچھ خاص اثر نہیں ہوتا۔ لیکن آج مضحکہ‌خیز معلوم ہوگا کہ ہم ان دردناک مظالم کا شمار کریں صرف شروع کے جو پیرس پر گولے برسانےوالے اور غیرملکی حملے کی آڑ میں بردہ‌فروشوں کی بغاوت اکسانےوالے کر چکے ہیں۔ کبھی پارلیمنٹ میں تیئر کے منھ سے یہ لفظ نکلے تھے کہ میرے بونے کاندھوں پر کمر توڑنے والی ذمہ‌داریاں آپڑی ہیں، مگر آج چارطرف بربادی کے اس منظر میں وہ اپنے بلیٹین میں بڑھ بڑھ کر جو دعوے کرتا ہے کہ اسمبلی کا اجلاس اطمینان سے چل رہا ہے، اور کبھی دسمبری جنرلوں کے ساتھ، کبھی جرمن شہزادوں کے ساتھ جو مستقل دعوتیں اڑاتا رہتا ہے، ان سے تو یہی ثابت ہوگا کہ جنرل لیکونت اور کلیماں تھاس کے بھوت بھی اس کا ہاضمہ خراب نہیں کر سکے۔

۳

۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کی صبح سویرے ''کمیون زندہ باد!،، کے فلک شگاف نعروں سے پیرس والوں کی آنکھ کھلی۔ کمیون ایسا کونسا ابوالہول ہے جس نے بورژوازی کی عقلیں گم کر رکھی ہیں؟

سرکزی کمیٹی نے اپنے ۱۸ مارچ کے مینی‌فسٹو میں لکھا ''پیرس کے پرولتاریوں نے حاکم طبقوں کی کمزوری اور بدعہدی دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ وہ وقت آپہنچا جب مصیبت سے نکلنے کے لئے انھیں سماجی معاملات کی باگ‌ڈور اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہئے... انھوں نے دیکھ لیا کہ فرض کا تقاضا اور ان کا یہ قطعی حق ہے کہ سرکاری طاقت سنبھال کر اپنی قسمتوں کے مالک آپ بن جائیں۔،،

لیکن مزدور طبقہ یہ نہیں کر سکتا کہ تیار سرکاری مشین پر قبضہ کرکے اسے اپنے مقاصد کے لئے چالو کر دے۔

سرکزیت لئے ہوئے سرکاری طاقت، مستقل فوج، پولیس، نوکرشاہی، مذہبی اور عدالتی اداروں سمیت، جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اور جو کاموں کی باقاعدہ اور پشت در پشت تقسیم کے اصول پر بنے ہیں، مطلق العنان بادشاہی کے اس زمانے سے چلی آ رہی ہے جب وہ جاگیرداری کے توڑ پر ابھرتے ہوئے درمیانی طبقے کا ایک کارگر ہتھیار بن گئی تھی۔ پھر بھی کئی جالے لگے رہے، بڑے تعلقہ‌داروں کے خاص حقوق، مقامی امتیاز، شہری اور کاریگروں کی برادری کے اجارے، اور صوبائی قانون — ان سب نے اس کی ترقی میں کھنڈت ڈالی۔ اگلے وقتوں کے ان تمام جالوں کو ۱۸ ویں صدی کے انقلاب فرانس کی زبردست جھاڑو نے اتار کر صاف کر دیا اور یوں بیک وقت وہ زمین بھی پرانا کباڑ جھاڑ پونچھ کر تیار کر دی جس پر وہ عمارت کھڑی ہونی تھی جسے نئے زمانے کی سرکاری مشینری کہنا چاہئے۔ یہ عمارت اس پہلی شہنشاہی کے زمانے میں اٹھی کہ وہ شہنشاہی یا سلطنت بھی پرانے

نیم‌جاگیرداری یورپ کی ان ملی جلی جنگوں کا نتیجہ تھی جو نئے فرانس کے خلاف لڑی گئیں ۔ بعد کی عملداریوں میں، حکومت جو پارلیمنٹ کے کنٹرول میں رکھی گئی، یعنی براہ راست صاحب جائداد طبقے کے قبضۂ قدرت میں، وہ نہ صرف یہ کہ بڑے قومی قرضوں اور بھاری ٹیکسوں کی آماجگاہ بن گئی، نہ صرف یہ کہ حکمراں طبقوں کی رسہ کشی کرنےوالی ان ٹکڑیوں اور داؤ لگانے والوں کے درمیان چھینا جھپٹی کا سبب بن گئی جو سرکاری طاقت کی طرف اس لئے کھنچے چلے آتے تھے کہ اس سے انھیں اچھی آمدنی، اثر، اختیار اور منافع بخش عہدے ھاتھ لگیں گے، چناچہ سماج کی معاشی تبدیلی کے ساتھ سرکاری طاقت کا سیاسی کیرکٹر بھی بدل گیا ۔ موجودہ زمانے کی صنعتی ترقی جتنی بڑھتی گئی، سرمائے اور محنت کے درمیان طبقاتی ٹکراؤ جتنا پھیلتا اور گہرا ہوتا گیا، سرکاری طاقت اسی قدر اور بھی محنت کے اوپر سرمائے کی قومی طاقت بنتی چلی گئی، ایسی سماجی قوت میں بدلتی گئی جو تیار ھی اس لئے کی گئی کہ اوروں پر سماجی غلبہ قائم کرے، اور وہ طبقاتی غلبے کا آلۂ کار بن کر رہ گئی ۔ ہر ایک انقلاب کے بعد، یعنی طبقاتی کشمکش کے ہر ایک بڑھنےوالے قدم کے بعد سرکاری طاقت کا ظالمانہ جابرانہ کردار زیادہ سے زیادہ کھل کر سامنے آتا ھے ۔ ۱۸۳۰ء کے انقلاب نے زمین‌جائدادوالوں سے طاقت چھین کر سرمایہ‌داروں کے حوالے کر دی ۔ یوں کہئے کہ مزدور طبقے کے جو دور کے دشمن تھے ان کے ھاتھوں سے لے کر سامنے کے دشمن کو دے دی ۔ فروری کے انقلاب کے نام پر سرمایہ‌دار ریپبلکنوں نے جب سرکاری طاقت سنبھالی تو اس سے جون‌والے قتل عام کا کام لیا، تاکہ مزدور طبقے کے ذہن‌نشین کر دیا جائے کہ ''سماجی،، ریپبلک کا مطلب ھے ایسی ریپبلک جو اسے سماجی ماتحتی میں رکھےگی، شاھی رجحان رکھنےوالے عام سرمایہ‌داروں اور جاگیردار طبقے کو یہ اطمینان دیا جائے کہ حکومت چلانے کا درد سر اور نفع زر بورژوا ''ریپبلکنوں،، کو سونپ کر فکر سے آزاد ہو سکتے ھیں ۔ لیکن جون کا ایک شاندار کارنامہ انجام دیتے ھی ان بورژوا ریپبلکنوں کو اگلی صف چھوڑ کر ضابطہ پارٹی کے پیچھے کی صف میں ٹھکانا ملا اور یہ پارٹی کیا تھی،

بھان متی کا کنبہ تھا جس میں دوسروں کا حق مار لینے والے طبقے کے ایک دوسرے سے دست و گریباں گروہ اور فریق سر جوڑ کر کھلم کھلا اس طبقے کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے جو مال پیدا کرتا ھے۔ ان کی جوائنٹ اسٹاک (مشترکہ کمپنی) گورمنٹ کی صحیح شکل وہ پارلیمنٹری رپبلک تھی جس کا صدر لوئی بوناپارٹ بنا۔ ان لوگوں کی عملداری کٹر طبقاتی دھشت کا اور ''بےحیثیت جنتا،، کی سوچی سمجھی توھین کا راج تھی۔ تیئر کے لفظوں میں اگر پارلیمنٹری رپبلک ''انھی کو سب سے کم بانٹتی تھی،، (یعنی حکمراں طبقے کے مختلف گروھوں کو) لیکن اسی پارلیمنٹری رپبلک نے تھوڑی سی تعدادوالے اس طبقے کو اس پورے سماجی وجود سے دور کر دیا تھا جو اس طبقے کے باھر جی رھا تھا، ان دونوں کے درمیان خلیج حائل کر دی تھی۔ پچھلی عملداریوں میں الگ الگ دھڑے ھونے کے باعث سرکاری اختیارات کے استعمال پر ایک بندش رھا کرتی تھی، اب ان کے یکجا ھونے کی بدولت وہ بندش ھٹ گئی۔ پرولتاریہ کی شورش کا خطرہ دیکھتے ھوئے انھوں نے سرکاری طاقت کو بڑی بےرحمی سے ایسے استعمال کیا کہ وہ محنت کے خلاف سرمائے کی صاف صاف قومی جنگی مشین بن گئی۔ پیداوار کرنےوالے عوام پر اس لگاتار صلیبی حملے نے ایک طرف تو ان سے یہ کرایا کہ انتظامیہ طاقت کو مخالفت کا سر کچلنے کے لئے زیادہ سے زیادہ اختیارات دیتے گئے، دوسری طرف رفتہ رفتہ خود اپنے ھی گڑھ، مطلب یہ کہ قومی اسمبلی کو انتظامیہ طاقت کے مقابلے میں بچاؤ کے ذریعوں سے محروم کرتے چلے گئے۔ لوئی بوناپارٹ نے، جو خود اپنی ھستی سے انتظامیہ طاقت تھا، حکمراں طبقے کے نمائندوں کو نکال باھر کیا۔ یوں دوسری شہنشاھی ایک قدرتی نتیجہ بنی ضابطہ پارٹی کی رپبلک کا۔

یہ شہنشاھی، جسے حکومت کا تختہ الٹنے سے پیدائش کا سرٹیفکٹ ملا، عام رائے دھندگی کے حق سے دست و بازو ملے اور تلوار کے زور سے قانون کا نفاذ ملا، اس نے صاف کہہ دیا کہ کسانوں کے بل پر کھڑی ھے، یعنی پیداواری آبادی کی اس بڑی بھاری تعداد کے بل پر، جسے سرمائے اور محنت کی کشمکش سے براہ راست کوئی سروکار نہیں۔ اس

شہنشاھی نے یہ بھی دعوا کیا کہ اس نے مزدور طبقے کو بچا لیا، وجہ یہ کہ پارلیمنٹری طرزحکومت کو توڑ دیا اور اسی کے ساتھ حکومت کا بےنقاب ہوکر صاحب حیثیت طبقے کی ماتحتی میں رھنا بھی ختم کر دیا۔ ادھر صاحب حیثیت طبقوں کو بچا لینے کا دعوا کیا، وجہ یہ کہ مزدور طبقے پر ان کے معاشی غلبے کو سنبھالے رکھا۔ اور آخر یہ شہنشاھی اس بات کی دعویدار ھوئی کہ قومی عروج کے جو آثار اس نے پھر سے پیدا کئے ھیں ان کے گرد سارے طبقوں کو جوڑ سمیٹ کر لےآئی ھے۔ اصل بات یہ ھے کہ ایسے وقت میں جب بورژوازی نے قوم کا انتظام کرنے کی قابلیت کھو دی تھی اور مزدور طبقے نے ابھی یہ صلاحیت پیدا نہیں کی تھی، صرف یہ شہنشاھی ایک ممکن صورت تھی حکومت کی۔ ساری دنیا نے مان لیا کہ یہ حکومت سماج کو بربادی سے بچانےوالی ھے۔ اس کا عمل دخل ھو جانے سے بورژوازی سماج کو سیاسی جھمیلوں سے فرصت ملی اور وہ ترقی کے اس مقام پر پہنچا جہاں خود اپنے زمانے میں نہیں پہنچا تھا۔ صنعت اور تجارت دونوں میں بےپناہ تیزی آئی، سٹے کے کاروبار میں اپنے اور غیرسبھوں نے خوب ھاتھ رنگے۔ عام لوگوں کا افلاس اسی رفتار سے بڑھا جیسے جرم وفریب پر پلنے والے بےلگام عیش و عشرت، اور نمود و نمائش کی چمک دمک بڑھتی گئی۔ سرکاری طاقت جو بظاھر سماج کے سر سے کہیں اوپر تھی، حقیقت میں وھی اس سماج کے فتنوں کی جڑ اور ھر قسم کی بد چلنی کی آماجگاہ تھی۔ پروشیا تو دل سے آرزومند تھا کہ اس قسم کے نظام حکومت کا مرکز پیرس سے برلن منتقل کر دیا جائے، اس پروشیا کی سنگینوں نے اس سرکاری طاقت کی تمام پول کھول دی اور اس طاقت نے جس سماج کو پروان چڑھایا تھا، اس کا کھوکھلاپن فوراً بےنقاب کردیا۔ شہنشاھی عملداری سب سے بڑھ کر آبرو باختہ اور آخری شکل ھے اس سرکاری طاقت کی، جسے ابھرتے ھوئے درمیانی طبقے کے سماج نے جاگیرداری شکنجے سے اپنی جان چھڑانے کی ایک سبیل کے طور پر بنانا شروع کیا تھا اور جسے خوب ترقی‌یافتہ بورژوا سماج نے بالآخر محنت کو سرمائے کا غلام رکھنے کے لئے اپنا آلۂ کار بنا لیا۔

شہنشاہی کے بالکل برعکس تھا کمیون۔ پیرس کے پرولتاریہ نے ''سماجی ریپبلک،، کے جس نعرے سے فروری کے انقلاب کا استقبال کیا تھا، وہ ایسی ریپبلک کا دھندلا سا مقصد ظاہر کرتا تھا، جو نہ صرف طبقاتی غلبے کی شخصی بادشاہت والی شکل کا صفایا کر دے بلکہ خود طبقاتی غلبے کو ہی مٹا دے۔ ایسی ریپبلک کا ایک روپ تھا کمیون۔

پرانی سرکاری طاقت کا گڑھ اور مرکز پیرس، جو فرانس کے مزدور طبقے کا بھی سماجی قلعہ تھا، ہتھیار سنبھال کر تیئر اور اس کی ''چودھریوں کی چوپال،، کی ان کوششوں کا جواب دینے اٹھ کھڑا ہوا جو یہ لوگ اسی پرانی سرکاری طاقت کو پھر سے جمانے اور ہمیشہ قائم رکھنے کے لئے کر رہے تھے، جو انہیں شہنشاہی کے ترکے میں ملی تھی۔ پیرس اس لئے مقابلے میں کھڑا ہو سکا کہ محاصرے کے دنوں میں فوج کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور نیشنل گارڈ نے فوج کی جگہ سنبھال لی تھی جس میں بہت بڑی تعداد میں مزدور ہی تھے۔ اب اس حقیقت کو ایک باقاعدہ شکل دینی باقی تھی چناں چہ پہلا حکم جو کمیون نے نکالا وہ یہ کہ مستقل فوج کا خاتمہ کیا جاتا ہے اور ہتھیار بند جنتا اس کی جگہ لیتی ہے۔

کمیون میونسپلٹی کے ان ممبروں سے مل کر بنا جو شہر کے مختلف حلقوں سے عام رائے دھندگی کے ذریعے چنے گئے تھے۔ یہ لوگ معاملات کے جواب‌دہ ٹھیرے اور کسی وقت بھی انہیں ہٹایا جا سکتا تھا۔ ان ممبروں کی اکثریت، ظاہر ہے کہ مزدور طبقے سے یا اس طبقے کے مانے ہوئے نمائندوں میں سے آئی تھی۔ کمیون کو پارلیمنٹری نہیں بلکہ خود کام کرنےوالی کارپوریشن بننا تھا کہ بیک وقت قانون بھی بنائے اور قانون کی تعمیل بھی کرائے۔ پولیس جو تب تک مرکزی حکومت کا کل پرزہ ہوا کرتی تھی، فوراً اپنی تمام سیاسی کارگزاریوں سے محروم کر دی گئی، اسے کمیون کا ایک ذمہ دار محکمہ قرار دے کر یہ شرط رکھ دی کہ کسی وقت بھی عہدے سے بر طرف کی جا سکتی ہے۔ انتظامیہ کے تمام عہدے داروں پر یہی شرط عائد ہوتی تھی۔ کمیون کے ممبروں سے لے کر اوپر سے نیچے تک

سب کو سماجی خدمات کا معاوضہ اتنا ھی ملنا تھا جتنا مزدوری میں ملتا ھے ۔ اعلا سرکاری عہدوں کو جو خاص حقوق اور الاؤنس وغیرہ ملا کرتے تھے، وہ سب ان عہدوں کے ساتھ ھی رخصت ھو گئے ۔ سماجی خدمات اب مرکزی حکومت کے مقرر کئے ھوئے کارندوں کی نجی ذمہ‌داری نہیں رہ گئی ۔ صرف میونسپل انتظام نہیں، بلکہ اور تمام کاموں میں پہل کرنا بھی، جو سرکار کے دائرۂ اختیار میں تھا، کمیون کے سپرد ھوا ۔

باقاعدہ فوج اور پولیس کو برطرف کرنے ، پرانی حکومت کے مادی کل‌پرزوں کو ھٹانے کے ساتھ کمیون فوراً ادھر متوجہ ھوا کہ روحانی دباؤ کے کل‌پرزوں ” پادریوں کے اقتدار “ کو بھی توڑ پھوڑ کر برابر کیا جائے، اس تدبیر سے کہ کلیسا یا چرچ کو اسٹیٹ سے کوئی سروکار نہ ھو اور گرجاؤں کو جو دولت‌وجائداد کے اوقاف کے مالک تھے ، ان سے بےدخل کر دیا جائے ۔ پادریوں کو حکم ھوا کہ وہ عام شہری کی طرح سادہ زندگی کی طرف واپس جائیں تاکہ اپنے قدیم علما اور مشائخ کی طرح وہ بھی اھل ایمان کی دی ھوئی روکھی سوکھی پر بسر کیا کریں ۔ تمام تعلیم‌گاھوں کے دروازے مفت تعلیم عامہ کےلئے کھول دئے گئے اور انھیں کلیسا اور سرکار دونوں کے دائرہ اختیار سے باھر رکھا گیا ۔ اس طرح نہ صرف اسکول کی تعلیم سب لوگوں کےلئے کھل گئی بلکہ علم کے پاؤں کی وہ زنجیریں بھی اتار لی گئیں جن میں طبقاتی تعصبات اور سرکاری اختیارات نے اسے جکڑ رکھا تھا ۔

عدالتی عہدوں نے اپنی دکھاوے کی آزادی سے ھاتھ دھو لئے ۔ یہ آزادی ایک پردہ تھا جس کے پیچھے وہ ھر ایک برسراقتدار حکومت کے سامنے ماتھا رگڑتے ، جب کوئی حکومت آتی تو وہ وفاداری کا حلف اٹھاتے اور وہ جاتی تو وفاداری بھی ساتھ لے جاتی تھی ۔ دوسرے سماجی عہدہ‌داروں کی طرح اب عدالتی عہدہ داروں کےلئے بھی کھلے ووٹ سے چنا جانا ، جوابدہ ھونا اور جگہ چھوڑنا طے پایا ۔

پیرس کمیون کو ، ظاھر ھے کہ ایک نمونہ پیش کرنا تھا پورے فرانس کے بڑے بڑے صنعتی مرکزوں کےلئے ۔ اگر پیرس میں اور دوسرے درجے کے مرکزوں میں یہ جماعتی (کمیون کی) عملداری

کامیابی سے چل جاتی ، تو پرانی مرکزیت‌والی حکومت کو صوبوں میں بھی پیداوار کرنے‌والی آبادی کی خود انتظامی کےلئے جگہ چھوڑ کر ہٹ جانا پڑتا۔ قومی بندوبست کے اس مختصر خاکے میں ، جس میں رنگ بھرنے کا کمیون کو وقت نہیں ملا ، دوٹوک لفظوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی کمیون کی سیاسی شکل قائم ہونی ہے اور دیہات کے حلقوں میں بھی مستقل فوج کی جگہ جنتا کی ملیشیا کو اس طرح لینی ہے کہ عہدے کی میعاد بہت مختصر رہے۔ دیہات کے حلقوں کے ہر ایک صدرمقام پر ڈیلی گیٹوں کی حلقہ کمیٹی بیٹھے اور ہر ایک حلقے کے زرعی کمیون کے عام مسائل کا انتظام ہاتھ میں‌لے۔ پھر یہ حلقہ‌وار کمیٹیاں اپنے نمائندے چن کر قومی ڈیلی گیشن میں بھیجیں جو پیرس میں منعقد ہوگا۔ یہ ڈیلی گیٹ سختی سے ان ہدایات (mandat impératif) کے پابند ہوں‌گے جو ان کے حلقے کی طرف سے دی گئی ہیں اور ہر وقت ان کو برطرف کیا جاسکےگا۔ تھوڑے سے لیکن نہایت اہم فرائض پھر بھی بچ رہے جو مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہنے‌والے تھے اور انہیں واپس نہیں لیا جاسکتا تھا — جیسا کہ ان کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا جا رہا ہے — بلکہ وہ پوری جماعتی کمیٹی (کمیون) کے سپرد تھے ، یعنی انتہائی ذمےدار عہدہ‌داروں کو سونپے گئے تھے۔ قوم کی ایکتا کو توڑ پھوڑ کر برابر نہیں کرنا تھا بلکہ اس‌کے برعکس کمیون کے سانچے میں ڈھل کر اسے ازسرنو مرتب ہونا تھا۔ قوم کی ایکتا حقیقت کے لباس میں اس صورت سے آنی تھی کہ اس سرکاری طاقت کا صفایا کیا جاتا جو خود اس قومی ایکتا کی مجسم ہستی کی دعویدار بن کر چاہتی تھی کہ قوم سے بےنیاز بھی ہو اور اس کے سرپر بھی کھڑی رہے۔ سچ پوچھیے تو یہ سرکاری طاقت قوم کے بدن پر ایک فالتو رسولی تھی۔ مدنظر یہ تھا کہ پرانی حکومت کے اختیارات میں جتنے جابرانہ محکمے ہیں، ان کو جڑ بنیاد سے صاف کر دیا جائے اور ان کی جائز کارگزاری اس طاقت کے ہاتھ سے چھین کر ، جسے سماج سے بلند مرتبے پر فائز ہونے کا بیجا دعوا ہے ، سماج کے ذمہ‌دار خادموں کے سپرد کردی جائے۔ بجائے اس کے کہ کہیں تین یا چھ سال میں ایک بار یہ فیصلہ ہو کہ

حکمراں طبقے کا کون آدمی پارلیمنٹ میں لوگوں کی نمائندگی یا دھاندلی کرے گا، عام رائے دھندگی کا حق ان لوگوں کے، جو کمیون میں منظم ہوئے ہیں، اسی طرح کام آئے جس طرح انفرادی چناؤ کا حق الگ الگ اس شخص کے کام آتا ہے جو روزگار دینے میں اپنے کاروبار کے لئے مزدور، نگراں اور اکاؤنٹنٹ چھانٹتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ فرد واحد کی طرح کاروبار یا ادارے بھی کام ڈھنگ سے چلانے میں صحیح جگہ کے لئے مناسب آدمی کا انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر ان سے غلطی ہو جائے تو ہاتھوں ہاتھ اس غلطی کو درست بھی کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ خود کمیون کا وجود ہی یقینی طور سے اس کا دشمن تھا کہ عام رائے دھندگی کے حق کی جگہ پشتینی منصب داری (۱۱۵) کو مل جائے۔

جب بھی کوئی نیا تاریخی وجود جنم لیتا ہے تو، عموماً ایسی قسمت لے کر آتا ہے کہ لوگ اسے بھی سماجی زندگی کا وہی روپ سمجھ لیتے ہیں جو تھا تو پرانا اور بالکل گیا گزرا، لیکن شکل شباہت کچھ ویسی ہی رکھتا تھا۔ چناں چہ اس نئے کمیون کو بھی، جو عہد حاضر کی سرکاری طاقت کا توڑنے والا ہے یہ سمجھا گیا کہ قرون وسطی کے وہی کمیون پھر سے زندہ ہو گئے جو کسی زمانے میں اس سرکاری طاقت سے پہلے موجود تھے اور اس طاقت کی بنیاد بنے تھے۔ کمیون کے سانچے کو غلطی سے لوگوں نے یہ جانا کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا فیڈریشن بنانے کی کوشش ہے جس کے خواب منتس کیو نے اور ژیروندیستوں (۱۱۶) نے دیکھے تھے، اور یہ فیڈریشن اس ایکتا کی جگہ لے جو بڑی بڑی قوموں کے یہاں، اگرچہ شروع میں سیاسی زور زبردستی سے بنائی گئی، لیکن اب وہی سماجی پیداوار کی زبردست وجہ بن چکی ہے۔ کمیون اور سرکاری طاقت کے درمیان جو تناتنی تھی اس کا مطلب غلطی سے یہ نکالا گیا کہ حد سے زیادہ مرکزیت کے خلاف اسی پرانی کشمکش کی یہ ایک بڑھی چڑھی شکل ہے۔ خاص تاریخی حالات نے حکومت کے اس بورژوا ڈھنگ کی کلاسیکی ترقی میں ایک جگہ تو رکاوٹیں کھڑی کر دیں، جیسا کہ فرانس میں ہوا، اور دوسری جگہ اس کی سہولتیں مہیا کر دیں، جیسا کہ انگلینڈ میں ہوا کہ مرکزی

حکومت کے بڑے اداروں کے ساتھ ساتھ گرجاؤں سے متعلق بکی ہوئی محلہ کمیٹیوں کی، خود غرض میونسپل کونسلروں کی، شہروں کے اندر قانون‌غربا کے ہنگامہ‌خیز سرپرستوں کی اور نوابی ریاستوں میں عملی طور پر پشت درپشت آنریری مجسٹریٹوں کی پخ بھی لگی ہوئی ہے۔ کمیون کی ساخت پرداخت سماج کے بدن کو وہ تمام طاقتیں واپس دلادیتی جو یہ پھولی ہوئی رسولی، جسے '' ریاست ،، کہتے ہیں، اس بدن سے چوس کر خود تو اس پر پل رہی تھی لیکن جسم کی اٹھان کو روکے ہوئے تھی۔ اسی ایک عمل سے فرانس کو نئی زندگی کی شہ مل جاتی۔ فرانس کے صوبائی شہروں کی بورژوازی کو کمیون میں یہ نقشہ نظر آیا کہ بادشاہ لوئی فلپ کے زمانے میں دیہات پر جو اس کا عمل دخل تھا، اسی کو پھر بحال کرنے کی کوشش ہے، وہ عمل دخل لوئی نپولین کے دور میں چھن گیا اور اس کی جگہ بظاہر شہروں پر دیہات کا غلبہ قائم ہوگیا تھا۔ اصلیت یہ ہے کہ کمیون کی ساخت دیہات کے محنت کرنےوالوں کو ہر علاقے کے بڑے شہروں کی ذہنی رہنمائی میں لاتی اور وہاں شہری مزدوروں کے روپ میں انہیں اپنے مفاد کے سیدھے سچے نمائندے نصیب ہو جاتے۔ خود کمیون کا وجود ہی اپنی لپیٹ میں لوکل سیلف گورنمنٹ (میونسپل انتظام) کی شان رکھتا تھا لیکن وہ اس سرکاری طاقت کا جواب نہیں تھا جو اب غیر ضروری ہو چکی تھی۔ صرف کسی بسمارک کے دماغ میں یہ بات آسکتی ہے، وہ جو ایسے داؤپیچ میں لگا رہتا ہے جہاں لہو اور لوہا سب سے مقدم ہیں، اور ان سے جو وقت بچتا ہے وہ سب کا سب اپنے پرانے شوق، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی دماغی قابلیت کے مناسب حال شوق پورا کرنے، یعنی اخبار «Kladderadatsch» (برلن کے «Punch») (۱۱۷) کے لئے لکھنے میں لگا دیتا ہے، ایسے ہی کسی شخص کے دماغ میں یہ خیال جگہ پاسکتا ہے کہ پیرس کمیون نقل کرنے چلا تھا پروشیا کے میونسپل سانچے کی، جو خود ہی ۱۷۹۱ء کے پرانے فرانسیسی میونسپل سانچے کا ایک بگڑا ہوا ڈھانچہ ہے اور جس میں میونسپل انتظام کی حیثیت پروشیائی ریاست کی پولیس مشینری کے سائے میں ویسی رہ جاتی ہے جیسے گاڑی کے نیچے فالتو پہیے۔

سارے بورژوائی انقلاب کم خرچ حکومت کا نعرہ لگاتے آئے تھے، کمیون نے خرچ کی دو بڑی مدیں، مستقل فوج اور سرکاری عہدہداری توڑ دیں، اور اس نعرے کو سچ کر کے دکھا دیا۔ خود کمیون کا وجود ھی اس شخصی بادشاھی کے وجود کی نفی تھی، جو خود کم‌از کم یورپ میں معمولی طبقاتی حکمرانی کا بوجھ بھی بنی ھوتی ھے اور اس کا پردہ بھی رکھتی ھے۔ کمیون نے رپبلک کو جمہوری اداروں کی بنیاد عطا کی۔ لیکن کمیون کی منزل‌مقصود نہ سستی حکومت تھی، نہ ''سچی رپبلک''۔ یہ دونوں تو محض رفیق سفر تھیں۔

کمیون کی جتنی مختلف تاویلیں کی گئی ھیں اور جتنے مختلف مفادوں نے کمیون کو اپنے معنی پہنائے ھیں ان سے یہ بات ثابت ھوتی ھے کہ وہ حکومت کی سراسر ایک لچک‌دار سیاسی شکل تھی حالاں کہ اس سے پہلے حکومت کی جتنی شکلیں رہ چکی ھیں وہ اصلیت میں بےلوچ اور دباؤ ڈالنےوالی تھیں۔ اس کا اصل راز یہ کہ اپنی خاصیت میں وہ مزدور طبقے کی حکومت تھی، وہ اس کشمکش کا ثمرہ تھی جو پیداوار کرنےوالے طبقے اور ھتھیا لینےوالے طبقے کے درمیان چلتی ھے، آخر کمیون میں اس سیاسی شکل کا سراغ ملا جس کے سائے میں محنت کو معاشی آزادی نصیب ھو سکے۔

اگر یہ آخری شرط نہ ھوتی تو کمیون محض ایک فرض‌محال اور فریب ھوکر رہ جاتا۔ پیدا کرنےوالوں کی سیاسی حکمرانی ان کی سماجی غلامی کے ساتھ بسر نہیں کر سکتی۔ اس لئے کمیون وہ اصلی پرزہ بننا تھا جو اس معاشی بنیاد کو ھی اکھاڑ کر پھینک دے جس پر طبقوں کا وجود قدم جماتا ھے اور اس کے سبب طبقاتی حکمرانی چلتی ھے۔ محنت کے سر کا بوجھ اتر جائے تو ھر شخص محنت کرنےوالا بن جاتا ھے اور پیداواری محنت کسی طبقے کی خصوصیت نہیں رہ جاتی۔

عجیب بات۔ حالاں کہ پچھلے ساٹھ سال سے محنت کے سر کا بوجھ اتارنے کی کیا لمبی چوڑی باتیں لکھی اور کہی جارھی ھیں، لیکن محنت کش کہیں، کسی جگہ جم کر یہ معاملہ اپنے ھاتھ میں لے لیں پھر کیا ھے، فوراً موجودہ سوسائٹی کے حمایتیوں کی طرف سے ان کے خلاف دھواں دھار عذر تراشے جانے لگتے ھیں اور حملہ بھی

دو بالکل مخالف قطبوں سے ہوتا ہے : ایک سرمایہ ، دوسرے اجرتی غلامی (جاگیردار آجکل سرمایہ‌داروں کے بےعمل شریک رہ گئے ہیں) ۔ گویا ابھی سرمایہ‌داری سماج معصومیت اور کنوارپن کے دور سے گزر رہا ہے ، ابھی اس کے اندرونی تضاد نہیں بڑھے ، اس کی خودفریبی کا پردہ چاک نہیں ہوا اور اس کی آبروباختہ حقیقت بےنقاب نہیں ہوئی ۔ یہ لوگ شور پکار مچاتے ہیں کہ کمیون تو ذاتی ملکیت ہی مٹانے پر آمادہ ہے ، جو ہر ایک تمدن کی بنیاد ہے ۔ جی‌ہاں حضرات ، کمیون اس طبقاتی ملکیت کو مٹانے پر آمادہ ہے جو بہتوں کی محنت کو چند کی ملکیت بنا دیتی ہے۔ اس کا مقصد ہے بےدخل کرنےوالوں کو بےدخل کرنا ۔ وہ تو ذاتی ملکیت کو ایک حقیقت بنانا چاہتا ہے ، پیداوار کے ذریعوں کو ، زمین اور سرمائے کو ، جو آج کے زمانے میں خاص کر محنت کو مطیع کرنے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں ، اپنی خوشی سے ایک جگہ جڑی ہوئی محنت کا اوزار بنا دینا چاہتا ہے۔ لیکن یہ تو کمیونزم ہوا — ” انہونا “ کمیونزم ۔ اچھا تو ، حکمراں طبقوں کے وہ نمائندے جن میں اتنا سمجھنے کی عقل و فہم ہے کہ موجودہ سماج دیر تک چلنے والا نہیں ، اور اتنے ذی فہم لوگ بھی بہتیرے ہیں ، وہ گلا پھاڑ کر ، اور جوش میں آکر کوآپریٹیوپیداوار کے حق میں بڑے وعظ و تلقین کرتے ہیں ۔ اگر یہ امدادباہمی کی پیداوار محض خالی خولی لفاظی یا فریب نہیں ، اگر اسے سرمایہ‌داری نظام سے جگہ خالی کرانی ہے ، اگر متحدہ امداد باہمی کی سوسائٹیوں کو ایک مشترکہ پلان پر قومی پیداوار کا قاعدہ باندھنا ہے ، اور یوں اسے اپنے کنٹرول میں لے کر اس مستقل افراتفری کا ، اس تھوڑے تھوڑے وقفے کی نڈھالی کا ، جو سرمایہ‌داری پیداوار کا خاصہ ہے ، ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنا ہے تو حضرات ، اسے کیا کہتے ہیں ؟ یہ کمیونزم کے سوا کچھ اور ہے کیا ؟ یہ ” ممکن “ کمیونزم ہوگا ؟

کمیون سے مزدور طبقے کو معجزوں کی امید نہیں تھی ۔ مزدور طبقہ یہ نہیں سوچتا کہ ڈھلے ڈھلائے ، تیار قیاسی نظرئیے (utopias) لوگوں کے فرمان سے (par décret du peuple) عملی جامہ پہن

لیں گے ۔ وہ جانتا ھے کہ خود اپنے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے ، اور ساتھ میں سماج کو اس اعلا شکل تک لے جانے کے لئے جہاں وہ اپنی معاشی ترقی کے بل پر پہنچنے کو بےتاب ھے ، اسے مسلسل کشمکش اور مقابلے میں قدم جما کر ایسے کئی تاریخی مرحلوں سے گزرنا پڑےگا جو ماحول اور آدمی ، دونوں کی کایاپلٹ کر دیں ۔ مزدور طبقے کو اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں چاھئے ، اسے تو نئے سماج کے ان عناصر کو پنپنے کے لئے کھلا چھوڑنا ھے جو ٹوٹتے ھوئے پرانے بورژوا سماج کے بطن میں ھاتھ پاؤں مار رہے ھیں ۔ مزدور طبقہ جو اپنے تاریخی منصب سے پوری طرح باخبر اور اس کی تعمیل کی خاطر مردانہ فیصلہ کئے ھوئے ھے ، وہ ان چاپلوس اخباری لوگوں کی گندی گالیوں پر اور بورژوا فلسفہ طرازوں کے بقراطی انداز کے نیک مشوروں پر حقارت سے مسکرا سکتا ھے جنھیں علمی قطعیت کے لب و لہجے میں لفاظی کی چاٹ پڑی ھے اور منہ کھولتے ھیں تو جہالت کا طومار باندھ دیتے ھیں اور تنگ‌نظری کے وھم و گمان کا انبار لگا دیتے ھیں ۔

جب پیرس کمیون نے انقلاب کی باگ‌ڈور اپنے ھاتھ میں لی ، جب سادھارن مزدوروں نے پہلی بار فیصلہ کیا کہ اپنے " قدرتی افسروں " کے خاص حقوق پر ھاتھ ڈالیں ، خاص حاکمانہ اختیارات کو چھانٹ دیں اور ایسے کٹھن حالات میں، جن کی کوئی مثال نہیں ملتی ، انھوں نے یہ کام انکساری ، ایمان‌داری اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا ، وہ بھی کس طرح کہ زیادہ سے زیادہ معاوضہ اس تنخواہ کے پانچویں حصے سے زیادہ نہیں رکھا جو اس علم کے ایک مشہور اور مستند ماھر (پروفیسر ھکسلے) کے بقول ، لندن کے کسی اسکول بورڈ کے سکریٹری کی کم‌ازکم تنخواہ ھوتی تھی ، اس پر بھی جوں ھی پرانی دنیا نے لال جھنڈے کو ، محنت کی ریپبلک کے نشان کو ٹاؤن ھال کی عمارت پر لہراتے دیکھا وہ طیش میں آپے سے باھر ھوگئی ۔

کچھ بھی سہی ، یہ پہلا انقلاب تھا جس میں مزدور طبقے کو کھلے عام تنہا ایسا طبقہ مانا گیا جو سماجی پہل کرنے قابل تھا ؛ پیرس کے درمیانی طبقے کے سب درجوں نے — چھوٹے دوکانداروں ، دستکاروں ، بیوپاریوں وغیرہ نے ، صرف بڑے سرمایہ‌داروں کو چھوڑ کر سبھی نے یہ

حقیقت تسلیم کرلی۔ کمیون نے اس مسئلے کو جو ہمیشہ سے خود درمیانی طبقے کے اندر فساد کی جڑ چلا آتا تھا — قرضداروں اور قرضخواہوں کی حساب فہمی کا مسئلہ دانائی سے سلجھا کر انہیں مصیبت سے بچالیا (۱۱۸)۔ درمیانی طبقے کا یہی وہ حصہ تھا جس نے جون ۱۸۴۸ء میں مزدوروں کی شورش دبانے میں ہاتھ بٹایا اور بدلے میں یہ پایا کہ آئین‌ساز اسمبلی نے بڑی بےتکلفی سے اسے قرضخواہوں پر قربان کر دیا (۱۱۹)۔ لیکن اس‌بار جو وہ مزدور طبقے کے ساتھ ہو لیا، اس کی یہی ایک وجہ نہیں تھی۔ درمیانی طبقے نے بھانپ لیا کہ کمیون اور شہنشاہی، دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے، چاہے وہ کسی نام سے بھی سامنے آئے۔ شہنشاہی نے سماجی دولت کی بندر بانٹ کرکے، شیئر بازار کی بڑی اونچی سٹہ‌بازی کی سرپرستی کرکے، سرمائے کے ارتکاز (centralisation) کی مصنوعی تیزرفتاری میں ملی بھگت سے کام لےکر، اور اس کے کارن درمیانی طبقے کے اس حصے کو بےدخل اور محروم کرکے معاشی طور پر تو خستہ کر دیا تھا۔ اور سیاسی طور پر شہنشاہی نے اسے محکوم بنا کر رکھا تھا، اخلاقی لحاظ سے شہنشاہی کی آئے دن کی عیاشیاں اسے صدمہ پہنچاتی تھیں اور اس کے بچوں کی تعلیم‌وتربیت بےعلم بھائیوں (fréres ignorantins) (۱۲۰) کو سونپ کر، والتیئروالی روشن‌خیالی کی تذلیل کی جاتی تھی، شہنشاہی نے درمیانی طبقے کے اسی حصے کے فرانسیسی قومی جذبے کو یوں مصیبت میں ڈالا کہ اس جنگ میں اسے سر کے بل جھونک دیا جس جنگ نے ساری تباہی اور نقصان کے بدلے صرف ایک انعام بخشا اور وہ یہ کہ شہنشاہی کے پرزے اڑ گئے۔ اور واقعی جب بوناپارٹ کے اونچی ناک‌والے اور سرمایہ‌داروں کے ٹولے پیرس چھوڑکر نکل بھاگے تو درمیانی طبقے کی سچی ضابطہ پارٹی نے "ریپبلکنوں کی انجمن" (۱۲۱) کے نام سے قدم باہر نکالا، وہ کمیون کے جھنڈے تلے آئی اور تیئر کے بہتانوں کے سامنے اس کی حمایت کی۔ درمیانی طبقے کے اس انبوہ کثیر کا یہ جذبہ شکرگزاری آنےوالی کڑی آزمائشوں میں ثابت‌قدم رہےگا یا نہیں، وقت ہی بتائےگا۔

کمیون بالکل برحق تھا کسانوں سے یہ کہنے میں کہ ”کمیون کی فتح ، کسانوں کی واحد امید ہے“۔ وارسائی میں جتنے بھی جھوٹ تراشے گئے ، اور یورپ کے ناسور پریس میں زرخرید قلم کھینچ لوگوں نے انھیں دنیا بھر میں پھیلایا، ان سب میں کمال کا جھوٹ یہ تھا کہ ”چودھریوں کی چوپال“ ھی فرانسیسی کسانوں کی سچی نمائندہ ہے۔ تصور شرط ہے ، فرانسیسی کسانوں کو ان لوگوں سے کتنی محبت ہوگی جنھیں ۱۸۱۵ ء کے بعد سے کروڑوں کی رقم ہرجانے میں بھرنی تھی (۱۲۲) ! فرانسیسی کسان کی نظر میں بڑے جاگیردار کا وجود ھی بجائے خود ایک دھاندلی ہے اس حق کے ساتھ جو ۱۷۸۹ ء میں کسان جیت چکے تھے۔ ۱۸۴۸ ء میں بورژوازی نے فی فرانک ۴۵ سینٹ بڑھا دیا تھا۔ لیکن لگان میں یہ اضافہ انقلاب کے نام پر کیا گیا اور اب اس نے انقلاب کے خلاف خانہ جنگی بھڑکا دی تاکہ پانچ ارب کا تاوان جنگ جو پروشیا کو بھرنا تھا اس کا بڑا بوجھ کسان کے کندھوں پر پڑے۔ کمیون نے اپنے ایک اعلان عام میں صاف کہہ دیا کہ جنھوں نے جنگ کی آگ لگائی تھی انھی سے یہ تاوان جنگ بھی اگلوایا جائے گا۔ کمیون کسان کو اس کے لہو کے لگان سے آزاد کر دیتا ، اسے کم خرچ حکومت دیتا ، رجسٹری ، اسٹامپ ، وکیل ، مقدمے کی پیروی کرنے والے اور عدالت کی دوسری خون چوسنے والی جونکوں کے بجائے کمیون کی طرف سے ایسے تنخواہ یافتہ ملازمین رکھ دئے جاتے جو خود اسی کسان کے چنے ہوئے اور اسی کے سامنے جوابدہ ہوتے۔ کمیون اسے ڈسٹرکٹ پولیس ، سیاسی پولیس اور فوجداری پولیس کی من مانی کارروائیوں سے نجات دے دیتا۔ اور ان پادریوں کی جگہ ، جو کسان کی عقل کجلا دیتے ہیں ، دماغ روشن کرنے والے اسکول ماسٹر انھیں دیتا۔ فرانسیسی کسان سب سے اول حساب کتاب دیکھتا ہے۔ اسے یہ بات نہایت معقول نظر آئی کہ پادریوں کا خرچ ، سرکاری ٹیکس اگھانے والے اس کی جیب سے نہ نکالیں بلکہ وہ صرف ان لوگوں کی ذاتی مرضی پر منحصر ہو جو مذہبی رجحان یا ایمان رکھتے ہیں۔ کمیون کی عملداری اور صرف یہی عملداری فرانسیسی کسان کی صحیح معنوں میں اتنی کچھ بہبودی کا فوری سامان تھی۔ یہاں یہ غیرضروری معلوم

ہوتا ہے کہ پیچیدہ مگر دراصل زندگی کے ان اہم مسائل کا تفصیلی بیان کیا جائے جو کسان کے حق میں صرف کمیون ہی سے حل ہو سکتے تھے اور کمیون کو حل کرنے پڑتے۔ مثلاً ان رہن ناموں کا مسئلہ، جو کسان کی چھوٹی سی کاشت کو شکنجے کی طرح کستے چلے جاتے ہیں، کھیت مزدوروں (prolétariat foncier) کا سوال، جن کی تعداد روزبروز بڑھتی جاتی ہے، مثلاً خود کسانوں کی بے‌دخلی کا مسئلہ، جو جدیدترین زراعت کی ترقی کی بدولت اور سرمایہ‌دارانہ کاشتکاری کے باہمی مقابلے کے باعث تیز ہوتی جاتی ہے۔

فرانسیسی کسان نے لوئی بوناپارٹ کو ریپبلک کا صدر چنا تھا، لیکن ضابطہ پارٹی نے دوسری شہنشاہی بنا ڈالی۔ فرانس کا کسان دراصل کیا طلب کرتا ہے، یہ اس نے ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء سے جتانا شروع کر دیا۔ حکومت کی طرف سے پریفیکٹ مقرر ہوئے تو اس نے جواب میں اپنے میئر کھڑے کئے، سرکار نے پادری دئے تو وہ اپنے اسکول ماسٹر سامنے لایا، حکومت نے سیاسی پولیس بھیجی تو وہ خود سامنے آگیا۔ ضابطہ پارٹی نے جنوری فروری ۱۸۵۰ء میں جتنے قانون بنائے ان کا رخ کسان کے خلاف تھا، اور خود اس پارٹی نے یہ اقرار کیا۔ کسان بوناپارٹ کا حامی تھا کیوں کہ عظیم انقلاب نے اسے جتنے بھی فیض پہنچائے، وہ سمجھا کہ یہ نپولین ہستی ہی انقلاب کا روپ ہے۔ یہ خود فریبی دوسری شہنشاہی کے زمانے میں تیزی سے ہوا ہونے لگی۔ ماضی کی یادوں سے یہ وابستگی (جو اپنی فطرت سے "چودھریوں کی چوپال" کے مقصد کے خلاف پڑتی تھی) بھلا وہ کمیون کی اس اپیل کے سامنے کیا ٹھیرتی جس اپیل میں کسانوں کی زندگی کے مفادوں اور فوری تقاضوں کا جواب موجود تھا؟

"چودھریوں کی چوپال" کو اچھی طرح اندازہ تھا اور اسے سب سے زیادہ یہی دھڑکا لگا تھا کہ اگر پیرس کے کمیون‌والوں کا صوبوں سے رابطہ کھلا رہا تو کچھ نہیں تو تین مہینے کے اندر ہر طرف کسان بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ اسی اندیشے سے گھبرا کر اس نے پیرس کو چوطرفہ پولیس گھیرے میں لینے کی جلدی کی تاکہ کمیون کے جراثیم باہر نہ پھیلنے پائیں۔

یوں اگر کمیون سچا نمائندہ تھا فرانسیسی سماج کے صحت‌مند عناصر کا، یعنی وہ صحیح معنوں میں فرانس کی قومی حکومت تھا اور ساتھ ساتھ مزدور طبقے کی حکومت بھی تھا، محنت کو آزاد کرنے کی خاطر آگے بڑھ کر لڑنے والا بھی تھا، تو وہ انٹرنیشنل کی صحیح تصویر تھا۔ پروشیا کی اس فوج کے مقابل جس نے فرانس کے دو صوبے جرمنی میں جوڑ لئے تھے، کمیون نے اٹھ کر ساری دنیا کے محنت کشوں کو فرانس سے جوڑ لیا۔

دوسری شہنشاہی میں ہرجائی جعل‌سازی کی عید ہو گئی تھی۔ سبھی ملکوں کے چلتے پرزوں کو دوسری شہنشاہی نے صلائے عام دے دی کہ آئیں، عیاشی کی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھولیں اور فرانسیسی قوم کی لوٹ میں ساجھا کر لیں۔ فی‌الوقت بھی دیکھئے تو تیئر کا داھنا بازو گانیسکو ہے، ولاخی چالباز، اور بایاں بازو مارکوفسکی ہے، روسی جاسوس۔ کمیون نے تمام غیرملکیوں کو ایک لافانی کاز کے لئے جان دینے کا موقع دیا۔ بورژوازی نے دو جنگوں کے درمیان، غیرملکی جنگ جو خود اپنی دغا سے ہار دی گئی، اور خانہ‌جنگی، جس کی سازش غیرملکی فاتح سے مل کر رچی گئی تھی، ان دونوں کے درمیانی وقفے میں اپنی حب وطن کی شان یہ دکھائی کہ پورے فرانس میں بسے ہوئے جرمنوں پر پولیس چڑھادی۔ اور کمیون کا موقع آیا تو اس نے جرمن مزدور (لیو فرانکیل) کو اپنا لیبر منسٹر مقرر کر دیا۔ تیئر، بورژوازی اور دوسری شہنشاہی مستقل طور پر اپنی ہمدردی کے بلندبانگ دعووں سے پولینڈوالوں کو فریب دیتے رہے لیکن اصلیت میں انھیں روس کے حوالے کر دیا اور یوں روس کا گندا کھیل انجام کو پہنچا دیا۔ اس کے برخلاف کمیون نے پولینڈ کے سپوتوں * کو پیرس کی حفاظت کی سربراھی دے کر انھیں سرآنکھوں پر بٹھایا اور اس وقت جب ایک طرف پروشیا کی فاتح فوج مقابلے میں کھڑی تھی، دوسری طرف بوناپارٹ کی فوج اس کے جنرلوں کی سرکردگی میں غنیم بنی ہوئی تھی، کمیون نے تاریخ کے اس نئے دور کو ابھارنے کے لئے جو اس

* دومبروفسکی اور ورویلیفسکی۔ (ایڈیٹر)

نے اپنے دم قدم کے ساتھ سمجھ بوجھ کرشروع کیا تھا ، فرانس کی جنگی عظمت کے زبردست نشان ویندوم کی لاٹ کو (۱۲۳) کھڑے قد سے گرا دیا۔

کمیون کا عظیم‌الشان سماجی کارنامہ خود اس کا وجود اور اس کا عمل تھا۔ کمیون نے جدا جدا جتنے قدم اٹھائے ان سے صرف وہ سمت ظاہر ہوتی تھی جس سمت میں عوامی حکومت کو خود عوام کے ہاتھوں بڑھنا تھا۔ مثلاً یہ کہ بیکری کا رات کا کام بند کر دیا۔ یہ ایک قابل سزا جرم قرار دیا کہ کاروبار کے مالک کی طرف سے طرح طرح کے بہانوں پر جرمانہ لگاکر مزدوری کی رقم کاٹی جائے ، یہ ایک چال ہوتی ہے مالک کی ، کہ وہ قانون‌ساز ، جج اور حاکم تینوں کے اختیارات سمیٹ کر جرمانوں میں کاٹی ہوئی مزدوری هضم کر جاتا ہے۔ اسی قسم کا ایک قدم یہ تھا کہ وہ تمام کارخانے اور ورکشاپ جن کے مالک یا تو فرار کر گئے تھے ، یا تالے ڈال کر بیٹھ گئے تھے ، مزدور انجمنوں کے حوالے کر دئے اور مالک کو معاوضے کا حق باقی رکھا۔

کمیون نے جو مالی تدبیریں اختیار کیں ، وہ کفایت‌شعاری اور اعتدال‌پسندی میں قابل تعریف تھیں اور ہونی بھی ایسی ہی تھیں کہ محاصرے میں پڑے ہوئے شہر کے حالات سے میل کھاتی ہوں۔ هاؤسمان* جیسے آدمی کی سرپرستی میں بڑی بڑی بینکنگ کمپنیوں نے اور عمارتی ٹھیکیداروں نے مل کر پیرس کو اس طرح لوٹا تھا کہ اب کمیون کو ، بلانسبت ، کہیں زیادہ حق تھا ان کے مال املاک ضبط کر لینے کا جتنا لوئی بوناپارٹ کو اورلین‌والوں کی املاک ضبط کرنے کا حق رہاہوگا۔ ہوهینزولرن والوں اور انگریز سرمایہ‌دار ٹولی کو کمیون کے اس عمل سے سخت صدمہ پہنچتاهی کہ کلیساؤں کی املاک

---

* بیرن‌هاؤسمان — دوسری شہنشاهی کے زمانے میں یہ شخص دریائے سین کے ضلع ، یعنی پیرس شہری حلقے کا پولیس پریفیکٹ تھا۔ اس نے شہر کے نقشے میں کچھ ایسی تبدیلیاں کرائیں جن سے مزدوروں کی بغاوت کچلنے کی سہولت رہے۔ (۱۹۰۵ء کے اس روسی ایڈیشن کے لئے نوٹ جو لینن کی ترتیب سے شائع ہوا تھا۔) (ایڈیٹر)

ضبط کرنے کے بعد صرف ۸۰۰۰ (آٹھ ہزار) فرانک ہاتھ آئے حالاں کہ انھی جاگیروں پر ہاتھ صاف کر کے ان ٹولیوں نے بڑی دولت بنائی تھی۔

وارسائی کی حکومت میں جیسے ھی زرا جان پڑی اور اس کے قدم جمے ، چھوٹتے ھی اس نے کمیون کے خلاف انتہائی ظالمانہ کارروائیاں شروع کردیں ؛ سارے فرانس میں ہر قسم کے آزادانہ اظہار رائے کی بندش اور بڑے شہروں میں ڈیلی گیٹوں کے جلسوں تک کی مناھی کردی ، وارسائی اور سارے ملک میں جاسوسی کا جال بچھا دیا ، وہ بھی اتنے وسیع پیمانے پر کہ خود دوسری شہنشاھی نے نہیں کیا تھا ؛ اس کے ژندارمی مخبروں نے ان سارے اخباروں کو جلا ڈالا جو پیرس سے نکلتے تھے ؛ پیرس کی ساری ڈاک چھانی جانے لگی ؛ اگر دبے لفظوں میں پیرس کی تائید میں زبان کھولنے کی زرا بھی کوشش کی جاتی تو قومی اسمبلی میں اس پر وہ طوفان اٹھایا جاتا جس سے ۱۸۱۶ ء کے زمانے کی بدترین رجعت‌پرست پارلیمنٹ بھی کانوں پر ہاتھ دھرتی۔ وارسائی‌والے نہ صرف یہ کہ پیرس کے خلاف خون‌آشام جنگ چلا رہے تھے بلکہ شہر کے اندر روپیہ کھلا کر اور سازشیں کر کے بھی آدمی توڑنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ کیا ان حالات میں کمیون ، اپنے فریضے کو دغا دئے بغیر ، لبرل‌ازم یا رواداری کا وہ تکلف برت سکتا تھا جو خاص امن کے زمانے میں برتا جاتا ھے ؟ اگر کمیون کی حکومت اپنی فطرت سے ویسی ھوتی جیسی تیئر کی حکومت تو پھر پیرس میں ضابطہ پارٹی کے اخباروں پر اور وارسائی میں کمیون کے اخباروں پر پابندی لگانے کی کوئی ضرورت نہ رھتی۔

’’ چودھریوں کی چوپال ،، کا طیش میں آپے سے باھر ھونا قدرتی بات ھے کیوں کہ اس وقت جب وہ فرانس کی نجات گرجا گھروں کی طرف واپسی میں بیان کر رھے تھے ، ان بداعتقاد کمیون‌والوں نے پکپیوس کی زنانی خانقاہ اور سینٹ لارینت (۱۲۴) کے گرجا کا کچا چٹھا سنا دیا۔ کیا یہ موسیو تیئر پر کچھ کم طنز تھا کہ اس وقت جب وہ بوناپارٹ کے جنرلوں پر انعام‌واعزاز کے پھول برسا رھاتھا ، اس کمال پر کہ وہ لڑائیاں ھارنے کے فن میں ، ھتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کرنے اور ولھلم سھوئے کے مقام پر سگرٹ سوڑنے کے فن میں

طاق ہوچکے ہیں ، عین انہی دنوں کمیون اپنے جنرلوں کو فرض کی ادائگی میں زرا بھی بےپرواہی پر برخاست یا گرفتار کر لیتا تھا۔ کیا یہ جعلی دستاویزیں بنانےوالے ژیول فاور کے منھ پر طمانچہ نہیں تھا کہ وہ ابھی تک فرانس کے وزیر خارجہ کی کرسی پر بیٹھ کر ملک کو بسمارک کے ہاتھ فروخت کر رہا تھا ، اور بلجیم کی ماڈل حکوست پر حکم چلا رہا تھا ، لیکن کمیون نے اپنی حکوست کے ایک ممبر بلانشے کو پہلے برخاست اور پھر گرفتار کر لیا صرف اس قصور میں کہ معمولی دیوالیہ‌پن کے کارن لیون میں چھہ دن کی سزا کاٹنے کے بعد وہ نام بدل کر کمیون میں شریک ہوگیا تھا۔ تاہم اس طرح جیسے پہلے کی سب حکوستیں بلا استثنا دعویدار ہوا کرتی تھیں ، کمیون نے اپنی بےگناہی کا کوئی دعوا نہیں کیا۔ وہ اپنے سارے قول‌وفعل کا حساب پبلک میں پیش کرتا اور اپنی تمام کوتاہیوں سے لوگوں کو باخبر کیا کرتا تھا۔

ہر ایک انقلاب میں یہ ہوتا ہے کہ کھرے نمائندوں کے علاوہ دوسری قسم کے لوگ بھی سامنے آجاتے ہیں۔ ایک طرف سے ایسے لوگ جو پہلے کے انقلابوں میں شریک اور ان کے جاں‌نثار رہ چکے ہیں ، اور موجودہ تحریک کی گہرائی کو نہ سمجھنے کے باوجود ، اپنی مشہور دیانت‌داری اور دلیری کی بدولت یا پھر محض پرانی شہرت و مقبولیت کے سبب لوگوں میں مقبول اور بااثر ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے ایسے کھلاڑی جنھیں صرف گیند اچھالنے سے مطلب۔ حکوست وقت کے خلاف ایک ہی ٹھپے کے بیان‌دیتے دیتے وہ عوام میں صف اول کے انقلابی مشہور ہو جاتے ہیں۔ ۱۸ مارچ کو کمیون کا اعلان ہونے کے بعد اس وضع کے لوگ بھی نمودار ہوئے اور بعض اوقات اہم ذمہ‌داریاں بھی انہیں سونپی گئیں۔ جس طرح اس قماش کے لوگ پہلے کے تمام انقلابوں کی پوری اٹھان میں رکاوٹیں‌ڈالا کرتے تھے ، اس بار بھی ، جہاں تک ان کا بس چلا ، مزدور طبقےکی بےلاگ تحریک میں روڑے اٹکاتے رہے۔ یہ لوگ وہ خرابی ہیں جس سے کوئی چارہ نہیں۔ وقت انہیں خود ہی راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ مگر کمیون کو اتنا وقت کہاں ملا !

کمیون نے پیرس شہر کی کایا کلپ کردی ! دوسری شہنشاھی کے زمانے کا یہ بدکاریوں کا اڈا غائب ہو گیا۔ فرانس کا پائےتخت اب وہ کوچہ نہ رہا جہاں برطانوی جاگیردار ، آئرلینڈ کے غیرحاضر (Absentee) (۱۲۵) ، امریکہ کے پرانے بردہفروش اور نودولتیے ، روس کے سابق غلام آباد تعلقہدار اور ولاخیا کے سردار گلے ملا کرتے تھے۔ مردہ گھر میں کہیں لاوارث لاش کا پتہ نہ تھا ، راتوں کی ٹھگی ڈکیتی کا نشان نہ تھا ، چوری شاید ہی کبھی ہوتی ہو ۔ فروری ۱۸۴۸ء سے اب تک پہلی بار پیرس کی سڑکوں پر سلامتی کا دور دورہ ہوا ، حالاں کہ پولیس کا پہرہ بھی کہیں نہیں تھا۔ کمیون کے ایک ممبر کا بیان ہے کہ :

”ہم نے نہ تو کہیں قتل سنا ، نہ چوری اور اکا دکا حملے کی واردات۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولیس ، اپنے ساتھ اپنے کمظرف دوستوں کو بھی وارسائی لے کر چمپت ہو گئی۔ “

سوالی اپنے سرپرستوں کی بو سونگھتے ہوئے ، خاندان ، مذھب اور ، سب سے بڑی بات ، ذاتی ملکیت کے فراری محافظوں کے پیچھے پیچھے ہولئے۔ ان کے بجائے پہلی صف صحیح معنوں میں پیرس کی ان عورتوں نے سنبھال لی جو بہت قدیم زمانے کی مثالی عورتوں کی طرح جانباز ، شریف اور ایثار پسند تھیں۔ محنت میں لگا ہوا ، فکروں اور لڑائیوں میں گھرا ہوا ، لہو میں بھرا ہوا پیرس ، جس کا ماتھا اپنے تاریخی اقدام کے گہرے احساس سے دمک رہا تھا ، ان آدمخوروں کی طرف سے بےپروا ہوکر ، جو شہر کی فصیل کے سامنے کھڑے تھے ، تن من سے نئے سماج کی اٹھان میں لگ گیا۔

پیرس کی اس نئی دنیا کے بالکل مقابل وارسائی کی پرانی دنیا موجود تھی ، تمام گئی گزری عملداریوں کے مردے کھانےوالے گدھوں کی یہ منڈلی : جائزوارثوالے ، اورلینوالے ، قوم کی لاش پر جھپٹنے والے ، جن کی دم میں دقیانوسی ریپبلکن اور قومی اسمبلی میں اپنی موجودگی سے بردہفروشوں (غلامداروں) کی شورش کی تائید کرنےوالے ؛ انھیں امید تھی

کہ خودپسند بوڑھے مسخرے کی سرکردگی کی بدولت وہ پارلیمنٹری ریپبلک سنبھال لے جائیں گے ؛ یہ ژےدےپوم * میں آسیب زدہ جلسے بلا کر ۱۷۸۹ ء کے واقعات کا منہ چڑانے میں لگے تھے۔ یہ قومی اسمبلی جو فرانس کی ہر ایک مردار شے کی نمائندہ تھی ، اپنی زندگی کا بھرم رکھنے میں صرف لوئی بوناپارٹ کے جنرلوں کی محتاج تھی۔ پیرس محض حق، وارسائی صرف باطل ، اور اس باطل کی صدا لگانے والا تھا تیئر۔

تیئر نے سین اور اوآز حلقوں کے میئروں کے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

" آپ صاحبان میرے قول پر بھروسہ رکھئے۔ میں نے کبھی اپنا قول نہیں ہارا۔ "

اس نے قومی اسمبلی سے کہا کہ " آج تک فرانس نے جتنی اسمبلیاں دیکھی ہیں ، یہ اسمبلی ان سب سے زیادہ روادار اور سب سے زیادہ آزادانہ چنی ہوئی اسمبلی ہے "۔ اپنے وردی پوش فوجیوں کو تھپکا کہ " یہ فوج دنیا میں ایک معجزہ ہے ، فرانس کو ایسی اچھی فوج کبھی نصیب نہ ہوئی تھی "۔ صوبوں کو اس نے بتایا کہ " پیرس پر اس کے حکم سے گولہ باری محض ایک افسانہ ہے :

" اگر توپوں کے دھانوں نے کچھ گولے برسائے ہوں تو وارسائی کی فوج نے نہیں بلکہ شورش پسندوں نے برسائے ہوں گے ، جو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ مقابلہ کر رہے ہیں ، اگرچہ وہ اپنی صورتیں دکھاتے ڈرتے ہیں۔ "

بعد میں اسی تیئر نے صوبوں کو اطلاع دی کہ :

"وارسائی کا توپخانہ پیرس پر گولہ باری نہیں کر رہا ہے بلکہ صرف گولی چلا رہا ہے۔ "

---

* وہ ٹینس کورٹ جہاں ۱۷۸۹ ء کی قومی اسمبلی نے مشہور فیصلے کئے تھے (۱۲۶)۔ (۱۸۷۱ ء کے ایڈیشن کے لئے اینگلس کا نوٹ۔)

پیرس کے بڑے پادری (آرچ بشپ) سے اس نے کہا کہ لوگوں کو گولی سے اڑانے یا زیادتیوں (!) سے کام لینے کا وارسائی کی فوج پر بہتان لگایا جاتا ہے۔ پیرس کو مخاطب کیا کہ ''شہر کو ان ظالموں کے پنجے سے آزاد کرانا،، چاہتا ہے جو ''نفرت‌انگیز ستمگر ہیں،، اور یہ کہ کمیون‌والا پیرس ''مجرموں کا ایک انبوہ ہے،،۔

تیئر کی پسند کا پیرس ''ہجوم عام،، کا پیرس نہ تھا، وہ تو نظر فریبی کا شہر تھا، francs-fileurs (۱۲۷) کا شہر، سایہ‌دار روشوں کا شہر جن میں زردار، دولتمند، سونے میں جگمگ کرتے، مفت‌خورے پیرس‌والے مردوزن گھومتے پھرتے ہوں، ان خدمت گزاروں، چوراچکوں، ادبی آوارہ گردوں، اور cocottes کا پیرس، جو فی‌الحال وارسائی، سین‌دینی، روئیے اور سین‌ژرمین میں بھرے ہوئے تھے اور جس کی نظر میں خانہ جنگی صرف ایک دلچسپ تفریح تھی، جو دوربینوں میں سے جنگی کارروائیوں کی جھلک دیکھتا، توپوں کی باڑھ کا حساب جوڑتا اور اپنی عزت کی اور اپنی آبرو باختہ عورتوں کی آبرو کی قسم کھا کھا کر دعوے کیا کرتا تھا کہ یہ اتنا عمدہ تماشا چل رہا ہے کہ پورت‌سین‌مارتین کے تھیٹر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں جو مرتے تھے، وہ سچ مچ موت کے منہ میں جا رہے تھے، زخمیوں کی چیخیں اصلی تھیں اور پھر لطف یہ کہ نظر کے سامنے وہ ڈرامہ چل رہا تھا جس کی عالمی تاریخ کے اسٹیج پر اہمیت تھی۔

یہ تھا موسیو تیئر کا پیرس، بالکل اسی طرح جیسے کوبلینتس کی پناہ گزیں حکومت ہی موسیو دی کلون کا اصلی فرانس تھی (۱۲۸)۔

۴

بردہ‌فروشوں نے جو سازش کی تھی کہ پروشیائی فوج کا قبضہ کرا کے پیرس کو دبا لیں گے، اس کی پہلی کوشش تو یوں ناکام ہوئی کہ بسمارک نے قبضہ لینے سے انکار کر دیا۔ دوسری کوشش ۱۸ مارچ کو کی گئی، وہ یوں تمام ہوئی کہ فوج نے شکست کھائی اور حکومت

وارسائی کی طرف بھاگ نکلی ، پھر اسی کے آرڈر پر انتظامی محکموں نے بھی اپناکام چھوڑکر وارسائی کا رخ کیا ۔ پیرس سے صلح کی گفتگو کی آڑ لے کر تیئر نے اتنی مہلت حاصل کرلی جس میں پیرس سے جنگ کی پوری تیاری کر لی جائے ۔ مگر فوج کہاں سے آئے ؟ چھاونی کی رجمنٹوں میں جو تھوڑے بہت آدمی ٹھیرے تھے ، شمار میں کم اور کردار میں کچے تھے ۔ تیئر نے صوبوں کے نام زوردار تقاضے بھیجے کہ نیشنل گارڈ اور والنٹیروں سے وارسائی حکومت کو کمک بھیجی جائے ، جواب میں صرف انکار ملا ۔ لے دے کے صرف صوبہ بریتان نے مٹھی بھر شوآن (۱۲۹) روانہ کئے ، جو سفید جھنڈے تلے لڑتے تھے ، ہر ایک کے سینے پر سفید کپڑے سے یسوع مسیح کا دل ٹنکا ہوا تھا ؛ ان کا جنگی نعرہ تھا «Vive le Roi!» (بادشاہ سلامت ، زندہ باد !) ۔ اس طرح تیئر نے بھاگ‌دوڑ کرکے اوٹ‌پٹانگ وردیوں کا ایک ھجوم اکٹھا کر لیا ، جس میں جہاز کے خلاصی ، پیدل نیوی کے سپاھی ، پاپائے روم کے زوآو (۱۳۰) ، والن‌تین کی ژندارمی‌والے ، پیئتری کے پولیس‌والے اور جاسوس شامل تھے ۔ یہ فوج کسی کرم کی نہ ھوتی اگر بوناپارٹ کی فوج کے وہ جنگی قیدی رفتہ‌رفتہ اس‌کی صفوں میں آ کر نہ ملتے جنھیں بسمارک صرف اتنی تعداد میں چھوڑتا رہا جو ایک طرف تو خانہ جنگی جاری رکھنے کے لئے پوری پڑے ، دوسری طرف وارسائی کی حکومت کو پروشیا کا محتاج بنا کر رکھے ۔ جنگ کے دنوں میں وارسائی کی پولیس برابر ان فوجیوں پر نظر رکھتی تھی، اور ژندارمی‌والوں کو سب سے خطرناک ٹھکانوں پر کھڑا ھونا پڑتا تھا تاکہ یہ فوج ان کے پیچھے وھاں پہنچے ۔ جو قلعے ھاتھ لگے وہ بھی فتح سے نہیں ، خریداری سے ھاتھ لگے ۔ کمیون‌والوں کی جاں‌بازی نے تیئر پر ثابت کر دیا کہ نہ تو اس کی جنگی چالوں کے کمال سے پیرس کے دانت کھٹے کئے جاسکتے ھیں ، نہ ان سنگینوں کی مدد سے جو اسے میسر تھیں ۔

اس عرصے میں صوبوں کے ساتھ اس کے تعلقات میں فرق آتا چلا گیا ۔ وارسائی میں ایک بھی خوشنودی کا پیغام ایسا نہ پہنچا جس سے تیئر اور اس کی ”چودھریوں کی چوپال“ کا دل کچھ ٹھنڈا ھوتا ۔ الٹے

هر طرف سے وفد اور تحریری پیغام ایسے لب‌ولہجہ میں چلے آ رہے تھے جس میں عزت و احترام کا شائبہ نہ تھا، اور یہ تقاضے کرتے تھے کہ پیرس سے صلح کر لینی چاہئے اس بنیاد پر کہ رپبلک کو بے‌حیل‌حجت تسلیم کیا جائے، کمیون کی آزادیاں مان‌لی جائیں، اور قومی اسمبلی کو، جس کے اختیار کی میعاد گزر چکی ہے، توڑ دیا جائے۔ وفد اور خطوط اتنی بڑی تعداد میں آئے کہ تیئر کے وزیر قانون دیوفور نے وکیل سرکار کے نام ۲۳ اپریل کے سرکلر میں یہ حکم بھیجا کہ ''صلح کی پکار'' کو جرم قرار دیا جائے! پیرس کے مقابلے میں اپنی مہم کچی دیکھ کر تیئر نے فیصلہ کیا کہ چال بدلنی چاہئے اور ۳۰ اپریل کو پورے فرانس میں میونسپل انتخابات کرائے جائیں۔ یہ انتخاب اس نئے قانون کی بنا پر رکھے گئے جو خود تیئر نے قومی اسمبلی کے سر تھوپا تھا۔ کچھ اپنے پریفیکٹوں کے جوڑ توڑ سے، کچھ پولیس کی دھمکیوں سے کام لے کر اسے یقین تھا کہ میونسپل انتخابات کی بدولت صوبوں سے قومی اسمبلی کو وہ اخلاقی مدد مل جائے‌گی جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی اور آخر صوبوں سے وہ مادی طاقت بھی ہاتھ آئے‌گی جس سے پیرس کو دبا لیا جائے۔

تیئر کی شروع سے یہ کوشش تھی کہ وہ پیرس سے جو غارت‌گرانہ جنگ کر رہا ہے، جس کی بڑھ بڑھ کر داد دی جاتی ہے اس کے خاص بلیٹینوں میں، اور اس‌کے وزیروں نے سارے فرانس میں جو دہشت کا راج قائم کرنے کی کوشش کی ہے اسی کے ساتھ صلح صفائی کا ہلکا پھلکا کھیل بھی چلتا رہے جس کی بدولت کئی کام نکل آئیں‌گے: ایک تو یہ کہ صوبوں کو دھوکے میں رکھا جاسکے‌گا، دوسرے پیرس میں درمیانی طبقے کے کچھ حصے کی توجہ اس کی طرف کھنچے‌گی، اور بڑی بات یہ کہ قومی اسمبلی میں جو لوگ رپبلکن ہونے کا بھرم رکھتے ہیں انہیں موقع ملے‌گا کہ پیرس سے اپنی غداری پر تیئر سے اپنی وفاداری کا پردہ ڈال سکیں۔ ۲۱ مارچ کو جب تیئر کے پاس فوج کا بندوبست نہیں ہوا تھا اس نے قومی اسمبلی کو خطاب کرکے کہا:

''چاہے جو ہو، میں پیرس پر فوج نہیں بھیجنے‌والا۔''

۲۷ مارچ کو اس نے پھر آواز بلند کی:

”میں نے جب اپنا عہدہ سنبھالا تو ریپبلک کا وجود ایک حقیقت تھا۔ میں نے اس کی حفاظت کا پختہ عہد کیا ہے۔“

اصلیت یہ ہے کہ ریپبلک کے نام پر اس نے لیون اور مارسیلز مقامات پر انقلاب کو کچل ڈالا (۱۳۱)۔ وہ بھی ایسے وقت جب وارسائی میں ”چودھریوں کی چوپال“، ”ریپبلک“ کے لفظ پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھی۔ جب وہ اس کارنامے سے فارغ ہو چکا تو ”مانی ہوئی حقیقت“ (ریپبلک کا مرتبہ) اس نے مجوزہ حقیقت کہہ کر گھٹایا۔ اورلین کے وہ شہزادے، جنہیں احتیاط کے مدنظر اس نے بوردو سے ہٹا دیا تھا، انہیں چھوٹ مل گئی کہ قانون کی کھلی خلاف‌ورزی کرکے دریو کے مقام پر جوڑ توڑ کیا کریں۔ پیرس کے اور صوبوں کے ڈیلی گیٹوں سے بےشمار ملاقاتوں میں جو صلح کی شرطیں وہ زبان سے نکالتا تھا، چاہے ان بیانوں میں وقت اور حالات کی نسبت سے لب‌ولہجہ اور نشیب‌فراز کا کتنا ہی فرق کیوں نہ پڑے، تاہم انتقام کے معاملے میں اس حد سے کبھی نہیں گزرا کہ

”مجرموں کے اس چھوٹے سے گروہ سے انتقام لیا جائے گا جو کلیماں تھامس اور لیکونت کے قتل کے ذمہ‌دار ہیں۔“

البتہ یہ ضرور ملحوظ رہتا تھا کہ پیرس اور پورا فرانس بلاشرط موسیو تیئر کو ہی ریپبلک کی بہترین صورت مان‌لیں، ٹھیک اسی‌طرح جیسے خود تیئر نے ۱۸۳۰ء میں بادشاہ لوئی فلپ کو ریپبلک کی بہترین صورت مانا تھا۔ بہرحال ان تھوڑی بہت رعایتوں کو بھی وہ یوں شبہ میں ڈال دیتا تھا کہ قومی اسمبلی کے سامنے تیئر کے وزیر ان بیانات یا شرائط پر سرکاری حاشیے چڑھا دیا کرتے تھے۔ صرف اس پر بس نہیں بلکہ دیوفور کے ذریعے بھی وہ اثرانداز ہوتا رہتا تھا۔ دیوفور اورلین‌والوں کا حامی پرانا وکیل تھا جو ہمیشہ محاصرے کے دنوں میں عدالت عالیہ کا کرسی نشین رہا تھا، آجکل کی طرح ۱۸۷۱ء میں تیئر کے دور حکومت میں، ۱۸۳۹ء میں لوئی فلپ کی بادشاہی میں، اور ۱۸۴۹ء میں جب لوئی بوناپارٹ کی صدارت تھی تب بھی وہی سپریم

کورٹ کا جج تھا۔ جب وزارت ھاتھ میں نہ ھوتی تو یہ شخص پیرس کے سرمایہ‌داروں کے مقدمے لڑکر روپیہ بناتا اور پھر ان قانونوں پر حملے کرکے جو خود اسی کے دماغ کی پیداوار تھے، سیاسی مقبولیت بھی کما لیتا تھا۔ قومی اسمبلی میں تیزی سے جو ظالمانہ قانونوں کا ایک سلسلہ منظور کرا لیا گیا کہ پیرس پر غلبہ پالینے کے بعد ان قانونوں کے ذریعے فرانس میں رپبلکن آزادیوں کا نام ونشان تک مٹایا جانا تھا، اس جج کی تسکین نہیں ھوئی اور آئندہ کے لئے اس‌نے پیرس کی تقدیر یہ تجویز کی کہ کورٹ مارشل کی کارروائی چوں کہ اس کے خیال سے بہت دھیرے چلتی تھی، اس لئے کارروائی کی تفصیلات کتر کر (۱۳۲)، جلاوطنی کی سزا کے نئے اندھے قانون بنادئے۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب نے سیاسی جرائم پر سزائے موت منسوخ کر دی تھی، اس کی جگہ جلاوطنی رکھی تھی۔ لوئی بوناپارٹ کو یہ ھمت نہ ھوئی کہ سزائےموت کا دور پھر سے لےآتا، وہ کم‌ازکم اسے تحریری شکل تو نہ دے سکا۔ ”چودھریوں کی چوپال“، میں ابھی ھمت کی کمی تھی کہ پیرس‌والوں کو باغی کے بجائے قاتل نہ کہہ سکے، مگر ھاں، انھوں نے پیرس سے انتقام لینے پر کمر باندھی تو جلاوطنی کے بارے میں دیوفور کے نئے قانون سے شروع کیا۔ ان تمام حالات کے ھوتے تیئر اپنا صلح کے نامہ‌وپیام‌والا کھیل نہیں کھیل سکتا تھا اگر اس تماشے پر، اس کے اپنے منشا کے مطابق، وہ ”چودھریوں کی چوپال“، دیوانگی سے چیخ پکار نہ مچاتی رھتی، جو اپنی موٹی عقل کے باعث نہ تو اس کا کھیل سمجھ رھی تھی، نہ اس دورخی پالیسی میں دکھاوے اور ٹال‌مٹول کی ضرورت سمجھنا اس کے بس کی بات تھی۔

۳۰ اپریل کے میونسپل الکشن قریب تھے، تیئر نے ۲۷ اپریل کو صلح کا ایک منظر تیار کیا۔ جذباتی تقریروں کے سیلاب کے درمیان اس نے قومی اسمبلی کے اسٹیج سے پکارکر کہا:

”رپبلک کے خلاف صرف ایک سازش کا وجود ھے، وہ پیرس کی سازش جو ھمیں فرانسیسی خون بہانے پر مجبور کر رھی ھے۔ لیکن میں بار بار دھراتا ھوں کہ وہ جنھوں نے

ناپاک ہتھیار اٹھا رکھے ہیں ، ہتھیار رکھ دیں اور ہم اپنی تعزیری تلوار فوراً روک لیں گے ، صلح نامہ کرلیں گے ، جس سے مجرموں کی صرف ایک ٹولی کو مستثنی رکھا جائے گا۔،،

''چودھریوں کی چوپال،، کے ممبروں نے تقریر میں شور مچایا تو اس کے جواب میں وہ بولا :

''حضرات ، صاف کہئے ، آپ سے پرزور درخواست ہے ، بتائیے ، میں نے کیا غلط کہا ؟ کیا آپ کو واقعی افسوس ہے کہ میں نے حقیقت بیان کردی کہ مجرم صرف ایک ٹولی ہیں ؟ اتنی ساری آفتوں میں ، کیا یہ خوش‌قسمتی نہیں ہے کہ وہ جنھوں نے جنرل کلیماں تھاسں اور جنرل لیکونت کے خون میں ہاتھ رنگے وہ محض گنتی کے لوگ ہیں ۔ ،،

تاہم فرانس نے تیئر کی ان تقریروں کو ، جنھیں وہ یہ سمجھ کر خوش تھا کہ پارلیمنٹ کے سارے نغمے اسیر کر لیں گی ، اس کان سنا ، اس کان اڑادیا ۔ سات لاکھ میونسپل کونسلروں میں سے ، جنھیں ان ۳۵۰۰۰ حلقوں نے چنا تھا جو فرانس کے ہاتھ میں رہ گئے تھے ، جائزوارث‌والے ، اورلین‌والے اور بوناپارٹ کے حامی مل کر بھی اپنے ۸۰۰۰ امیدوار کامیاب نہ کرسکے ۔ ضمنی انتخابات نے جو نتائج دکھائے وہ تیئر کی حکومت کے حق میں اور بھی برے تھے ۔ قومی اسمبلی نہ صرف یہ کہ صوبوں سے اتنی نشستیں نہ لے سکی جو مادی طاقت بنائے رکھنے کے لئے لازم تھیں ، بلکہ اخلاقی طاقت کا آخری حق بھی کھو بیٹھی : یہ حق کہ وہ خود کو ملک کی رائے عامہ کا ترجمان شمار کرے ۔ شکست میں جو کسر تھی وہ یوں پوری ہوئی کہ تمام فرانسیسی شہروں کی نئی منتخبہ میونسپل کمیٹیوں نے بوردو میں جوابی اسمبلی سے وارسائی کی اسمبلی کی غاصبانہ طاقت کو کھلا چیلنج کر دیا ۔

وہ وقت آگیا جس کا انتظار بسمارک ایک زمانے سے کر رہا تھا ۔ حاکمانہ انداز میں اس نے تیئر سے کہا کہ اپنے مختار عام کو فرینکفرٹ روانہ کر دے تاکہ صلح نامے پر آخری دستخط ہو جائیں ۔

اپنے مالک کا حکم بجا لانے کے لئے نہایت ادب سے تیئر نے جلدی جلدی بھروسے کے آدمی ژیول فاور کو فرینکفرٹ کی طرف رخصت کیا اور پوئیے کرتیے کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یہ شخص پویے کرتیے رواں میں لٹھا مل کا "مشہور"، مالک، دوسری شہنشاهی کا گرم، جی‌حضوری، حامی و مددگار، جس نے اس شہنشاهی میں بس ایک هی خرابی دیکھی تھی کہ انگلینڈ کے ساتھ ایسا تجارتی معاهده (۱۳۳) کر لیا جس کی زد رواں کے لٹھا مل مالک پر پڑتی تھی۔ تیئر نے اسے بوردو کے دنوں میں وزیرمال مقرر کیا هی تھا کہ اس‌نے انگلینڈ کے ساتھ "ناپاک"، معاهدے پر حملہ شروع کر دیا اور اشاروں میں کہا کہ یہ معاهده عنقریب منسوخ کیا جائے گا، ڈھٹائی سے اس دھمکی کی تعمیل کی طرف بھی قدم اٹھا دیا، اگرچہ اس کی چلی نہیں (کیوں کہ بسمارک سے تو اجازت مانگی نہیں تھی)، دھمکی یہ کہ الزاس صوبے کے خلاف پرانی بندشی ڈیوٹیاں پھر جاری کر دیں، وجه بقول اس کے یہ کہ پہلے کے کوئی انٹرنیشنل معاهدے اس ڈیوٹی کی راہ میں حائل نہیں ہوتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے انقلاب کے خلاف کارروائی کو رواں میں مزدوریاں گھٹا دینے کا ایک ذریعه سمجھا اور فرانسیسی صوبوں کے غنیم کے هاتھ پڑنے میں یہ گنجائش پائی کہ فرانس بھر میں اپنے مال کے دام بڑھادے۔ بھلا اس قماش کے آدمی کو چھوڑ کر تیئر کی نگاہ انتخاب اور کس پر پڑتی کہ ژیول فاور کا مددگار ھو کر جائے، اس کی آخری اور چوٹی کی دغابازی میں هاتھ بٹائے؟

جب مختارعام کا حق رکھنےوالی یہ عمدہ جوڑی فرینکفرٹ پہنچی تو بسمارک نے بےمروتی اور سختی سے اس کے سامنے یہ دو راستے رکھ دئے: "یا تو شہنشاهی بحال کی جائے یا صلح کی جو شرطیں میں مقرر کروں انھیں بےچون‌وچرا مان لیا جائے!"، ان شرطوں میں یہ رکھا گیا تھا کہ تاوان جنگ بھرنے کی مدت میں جو درمیانی وقفے تھے وہ اور مختصر ھوں، اور پیرس کے قلعے پروشیائی فوج کے قبضے میں تب تک رهیں جب تک فرانس کی صورت حال سے بسمارک خوب مطمئن نہ ھو جائے۔ اس طرح پروشیا کی حیثیت فرانس کی اندرونی سیاست میں سرپنچ کی ھو جاتی! اس کے بدلے میں بسمارک نے یہ پیش کش

کر دی کہ بوناپارٹ کی فوج سے جو قیدی ھیں انھیں پیرس کی بربادی کی راہ پر رھا کر دیا جائے گا، بلکہ شاہ ولہلم قیصر جرمنی کی فوجیں بھی ان کی کمک کو جائیں‌گی۔ اپنے قول کی سچائی دکھانے کو اس نے تاوان جنگ کی پہلی قسط کی ادائگی پیرس میں ''امن‌چین،، ہونے تک ملتوی کر دی۔ تیئر اور اس کے مختار عام یہ نوالہ شوق سے نگل گئے۔ انھوں نے ۱۰ مئی کو صلح‌نامے پر دستخط کر دئے اور وارسائی کی اسمبلی نے ۱۸ مئی کو اس پر مہر تصدیق بھی لگادی۔

صلح‌نامہ ھونے اور بوناپارٹ‌والے جنگی قیدیوں کے چھوٹ کر آنے تک تیئر کو اور بھی مجبوری تھی صلح کے نامہ و پیام کا تماشا جاری رکھنے کی، کیونکہ اس کے ریپبلکن کل‌پرزے ایسا بہانہ تلاش کرنے کے لئے ھاتھ پاؤں مار رھے تھے جس سے پیرس میں قتل عام کی تیاری گلے اتر سکے۔ ۸ مئی کو تیئر نے درمیانی طبقے کے صلح پسندوں کے ایک وفد سے گفتگو میں کہا:

''جیسے ھی شورش پسند (insurgents) (۱۳۴) ھتھیار ڈالنے پر آمادہ ھو جائیں گے، پیرس کے پھاٹک ھفتہ بھر کے لئے سب پر کھول دئے جائیں‌گے، سوائے ان کے جنھوں نے جنرل کلیماں تھامس اور لیکونت کے خون میں ھاتھ رنگے ھیں۔،،

چند روز بعد جب ''چودھریوں کی چوپال،، نے اس سے جواب طلب کیا کہ یہ وعدہ کس بنا پر کیا گیا تو وہ جواب دینے سے کترایا لیکن پھر بھی یہ معنی‌خیز جملے کہہ گیا:

''میں آپ سے کہتا ھوں کہ آپ کے درمیان بڑے بے‌صبرے لوگ ھیں جنھیں ھر بات کی جلدی پڑی ھے۔ اور زرا ھفتہ بھر صبر سے کام لیں۔ ایک ھفتے بعد کوئی خطرہ نہیں رہ جائے گا۔ اور جو کام انجام پانا ھے وہ ان کی سرفروشی اور صلاحیت کے مطابق انجام پائے گا۔،،

جیسے ھی میک‌موھن نے اسے یقین دلایا کہ وہ پیرس کے اندر فوج بڑھا سکتا ھے، تیئر نے قومی اسمبلی کو خبر دی کہ

” پیرس میں قدم رکھتے وقت قانون همارے هاتھ میں
هوگا اور ان رذیلوں کو مجبور کیا جائے گا جنهوں نے سپاهیوں
کا خون بہایا اور قومی یادگاروں کو ڈهایا هے که اپنے جرائم
کی پوری سزا بهگتیں ۔ “

فیصله کن لمحه قریب آتا دکھائی دیا تو اس نے قومی اسمبلی سے کہا کہ ” میں معاف نہیں کرنے والا “ ۔ پیرس سے کہا کہ سزا کا فیصله سنایا جاچکا اور اپنے بوناپارٹ والے ڈاکوؤں کو بتایا که حکومت کی طرف سے عام اجازت هے ، جتنا چاهیں ، پیرس سے انتقام لے لیں ۔ آخر ۲۱ مئی کو جب دغا سے پیرس کے پهاٹک جنرل دوئے پر کھل گئے تو دوسرے دن تیئر نے ” چودهریوں کی چوپال “ پر اپنے صلح والے تماشے کی وه ” غرض “ بهی کهول دی ، جس سے انهوں نے اپنی عقل و فہم کے دروازے سختی سے بند کر رکھے تھے ۔

” میں آپ صاحبان کو چند روز پہلے بتاچکا هوں که
هم اپنے مقصد کے قریب پہنچنے والے هیں ۔ آج یه بتانے آیا
هوں که هم اپنے مقصد کو پہنچ گئے ۔ ضابطه ، انصاف
اور تہذیب نے بالآخر فتح پائی ۔ “

هاں ، فتح تو هو گئی ۔ بورژوازی وضع کے تہذیب و انصاف اپنے اصلی اور بدطینت رنگ میں سامنے آجاتے هیں جب اس کے بندے ، اس کے روندے هوئے سالکوں کے خلاف سر اٹھاتے هیں ۔ یه تہذیب اور یه انصاف بے نقاب هوکر درندگی اور بے لگام انتقام کے روپ میں نکل پڑتا هے ۔ دولت پیدا کرنے والے اور دولت هتهیا لینے والے طبقوں کے درمیان جنگ چهڑتی هے تو هر بار نازک لمحه آتے هی یه حقیقت اور بهی نظروں پر روشن هو جاتی هے ۔ جون ۱۸۴۸ ء میں بورژوازی نے ستم توڑے تھے ، ۱۸۷۱ ء کے انهوں نے مظالم ان سے کہیں بڑھ گئے ۔ پیرس میں وارسائی فوج کے داخل هو جانے کے بعد آٹھ دن تک شہر کی آبادی نے ، مردوں ، عورتوں اور بچوں نے جس جگرداری اور سرفروشی سے مقابله کیا ، وه بهی ان کے مقصد کی عظمت کا اسی طرح

جلوہ دکھاتی ہے جیسے فوج کی درندگی اس تہذیب کی روح کا پتہ دیتی ہے جس‌تہذیب کی طرف سے کرائے کے ٹٹو اور انتقامی بن کر یہ فوجی نکلے تھے۔ واقعی کیسی شاندار تہذیب ہے یہ، جسے اس مشکل کا سامنا ہے کہ ان لوگوں کی لاشوں کے ڈھیر کہاں ٹھکانے لگائے جو لڑائی ختم ہونے کے بعد مارے گئے ہیں!

تیئر اور اس کے خونی کتوں کے کرتوت کی اگر کوئی مثال دیکھنی ہو تو روم قدیم کے سولاوالے اور بعد کے دو فوجی ڈکٹیٹری دور میں مل سکتی ہے (۱۳۵)۔ اب بھی ویسا ہی بے تحاشا قتل عام ہوا؛ اب بھی جلادوں نے ویسے ہی نہ مرد عورت کی تمیز کی، نہ بوڑھے بچے کی؛ اب بھی قیدیوں کو اسی طرح اذیت دی گئی، اب بھی زندگی عذاب کردی گئی، مگر اس بار پورا ایک طبقہ اس کا شکار تھا؛ اب بھی چھپے ہوئے لیڈروں کی تلاش میں درندگی کا برتاؤ تھا کہ کوئی بچ کر نکلنے نہ پائے؛ اب بھی سیاسی اور ذاتی دونوں دشمن عتاب میں آئے؛ اب بھی ان لوگوں کے ساتھ آنکھ بند کر کے وہی درندگی برتی گئی جن کو اس لڑائی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تب روم‌والوں کے پاس نہ تو مترالیوز تھیں کہ پورے پورے ہجوم کو ایک باڑھ میں مار کر گرا دیا جائے، "نہ ہاتھوں میں قانون"، اور نہ زبان پر "تہذیب"۔

جب یہ سارے ہولناک مظالم توڑے جا چکے تو بورژوا تہذیب کا اور زیادہ گندا رخ بھی دیکھنے قابل تھا جو خود اسی کے پریس نے بیان کیا ہے!

لندن کے ایک قدامت‌پسند اخبار کا نامہ‌نگار پیرس سے لکھتا ہے:

> "ابھی دور دور سے گولی چلنے کی آوازیں آرہی ہیں؛ زخمی جو اپنے حال پر چھوڑ دئیے گئے، پیر لاشیز کے قبرستان میں قبروں کے درمیان مرتے جا رہے ہیں؛ ۶۰۰۰ شورش‌پسند دہشت اور بدحواسی میں زمیں‌دوز بھول بھلیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں؛ سڑکوں پر ان بدنصیبوں کے ہجوم ہنکائے جاتے ہیں تاکہ مترالیوز سے انہیں ایک ساتھ توپ دم کر

دیا جائے۔ ایسے وقت یہ دیکھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے کہ تاش، بلیرڈ اور ڈومینو کے شوقینوں سے چائے خانے بھرے ہوئے ہیں۔ اور بنی ٹھنی عورتیں بےحیائی سے سایہ‌دار روشوں میں ٹہلتی پھر رہی ہیں، اور بیش قیمت ریستورانوں کے پرائیویٹ کمروں سے رنگ رلیوں کی صدائیں بلند ہو کر رات کا سناٹا توڑتی رہتی ہیں۔ ،،

مسٹر ایڈورڈ ہروے (۱۳۶) «Journal de Paris» وارسائی کے اس اخبار میں جو کمیون نے بند کر دیا تھا، لکھتے ہیں:

" پیرس کی آبادی (کونسی!) نے جس رنگ میں کل اپنی خوشی کا اظہار کیا، اور جو واقعی آپے سے باہر ہونے سے بھی کچھ سوا تھا، اندیشہ ہے کہ وہ اور بھی بدتر نہ ہو جائے۔ پیرس میں جشن کا منظر ہے جو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ اگر ہمیں اپنے آپ کو زوال‌آمادہ پیرس‌والے (Parisiens de la décadence) نہیں کہلانا ہے تو اس سلسلے کو بند کر دینا ضروری ہے۔ ،،

آگے چل کر وہ تاسیت سے ایک اقتباس دیتا ہے:

" ابھی یہ ہولناک جنگ ختم ہونے بھی نہ پائی تھی کہ دوسری صبح کو نیچ اور بدچلن روم نے پھر عیاشی کی اسی دلدل میں خود کو ڈال دیا جس نے اس کا بدن کھا لیا تھا اور روح کو گندگی میں سان دیا تھا — alibi proelia et vulnera, alibi balneae popinaeque (یہاں زخم اور شمشیریں، وہاں عشرت کی تدبیریں)۔

مسٹر ایڈورڈ ہروے یہ بتانا بھول گئے کہ جسے وہ " پیرس کی آبادی ،، کہہ رہے ہیں، وہ موسیو تیئر کے پیرس کی آبادی ہے، فراری فرانسیسیوں کا وہ پیرس، جو وارسائی، سین‌دینی، روئیے اور سین ژرمین کے مقامات سے ہجوم کر کے ادھر ڈھل رہا ہے، یہ واقعی " زوال آمادہ ،، **پیرس** ہے۔

یہ مجرمانہ تہذیب ، جس کی بنیاد محنت کو مطیع رکھنے پر ہے ، ہر بار جب خون بہا کر فتح کے شادیانے بجاتی ہے تو نئے اور بہتر سماج کی خاطر جان قربان کرنےوالے اپنے ان مقتولوں کی چیخوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے اس زہریلے گالی کوسنے کے شور سے جو دنیا کے گوشے گوشے میں گونجنے لگتا ہے ۔ مزدوروں کا متین پیرس ، کمیون کا پیرس ایک دم بدل کر ” ضابطے ،، کے ان خونی کتوں کے شورقیامت سے جہنم بن گیا ۔ یہ طلسماتی تبدیلی تمام ملکوں کے سرمایہ‌دارانہ دماغ کو کیسی لگتی ہے ؟ یہی نا کہ پیرس کمیون نے تہذیب و تمدن کے خلاف سازش کی تھی ! پیرس‌والے تو کمیون کی خاطر جانیں ہتھیلی پر رکھ کر نکلے : تاریخ میں کسی ایسے معرکے کا ذکر نہیں آیا جس میں اتنے لوگوں نے خود کو قربان کیا ہو ۔ اس کا کیا مطلب ہے ؟ یہی نا کہ کمیون اصل میں جنتا کا راج نہیں تھا بلکہ مٹھی بھر مجرموں نے زبردستی طاقت چھین لی تھی ! پیرس کی عورتیں راستے کی رکاوٹوں (بیری کیڈوں) پر اور پھانسی کے تختوں پر خوشی خوشی اپنے جیون وارتی ہیں ۔ اس سے کیا نکلتا ہے ؟ یہی نا کہ کمیون کے راکھشس نے انھیں جادو کے زور سے ڈائن بنادیا تھا ۔ کمیون کو دو مہینے تک جب سیاہ و سفید کا اختیار حاصل تھا ایسی رواداری دکھائی جس کی مثال شہر کے بچاؤ میں جاں‌بازانہ مردانگی سے ہی مل سکتی ہے ۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں ؟ صرف یہی کہ دو مہینے تک کمیون نے اپنی شیطانی خوں‌آشامی کو رواداری اور انسانیت کے پردے میں چھپائے رکھا تاکہ نزع کے عالم میں اسے خوب کھل کھیلنے کا موقع مل جائے !

مزدوروں کے پیرس نے ، جب خود کو سرفروشی کی آگ میں جھونکا تو شہر کی عمارتوں اور یادگاروں کو بھی شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا ۔ شہر کے حاکم جب پرولتاریوں کے زندہ جسم کے چیتھڑے اڑا رہے ہوں تو یہ امید کیوں رکھیں کہ ان کے مکان صحیح سلامت رہیں‌گے اور وہ شان سے ان میں واپس پہنچیں‌گے ۔ وارسائی حکومت چیختی ہے کہ یہ ” آتش‌زنی ،، تھی ، اور چپکے سے اپنے حوالی موالی کے کان میں ، دورافتادہ بستی تک یہ پھونک دیتی ہے کہ ” میرے

دشمن جہاں بھی ہاتھ آئیں ، چھوڑو مت ، آگ لگانےوالے مجرم کا برتاؤ کرو ،،۔ ساری دنیا کی بورژوازی اس پر تو بغلیں بجاتی ہے کہ لڑائی کے بعد شکست خوردہ لوگوں کا قتل عام ہوا ، لیکن اس بات پر غصے سے تڑپ اٹھتی ہے کہ مکانوں کی اینٹیں اور پلاسٹر کی صورت ”بگڑ گئی،، !

جب خود حکومتیں اپنے جنگی بیڑے کو سرکاری اجازت دیں کہ ”مار ڈالو ، پھونک دو ، اور مٹادو ،، تو یہ آگ لگانے کی کھلی چھٹی ہے یا نہیں ؟ جب انگریز فوجیوں نے واشنگٹن میں کیپٹول کی عمارت کو حماقت سے پھونک ڈالا اور چینی شہنشاہ کے گرما محل کو آگ لگائی (۱۳۷) تو یہ ”آتش‌زنی،، تھی یا نہیں ؟ جب پروشیائی فوج نے کسی جنگی مصلحت سے نہیں بلکہ صرف انتقام کے جوش میں مٹی کا تیل چھڑک کر شاتوداں جیسے شہر اور بہت سارے گاؤں جلا ڈالے تو یہ ”آتش‌زنی ،، تھی یا نہیں ؟ جب تیئر چھہ ہفتے تک برابر پیرس پر گولہ‌باری کرتا رہا اور یقین دلاتا رہا کہ صرف ان مکانوں کو پھونکنا چاہتا ہے جن میں لوگ بھرے ہیں ، تو یہ آتش‌زنی تھی یا نہیں ؟ جنگ میں آگ بھی اتنا ہی جائز ہتھیار ہے جتنے اور ہتھیار ۔ جن عمارتوں میں دشمن کا ڈیرا ہو انہیں آگ لگانے کے لئے گولوں کا نشانہ بناتے ہیں ۔ اور جب ڈیفنس کرنےوالوں کو یہ عمارتیں چھوڑنی پڑتی ہیں تو وہ خود ہی آگ لگاکر ہٹتے ہیں تاکہ حملہ‌آور ان میں قدم نہ جما سکے ۔ لڑائی کے وقت جو عمارتیں مورچے کے سامنے پڑتی ہیں ، چاہے کوئی بھی باقاعدہ فوج ہو ، ان عمارتوں کی تقدیر میں جلنا لکھا ہے ۔ یہ سب سہی ، لیکن ایک ایسی لڑائی میں ، جہاں بندے اپنے ظالم آقاؤں کے خلاف اٹھے تھے ، تاریخ میں وہ تنہا جنگ جو برحق تھی ، آگ لگانے کا یہ عمل سنگین جرم قرار دیا گیا ! کمیون نے آگ سے ، صحیح معنوں میں ، اپنے بچاؤ کا کام لیا ۔ اس نے بلڈنگوں کو آگ لگاکر ایک روک کھڑی کی تاکہ وارسائی کی فوجیں ان لمبی اور سیدھی سڑکوں میں نہ گھس پڑیں جو ہاؤسمان نے خاص طور سے توپخانے کی زد پر رکھنے کے لئے بنوائی تھیں ۔ انہوں نے پیچھے ہٹتے وقت شعلوں سے ایک آڑ کھڑی کی ، اسی طرح جیسے

وارسائی‌والوں نے آگے بڑھتے وقت گولوں کی آڑ بنائی اور ان گولوں سے کم از کم اتنی ہی بلڈنگیں برباد ہوئیں جتنی کمیون کی آگ سے۔ آج تک اس قضیے کا فیصلہ نہیں ہو سکا کہ کون‌سی عمارتیں بچاؤ کے کارن جل گئیں اور کون‌سی حملے کے سبب۔ بچاؤ کرنے‌والوں نے آگ لگانا تب شروع کیا جب وارسائی کی فوجیں قیدیوں کا بے‌تحاشا قتل عام شروع کر چکی تھیں۔ پھر کمیون تو بہت پہلے یہ کھلا نوٹس دے چکا تھا کہ اگر انتہائی مجبور کیا گیا تو وہ خود کو پیرس کے راکھ کے ڈھیر میں دفن کر لیں گے اور پیرس کو دوسرا ماسکو بناڈالیں گے (۱۳۸)۔ یہ وہی نوٹس تھا جو ڈیفنس کی حکومت بھی پہلے دے چکی تھی، لیکن صرف اپنی غداری کا پردہ رکھنے کے لئے۔ اس غرض سے جنرل تروشیو نے مٹی کے تیل کا ذخیرہ بھی کر رکھا تھا۔ کمیون کو خوب معلوم تھا کہ اس کے دشمنوں کی نظر میں پیرس‌والوں کی زندگی کی کوئی وقعت نہیں، البتہ پیرس میں اپنے مکانات بہت عزیز ہیں۔ اور تیئر اپنے طور پر اعلان کر چکا تھا کہ انتقام لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ جب ایک طرف سے اس کی فوج لڑائی پر کمربستہ ہو چکی اور دوسری طرف سے پروشیاوالوں نے باہر نکلنے کے سب راستے بند کر دئے تو تیئر نے پکارکر کہا: ”میں رحم نہیں کرنے‌والا! حساب بے‌باق ہونا چاہئے اور سزا سخت!،، اگر پیرس کے مزدوروں نے وحشیانہ حرکت کی بھی تو یہ اپنے بچاؤ کی آس چھوڑ دینے‌والے کی وحشیانہ حرکت تھی، فاتحانہ شان سے بڑھنے‌والے کی وحشیانہ حرکت نہیں، جیسی کہ ان عیسائیوں سے سرزد ہوئی جنھوں نے قدیم بت‌پرست دنیا کے آرٹ کے واقعی بے بہا خزانے تباہ کر دئے۔ شاید مورخ اس وحشیانہ تباہ‌کاری کو بھی جائز قرار دے کیوں‌کہ نئے اٹھتے ہوئے سماج اور پرانے ٹوٹتے ہوئے سماج کے درمیان جو زبردست ٹکر ہوئی، اس میں یہ ایک ناگزیر نقصان اور نسبتاً چھوٹی سی بات ہے۔ پیرس کے مزدوروں نے جو بھی کیا ہو وہ هاؤسمان کی اس وحشیانہ حرکت کے مقابلے میں کم ہے کہ تاریخی پیرس کو ڈھاکر اس نے سیلانیوں کے پیرس کے لئے جگہ بنائی تھی۔

کمیون نے صرف ضمانت میں پکڑے ہوئے ٦٤ آدمیوں کو گولی سے اڑادیا جن میں پیرس کا اسقف اعظم تھا۔ بورژوازی اور اس کی فوج نے جون ۱۸۴۸ ء میں وہ رواج پھر سے چلادیا جو ایک زمانہ پہلے جنگی کارروائی سے دور کیا جا چکا تھا، یعنی بےبس قیدیوں کو گولی سے اڑانا۔ یہ ظالمانہ رواج تبھی سے کم‌وبیش سختی کے ساتھ برتا جا رہا ہے، اور یورپ اور ہندستان میں عوام کی شورشوں کو دبانےوالے اسے برت رہے ہیں، اور اس طرح دنیا کو دکھا رہے ہیں کہ ’’تہذیب کی ترقی،، میں یہ بھی واقعی شامل ہے! ادھر پروشیاوالوں نے فرانس میں ضمانت کے آدمی (یرغمال) پکڑنے کا رواج پھر جاری کر دیا — یعنی بےقصور لوگوں کو پکڑ لینا جو اپنی زندگی سے دوسروں کے کئے کا بھگتان بھریں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، تیئر نے لڑائی کے شروع سے ہی یہ انسانی وطیرہ اختیار کیا کہ کمیون کے جو آدمی قید ہوں انہیں گولی مار دی جائے، تو کمیون کو بھی ان قیدیوں کی جان بچانے کے لئے مجبوراً پروشیائی رواج اپنانا پڑا کہ یرغمال میں آدمی پکڑ لئے جائیں۔ تب بھی وارسائی کی حکومت باز نہ آئی اور بار بار قیدیوں کو گولی مارکر اس نے خود ہی اپنے آدمیوں کو موت کے منھ میں ڈال دیا۔ ان لوگوں کی زندگی پر کہاں تک ترس کھایا جاتا اس خونی ہولی کے بعد جو سیکسوہن کے پری‌ٹورین فوجیوں (۱۳۹) نے پیرس میں قدم رکھتے ہی منائی۔ بورژوا حکومت کی بےلگام درندگی سے بچنے کا یہ آخری حیلہ، کہ یرغمال میں آدمی پکڑے جائیں — کیا یہ بھی محض‌مذاق ہی رہنے دیا جاتا؟ اسقف اعظم دربوئی کا اصلی قاتل کون ہے؟ تیئر۔ کمیون نے تو اپنی طرف سے کئی بار پیش کش کی کہ اسقف اعظم اور دوسرے بڑے پادریوں کو صرف ایک شخص بلانکی کے تبادلے میں لے لیا جائے جو تیئر کے ہاتھوں قید تھا۔ لیکن تیئر سختی سے تبادلے کو رد کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر بلانکی کو چھوڑا تو کمیون کو دماغ بخشا، اور یہ کہ بڑا پادری زیادہ کارآمد رہے گا اگر مردہ حالت میں ملے۔ اس موقع پر تیئر نے جنرل کوےنیاک کی نقل کی۔ جون ۱۸۴۸ ء میں کوےنیاک اور اس کے ’’ضابطہ پسندوں،، نے کیا ہائے واویلا مچائی تھی اور شورش پسندوں پر الزام لگائے تھے

کہ انہوں نے اسقف اعظم آفرے کو قتل کر ڈالا ، حالاں کہ انہیں خوب معلوم تھا کہ قاتل خود ضابطہ پارٹی کے سپاہی تھے۔ موسیو ژاکمے ، جو بڑے پادری کا نائب اعظم تھا اور چشمدید گواہ تھا ، اس نے واردات کے فوراً بعد اس واقعے کی گواہی پیش کردی۔

ضابطہ پارٹی نے خود جتنی بھی خوں‌ریزی کی ہو ، لیکن اپنے مقتولوں پر الزامات کا اس قدر طومار باندھا ہے کہ اسے دیکھ کر صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ آج کل کے بورژوا اپنے آپ کو پہلے کے جاگیرداروں کا جائز وارث سمجھتے ہیں جن کا خیال تھا کہ عام آدمی پر ہر قسم کا ہتھیار آزمانا ان کا حق ہے ، لیکن عام آدمی کے ہاتھ میں کسی قسم کا ہتھیار آنا جرم ہے۔

حکمراں طبقے نے انقلاب کے خلاف جو سازش رچی تھی کہ اسے خانہ جنگی کی مدد سے ، اور غیرملکی فاتحوں کی سرپرستی میں کچل ڈالیں، وہ سازش جو ۴ ستمبر سے برابر اس وقت تک چلتی رہی جب میک‌موھن کے خاص پری‌ٹورین دستے سین‌کلو کے پھاٹک میں داخل ہوئے ، وہ سازش پیرس میں خونی ہنگامے پر تمام ہوئی۔ بسمارک اجڑے ہوئے پیرس کے منظر سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور غالباً اسے پیش خیمہ سمجھتا ہے بڑے بڑے شہروں کی عام تباہی و بربادی کا ، جس کے وہ ان دنوں خواب دیکھا کرتا تھا جب صرف معمولی سا تعلقہ‌دار تھا اور ۱۸۴۹ء کے پروشیائی Chambre introuvable (انوکھے دربار) کا ممبر چنا گیا تھا (۱۴۰) - وہ پیرس کے پرولتاریوں کی لاشیں دیکھ کر دل ٹھنڈا کرتا ہے۔ اسے دونوں لطف حاصل ہوئے ہیں — صرف انقلاب کی بیخ کنی نہیں بلکہ فرانس کی بربادی بھی ، جو واقعی اب بے‌سر ہو کر رہ گیا اور وہ بھی خود فرانسیسی حکومت کے ہاتھوں۔ کامیاب سیاست‌دانوں کی طرح بسمارک جیسے بے‌تہہ آدمی کو اس حیرت‌انگیز تاریخی واقعے کا صرف ظاھری پہلو نظر آتا ہے۔ کیا آج تک تاریخ کی نظر سے ایسا کوئی فاتح گزرا ہے جو اپنی فتح کا سہرا بندھوائے صرف سیاسی پولیس‌والے کے رول میں نہیں بلکہ مفتوح حکومت کے ہاتھ تلے کرائے کا جلاد بن کر ؟ پروشیا اور کمیون میں کوئی جنگ نہیں تھی۔ بلکہ اس کے برخلاف کمیون نے صلح کی مجوزہ شرطیں

مان لی تھیں اور پروشیا نے اپنی غیرجانبداری کا اعلان کر دیا تھا۔ مطلب یہ کہ پروشیا اس جنگ میں فریق نہیں تھا۔ اس نے ایک گھٹیا جلاد کی سی حرکت کی کہ خود تو کوئی خطرہ مول نہیں لیا اور برتاؤ کرائے کے جلاد کا سا کیا کیوں کہ پہلے سے یہ شرط کرلی کہ پیرس ٹوٹے گا تو پچاس کروڑ کی رقم وصول ہوگی، یہ جلادی کی خونی قیمت ٹھیری۔ اسی میں جنگ کی اصلی فطرت کھل گئی کہ یہ قہر خداوندی نازل ہوا تھا بے دین اور بدچلن فرانس کو خدا ترس اور نہایت نیک چلن جرمنی کے ہاتھوں سزا دلوانے کے لئے۔ یہ انٹرنیشنل قانون کی خلاف‌ورزی، جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اور جسے پرانی دنیا کا قانون‌داں بھی قانون کی خلاف‌ورزی ھی کہتا، بجائے اس کے کہ یورپ کی ''مہذب'' قوموں کی زبانی یہ اعلان کراتی کہ مجرمانہ پروشیائی حکومت، جو کسی زمانے میں سینٹ‌پیٹرسبرگ کی وزارت کے ہاتھوں میں کھیلتی رہی، اب قانون کے حد سے باہر کی جاتی ھے، الٹا ان قوموں کو یہ مسئلہ زیر بحث لانے کا بہانہ دے گئی کہ وہ چند مظلوم جو پیرس کے ڈبل گھیرے سے جان بچاکر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ھیں انہیں وارسائی جلادوں کے سپرد کیوں نہ کر دیا جائے!

نئے دور کی سب سے خوفناک جنگ کے بعد غالب اور مغلوب دونوں فوجیں ہاتھ ملاتی ھیں صرف اس لئے کہ مل کر پرولتاریوں کا صفایا کردیں۔ اس انہونے واقعے سے، جیسا کہ بسمارک نے سوچا، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نیا سماج، جو اپنی راہ بنا رہا تھا، آخری شکست کھا کر رہ گیا، نہیں اس سے تو پرانے بورژوا سماج کا شیرازہ پوری طرح بکھرنے کی حقیقت کھلتی ھے۔ پرانا سماج جو اپنا سب سے اونچا کارنامہ انجام دینے قابل تھا، وہ ھے قومی جنگ اور قومی جنگ اب حکومت کی صرف ایسی چال ثابت ہو چکی ھے جس کی غرض آخر میں یہ نکلتی ھے کہ طبقاتی کشمکش کو زیادہ سے زیادہ عرصے کے لئے ٹال دیا جائے۔ جوں ھی طبقاتی کشمکش پھٹ پڑتی ھے اور اس سے خانہ جنگی کے شعلے اٹھنے لگتے ھیں، حکومت کی چال بھسم ہوکر رہ جاتی ھے۔ طبقاتی غلبے کو اب قومی وردی کا بھیس بدل کر چھپایا نہیں جاسکتا۔ پرولتاریہ کے خلاف قومی حکومتیں سب ایک ہوتی ھیں۔

۱۸۷۱ ء کے اس یادگار دن (Whit-Sunday) کے بعد فرانس کے مزدوروں اور ان کی محنت کی پیداوار ہتھیا لینےوالوں کے درمیان نہ تو امن ہو سکتا ہے، نہ صلح ممکن ہے۔ کرائے کے فوجیوں کا فولادی ہاتھ کچھ عرصے کے لئے شاید دونوں طبقوں کو دبا لینے میں کامیاب رہے، لیکن ان کی کشمکش پھر گرم ہو کر رہےگی، اس کی شدت بڑھتی جائےگی اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ آخرکار دونوں میں سے کون فتحیاب ہوگا: تھوڑے سے دولت ہتھیالینےوالے یا وہ بےحساب اکثریت رکھنےوالے جو محنت کرتے ہیں۔ فرانسیسی مزدور طبقہ ایک ہراول دستہ ہے آج کے تمام پرولتاریہ کا۔

یورپ کی حکومتیں پیرس کے سامنے یہ جتا رہی ہیں کہ طبقاتی حکمرانی کا ایک انٹرنیشنل کیرکٹر ہے اور خود دنیا کے سامنے ہائے واویلا مچائے ہوئے ہیں کہ انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن ہی سارے فتنہ فساد کی جڑ ہے — یعنی محنت کی وہ بین‌الاقوامی انجمن جو سرمائے کی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی سازش کے خلاف بنی ہے۔ تیئر اس تنظیم پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ وہ لیبر کے سر پر سوار ہے، اور لیبر کے سر کا بوجھ اتارنے کی دعویدار ہے۔ پی‌کار نے حکم جاری کیا ہے کہ انٹرنیشنل کے فرانسیسی ممبروں اور دوسرے ملکوں کے ممبروں میں کوئی تعلق رہنے نہ پائے۔ کاؤنٹ ژوبر نے، جو ۱۸۳۵ ء سے تیئر کا بےزبان دم‌چھلا بنا ہوا ہے، اعلان کیا کہ تمام متمدن ملکوں میں ہر ایک حکومت کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ انٹرنیشنل کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکے۔ ”چودھریوں کی چوپال،، الگ اس پر چیخ‌پکار کر رہی ہے اور یورپ کے اخبار اس کے سر میں سر ملا رہے ہیں۔ صرف ایک ایسا قابل قدر فرانسیسی ادیب ہے *، جسے ہماری انجمن سے دور کا بھی واسطہ نہیں، تاہم وہ اس کے بارے میں لکھتا ہے:

”نیشنل‌گارڈ کی مرکزی کمیٹی کے ممبر اور کمیون کے ممبروں میں بیشتر لوگ سب سے باعمل، صاف ذہن اور

* غالباً یہ روبینے تھا۔ (ایڈیٹر)

متحرک دماغ تھے انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کے ... یہ لوگ بے‌شک ایماندار ، کھرے ، عقلمند ، ایثار پیشہ سرفروش ، سچے اور اچھے معنوں میں عقیدے کے پکے لوگ تھے۔ ‘‘

بورژوا ذہن ، جسے پولیس نے بھر رکھا ہے ، انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کو اس کے سوا اور کیا سمجھے گا کہ یہ کوئی خفیہ سازشیوں کی جماعت ہے جس کی مرکزی لیڈرشپ وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکایا کرتی ہے ۔ اصلیت یہ ہے کہ ہماری یہ انجمن ایک انٹرنیشنل انجمن ہے جو متمدن دنیا کے مختلف ملکوں کے سب سے ترقی‌یافتہ مزدوروں کا رشتہ جوڑتی ہے ۔ چاہے کہیں ، اور کیسے ہی حالات میں طبقاتی جدوجہد کیوں نہ اٹھے ، اور وہ چاہے کوئی بھی شکل اختیار کرے ، قدرتی بات ہے کہ ہماری انجمن کے لوگ اس میں سب سے آگے کھڑے ہوتے ہیں ۔ وہ زمین جس پر ہماری یہ انجمن جڑ پکڑتی اور اگتی ہے وہ خود آج کا سماج ہے ۔ چاہے کتنا ہی لہو بہا دیا جائے، اس انجمن کو جڑ بنیاد سے نکال پھینکنا ممکن نہیں ۔ اس کو جڑ سے نکال پھینکنا ہے تو حکومتوں کو چاہئے کہ محنت پر سرمائے کے جابرانہ اقتدار کا جڑبنیاد سے خاتمہ کر دیں ، یعنی خود اپنے مفت‌خورے وجود کی بنیاد ہی نکال کر پھینک دیں ۔

مزدوروں کا پیرس اپنے کمیون سمیت نئے سماج کے شاندار نقیب کی حیثیت سے ہمیشہ سر بلند رہے گا ۔ اس کے شہیدوں نے مزدور طبقے کے بڑے دل میں ایسی جگہ بنائی ہے کہ امر رہیں گے ۔ اور جلادوں کو تاریخ نے اس شرمناک ستون میں ٹھونکنے کے لئے تیار کر دیا ہے جہاں سے نکالنے میں اس کے پادریوں کی ساری دعائیں بھی کامیاب نہیں ہوسکتیں ۔

۲۵۶ ، ہائی ہولبورن، لندن ،
ویسٹرن سنٹرل ، ۳۰ مئی ۱۸۷۱ ء

نوٹس

اول

” قیدیوں کا دستہ ایوے‌نیو اوریک میں پہنچ کر ٹھیر گیا۔ چار یا پانچ کی قطار میں سڑک کی طرف منھ کرکے فٹ‌پاتھ پر کھڑے ہو گئے۔ جنرل مارکوئی دی گیلی‌فے اور اس کا اسٹاف گھوڑوں سے اتر پڑا اور لائن کے بائیں طرف سے معائنہ شروع کیا۔ جنرل آہستہ آہستہ بڑھتا اور صفوں پر نظر ڈالتا جاتا تھا۔ چند قدم چل کر ٹھیر جاتا، سامنے کے آدمی کا کندھا تھپکتا یا کسی کو پیچھے‌والی قطار سے باہر نکلنے کا اشارہ کرتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ کہنے سننے کی نوبت نہیں آئی اور آدمی کو باہر نکال کر سڑک کے بیچوں بیچ تک مارچ کرایا گیا۔ اور وہاں زرا دیر میں ایک چھوٹا سا دستہ اور بن گیا... ظاہر بات تھی کہ غلطی کی کافی گنجائش رہ گئی۔ ایک سوار افسر نے جنرل گیلی‌فے کو ایک مرد اور ایک عورت کی جانب کسی خاص جرم کے سلسلے میں متوجہ کیا۔ عورت صفوں سے باہر لپکی اور دوزانو ہوکر گرگئی، دونوں بازو پھیلا دئے اور التجا کے انداز میں اپنی بے گناہی کا رونا رونے لگی۔ جنرل زرا دیر تھما اور روکھے‌پن سے، کسی تاثر کا اظہار کئے بغیر بولا ” مادام، میں پیرس کے ہر ایک تھیٹر میں جا چکا ہوں، مجھ پر آپ کی ایکٹنگ کا کوئی اثر نہیں ہونے والا “... اس روز کسی شخص کا اپنے ساتھ والوں سے زرا لمبا، زرا میلا، زرا صاف نظر آنا، زرا عمر رسیدہ، زرا بدصورت نظر آنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ایک شخص خاص طور سے میری آنکھوں میں چبھ کر رہ گیا کہ ٹوٹی ہوئی ناک کی وجہ سے اس کو دنیائے فانی کی مصیبتوں سے جلدی چھٹکارا مل گیا...

غرض اس طرح سو سے اوپر آدمی چھانٹ لئے گئے اور ایک فائرنگ دستے کو ان کے ساتھ کر دیا گیا۔ قیدیوں کا دستہ انھیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ چند منٹ گزرے ہوں گے کہ پیچھے سے گولیوں کی باڑھ چلنے کی آواز سنائی دی اور کوئی پندرہ منٹ چلتی رہی۔ یہ تھی سزائے موت ان بدنصیبوں کی، جنھیں کھڑے کھڑے مجرم قرار دیا گیا تھا۔ ،، (اخبار (۱۴۱) «Daily News» کے نمائندہ مقیم پیرس سے - ۸ جون ۱۸۷۱ء)

یہی تھا وہ گیلی فے ''اپنی اس بیوی کا رکھیل، جو دوسری شہنشاہی کی رنگ رلیوں میں بےحیائی کی حرکتوں کی وجہ سے بہت نام کما چکی تھی،، جسے جنگ کے زمانے میں لوگ فرانس کا '' افسر پستول ،، کہا کرتے تھے۔

'' «Temps» (۱۴۲) جو ایک محتاط رسالہ ہے اور سنسنی‌خیزی میں مبتلا نہیں ہوتا، ان لوگوں کی خوفناک داستان سناتا ہے جو گولی سے ادھ موئے چھوڑے گئے اور جان نکلنے سے پہلے دفن کر دئے گئے۔ سین ژاک لابوشری کے گرد جو چوک ہے اس میں بہت سے لوگوں کو زمین میں دبایا، کچھ اچھی طرح نہیں دبے۔ دن کے وقت سڑکوں کی چہل پہل میں کسی کی توجہ ادھر نہ گئی۔ لیکن جب رات کا سناٹا ہوا تو آس پاس کے مکانوں کے باشندے کراہیں سن کر چونک اٹھے۔ اور صبح کے وقت زمین سے ایک ہاتھ باہر نکلا دیکھا جس کی مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔ نتیجہ یہ کہ اس جگہ سے لاشیں نکالنے کا حکم ہوا۔ مجھے زرا بھی شبہ نہیں کہ بہت سے زخمی زندہ ہی مٹی میں دبائے گئے ہیں۔ ایک واقعے کا تو مجھے قطعی علم ہے۔ جب برونیل کو اس کی داشتہ سمیت ۲۴ تاریخ کو وینڈوم میدان کے ایک مکان کے احاطے میں گولی ماری گئی تو ۲۷ کی

سہ پہر تک لاشیں وهیں پڑی رهیں۔ آخر ایک دفنانےوالی پارٹی لاشیں ٹھکانے لگانے پہنچی تو دیکھا کہ عورت میں جان باقی هے۔ اسے مرهم پٹی کے لئے اٹھا لے گئے۔ چار گولیاں کھانے کے بعد بھی یہ عورت زندہ سلامت هے۔،، («Evening Standard» (۱۴۳) کا نمائندہ مقیم پیرس سے۔ ۸ جون)

دوم

۱۳ جون کو لندن اخبار «Times» میں یہ خط (۱۴۴) شائع هوا :

اخبار «Times» کے ایڈیٹر کے نام

جناب‌والا!

۶ جون ۱۸۷۱ ء کو سوسیو ژیول فاور نے یورپ کی تمام طاقتوں کو ایک گشتی چٹھی بھیجی هے جس میں تقاضا کیا گیا هے کہ انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن کو گھیر کر ختم کر دیا جائے۔ اس دستاویز کی حقیقت ظاهر کرنے کے لئے صرف چند اشارے کافی هوں گے۔

همارے دستور العمل کی تمہید میں صاف طور سے لکھا هے کہ انٹرنیشنل کی بنیاد ”۲۸ ستمبر ۱۸۶۴ ء کو لندن کے لانگ ائیکر، سینٹ مارٹن هال کے ایک جلسہ عام میں،، رکھی گئی تھی۔ اپنی ذاتی مصلحت سے ژیول‌فاور نے ایسوسی‌ایشن کی بنیاد ۱۸۶۲ ء میں بتائی هے۔

همارے اصولوں کی تشریح کرنے کے لئے اس نے انٹرنیشنل کے ”۲۵ مارچ ۱۸۶۹ ء کے ایک هینڈبل،، سے حوالہ دینا ظاهر کیا هے۔ اور حقیقت میں حوالہ کہاں سے دیا؟ کسی ایسی سوسائٹی کے کاغذ سے جو انٹرنیشنل نہیں هے۔ اسی قسم کی هاتھ کی صفائی وہ پہلے بھی دکھا چکا هے، جب وہ نیا نیا وکیل بنا تھا اور پیرس کے اخبار «National» پر کابیے نے هتک عزت کا جو دعوا کیا اس میں وکیل صفائی تھا۔ اس نے عدالت میں زور دے کر کہا کہ کابیے کے ایک پمفلٹ سے

اقتباسات پڑھ کر سنائے گا لیکن خود اپنے گڑھے ہوئے جملے پڑھ کر سناتا رہا۔ عدالت کا اجلاس ابھی جاری تھا کہ فریب کھل گیا اور اگر کابے ھی معاملہ نہ ٹال جاتا تو ژیول فاور کو سزا کے طور پر پیرس کی بار ایسوسی‌ایشن سے نکال دیا جاتا۔ جن دستاویزوں کو انٹرنیشنل کی دستاویزیں بنا کر ژیول فاور حوالے کے لئے استعمال کر رہا ھے، ان میں سے ایک کا بھی واسطہ انٹرنیشنل سے نہیں ھے۔ مثلاً وہ کہتا ھے:

"یہ الائینس (Alliance) اپنے لامذھب ہونے کا اعلان کرتی ھے، جیسا کہ جنرل کونسل نے کہہ دیا ھے جو ۱۸۶۹ء جولائی میں، لندن میں بنی تھی۔"

جنرل کونسل نے اس قسم کی کوئی تحریر نہیں نکالی۔ اس کے برخلاف جنرل کونسل کی ایک دستاویز شائع ہوئی تھی جس نے "الائینس" — L'Alliance de la Démocratie Socialiste — (۱۳۵) کے اس دستور العمل * کو منسوخ کر دیا تھا جو جنیوا میں بنا اور اب ژیول فاور اسی کا حوالہ دے رہا ھے۔

اس پورے سرکلر میں، جس کا ایک حصہ گویا شہنشاھی کے خلاف بھی جاتا ھے، ژیول فاور صرف انٹرنیشنل پر انھی الزاموں کو دھرا رہا ھے جو بوناپارٹ کے سرکاری وکیلوں کی پولیس نے اپنی عقل سے گڑھے تھے اور خود اسی شہنشاھی کی عدالتوں کے سامنے ان کی قلعی کھولی جا چکی ھے۔

سب جانتے ھیں کہ (پچھلے سال جولائی اور ستمبر کے) اپنے دونوں خطوں میں، جو اس جنگ کے بارے میں بھیجے گئے**، انٹرنیشنل کی جنرل کونسل نے پروشیا کے ان منصوبوں کو بے‌نقاب کر دیا تھا

---

* کارل مارکس "انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن اور سوشل ڈیموکریسی کا الائینس"۔ (ایڈیٹر)

** ملاحظہ ہو اسی جلد کے صفحات ۱۳۸ — ۱۴۱، ۱۵۹—۱۳۹ (ایڈیٹر)

جو فرانس کو مقبوضہ ملک بنانے کے لئے کئے جا رہے تھے۔ ژیول فاور کے پرائیویٹ سکریٹری مسٹر ریتلنژیر نے بعد میں جنرل کونسل کے بعض ممبروں سے بات کی، جو بے فائدہ رہی اور یہ چاہا کہ بسمارک کے خلاف جنرل کونسل کی طرف سے جلسہ جلوس ہو جائے جس میں قومی ڈیفنس کی حکومت کی تائید کی جائے۔ ان سے خاص طور پر درخواست کی گئی تھی کہ اس میں ریپبلک کا نام نہ آنے پائے۔ ژیول فاور جس وقت لندن پہنچنے والا تھا، اسی موقع پر جلسہ جلوس کی تیاری بھی ہوئی، اور اس میں شبہ نہیں کہ ارادہ نیک تھا، حالاں کہ جنرل کونسل یہ نہیں چاہتی تھی۔ کونسل نے اپنے ۹ ستمبر کے خط میں قطعی جتا دیا تھا کہ پیرس کے مزدور ژیول فاور اور اس کے ہمنواؤں سے ہوشیار رہیں۔

کیا کہتا ہے ژیول فاور، اگر انٹرنیشنل کی جنرل کونسل جواب میں یورپ کی تمام وزارتوں کو ژیول فاور کے بارے میں بھی ایک گشتی چٹھی روانہ کرے اور ان دستاویزوں کی طرف خاص توجہ دلائے جو مرحوم میلیئر نے پیرس میں شائع کی تھیں۔

میں ہوں آپ کا خادم

جان ہیلز،

انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن
کی جنرل کونسل کا سکریٹری

۲۵۶، ہائی ہولبورن،
لندن، ویسٹرن سنٹرل،
۱۲ جون۔

لندن کے رسالے «Spectator» (۱۴۶) نے شریف مخبر بن کر ایک مضمون شائع کیا ہے (۲۴ جون)۔ ''انٹرنیشنل ایسوسی‌ایشن اور اس کے مقاصد،، مضمون میں اسی قسم کی اور ہوشیاریوں کے علاوہ الائینس کی مذکورہ دستاویز کا حوالہ دے کر اسے انٹرنیشنل کی تحریر بتایا ہے

اور یہ کام ژیول فاور سے بھی بڑھ کر زیادہ گہرائی سے انجام دیا ہے۔ حالاں کہ «Times» اخبار میں اس کی مذکورہ بالا تردید چھپے ہوئے گیارہ دن گزر چکے تھے۔ ہمیں اس پر تعجب نہیں ہوا۔ فریڈرک اعظم کہا کرتا تھا کہ یسوعیوں کے تمام فرقوں میں پروٹسٹنٹ سب سے برے ہیں۔

مارکس نے اپریل مئی
۱۸۷۱ ء میں لکھا۔

جون ۱۸۷۱ ء کے وسط میں لندن سے پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوا۔ امریکہ اور یورپ کے کئی ملکوں میں ۷۲ — ۱۸۷۱ ء میں شائع کیا گیا۔

۱۸۷۱ ء کے تیسرے انگریزی ایڈیشن کے مطابق لفظ بلفظ ترجمہ جس کا ۱۸۷۱ ء اور ۱۸۹۱ ء کے جرمن ایڈیشنوں سے مقابلہ کیا گیا۔

فریڈرک اینگلس

مزدور طبقے کے سیاسی عمل کے بارے میں

انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن
کی لندن کانفرنس میں مصنف کی تقریر
۲۱ ستمبر ۱۸۷۱ء (۱۴۷)

سیاست سے بالکل ھی کنارہ کش رھنا ممکن نہیں ؛ جو اخبار سیاست سے الگ رھنے کے حامی ھیں، وہ خود سیاست میں لگے رھتے ھیں۔ سوال صرف اتنا ھے کہ کیسے اور کونسی سیاست اختیار کی جائے۔ ھمارے لئے تو ویسے بھی الگ تھلگ رھنا ممکن نہیں۔ مزدور پارٹی ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے اکثر ملکوں میں موجود ھے۔ سیاست سے الگ رھنے کا پرچار کرکے ھم اسے اپنے ھاتھوں برباد کرنے سے رھے۔ آج کی زندگی کا تجربہ، موجودہ حکومتوں کا مزدوروں پر ظلم و ستم، جو سیاسی مقاصد میں بھی ویسا ھی ھے جیسا سماجی مقصدوں میں، مزدور خود چاھیں یا نہ چاھیں، انھیں سیاست میں حصہ لینے پر مجبور کرتا ھے۔ انھیں سیاست سے الگ تھلگ رھنے کا مشورہ دینا یہی ھے کہ بورژوا سیاست کے دامن میں ڈال دیا جائے۔ سیاست سے کنارہ کش رھنا بالکل ناممکن ھے، خاص کر پیرس کمیون کے بعد، جس نے پرولتاریوں کے سیاسی عمل کو ایجنڈے پر رکھ دیا ھے۔

ھم طبقے مٹا دینا چاھتے ھیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کی سبیل کیا ھے؟ صرف ایک سبیل ھے — پرولتاریہ کا سیاسی غلبہ۔ اور جب یہ بات خوب روشن ھو گئی تو ھم سے کہا جاتا ھے کہ سیاست میں

دخل مت دو ! جتنے لوگ سیاست سے الگ رہنے کی تلقین کر رہے ہیں وہ خود کو انقلابی کیا ، انقلابیوں سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں ۔ لیکن انقلاب تو سیاست کا سب سے اونچا کرم ہے ؛ اور جسے انقلاب کی آرزو ہے ، اسے انقلاب کے ذریعے کو ، ان سیاسی کارروائیوں کو بھی تسلیم کرنا چاہئے ، جو انقلاب کے لئے راہ ہموار کرتی ہیں ، جو مزدوروں کو انقلاب کی ٹریننگ دیتی ہیں جس کے بغیر مزدور ایسے رہ جاتے ہیں کہ لڑائی لڑنے کے دوسرے دن ژیول فاور یا پیات قسم کے لوگ انھیں جتنا چاہیں بےوقوف بنالیں ۔ وہ سیاست جو اختیار کرنے قابل ہے ، مزدوروں کی سیاست ہے ۔ مزدوروں کی پارٹی کو ایک نہ ایک بورژوا پارٹی کی دم بن کر نہیں رہنا چاہئے ۔ اسے تو اپنا وجود آزاد رکھنا چاہئے ، جس کی خاص اپنی منزل ہو ، خاص اپنی سیاست ہو ۔

سیاسی آزادیاں ، جلسے کرنے ، انجمن بنانے کا حق ، پریس کی آزادی — یہ ہیں ہمارے ہتھیار ۔ اگر کوئی ہم سے یہ ہتھیار چھین لینا چاہے تو کیا ہم ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں ؟ سیاست کے میدان سے ہٹ جائیں ؟ کہتے ہیں کہ کسی قسم کی بھی سیاسی کارروائی کا مطلب ہے موجودہ بندوبست کو ، حکومت وقت کو مان لینا ۔ اب اگر موجودہ بندوبست ہمیں یہ ذریعے مہیا کرتا ہے کہ خود اسی کے خلاف اٹھ سکیں ، تو ان ذریعوں سے کام لینے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم نے موجودہ بندوبست کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ۔

رسالہ ”کمیونسٹ انٹرنیشنل“
کے ۲۹ شمارے ، ۱۹۳۴ء میں
پہلی بار مکمل شائع ہوا ۔

اصل مسودے کے
مطابق شائع کیا گیا ۔

کارل مارکس

گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر[۱۴۸]

فریڈرک اینگلس کا دیباچہ[۱۴۹]

یہ قلمی تحریر جو اشاعت کے لئے جا رہی ہے، جس میں براکے (Bracke) کے نام خط اور پروگرام کے خاکے پر تنقیدی نظر شامل ہے، ۱۸۷۵ء میں گوتھا اتحاد کانگرس (۱۵۰) سے زرا پہلے براکے کو بھیجی گئی تھی تاکہ وہ اسے گیب، آئر، بیبل اور لیبکنیخت کو دکھا لینے کے بعد مارکس کو واپس کر دے۔ اب چونکہ شہر ہالے میں ہونےوالی پارٹی کانگرس نے (۱۵۱) گوتھا پروگرام کو پارٹی کے ایجنڈے میں بحث کے لئے شامل کیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس اہم تحریر کو، جو غالباً بحث سے متعلقہ سب سے اہم دستاویز ہے، اگر اشاعت سے روکتا ہوں تو اسے دبا بیٹھنے کا قصوروار ٹھیروں گا۔

لیکن اس تحریر کی ایک اور، بہت دوررس اہمیت بھی ہے۔ مارکس نے یہاں پہلی بار صاف صاف دوٹوک طریقے سے اس لائن کے ساتھ اپنا برتاؤ ظاہر کیا ہے جو لائن لاسال نے ایجی‌ٹیشن میں شریک ہوتے وقت شروع سے اختیار کی تھی، لاسال کے معاشی اصولوں اور اس کی عملی ترکیبوں، دونوں پر مارکس نے کھل کر کہہ دیا ہے۔

آج جب کہ اسے لکھے ہوئے پندرہ برس گزر چکے ہیں، بیان کا وہ بےلاگ کٹیلاپن جس سے پروگرام کے خاکے کا بخیہ ادھیڑا گیا ہے، جس بےدردی سے اس پروگرام کا خلاصہ دیا گیا ہے، اور اس کی کوتاہیاں سامنے رکھ دی گئی ہیں، اس سے کسی کی دلازاری نہیں ہونےوالی۔

وہ لوگ جو لاسال کے سچے معتقد تھے ، باہر کے ملکوں میں کہیں کہیں بکھرے پڑے ہیں ؛ رہا گوتھا پروگرام، سو خود اس کے جنم داتاؤں نے ہالے میں ہی تسلی‌بخش نہ ہونے کی بنا پر رد کر دیا تھا۔

پھر بھی میں نے یہ احتیاط برتی کہ جہاں کہیں ذاتی قسم کے تیز طرار جملوں اور حملوں کو عبارت سے خارج کرنے میں کوئی ہرج نہ دیکھا ، انھیں خارج کر دیا اور خالی نقطے چھوڑ دئیے۔ اگر یہ قلمی نسخہ مارکس نے آج شائع کیا ہوتا ، تو وہ بھی یہی کرتا۔ بیان کی گرمی بعض مقامات پر صرف دو وجہوں سے آگئی تھی۔ اول تو یہ کہ مارکس اور میں ، ہم دونوں کا اور تحریکوں کے بہ‌نسبت ، جرمن تحریک سے زیادہ گہرا رشتہ رہا ہے اس لئے جب ہم نے پروگرام کے اس خاکے میں تحریک کا قدم پیچھے ہٹتا دیکھا تو ہم بری طرح برہم ہوگئے۔ دوسرے یہ کہ ہیگ میں انٹرنیشنل کی کانگرس (۱۰۲) ہوئے ابھی مشکل سے دو سال گزرے تھے اور باکونین اور اس کے انارکسٹ حامیوں سے بہت سخت رسہ‌کشی چل رہی تھی ، یہ لوگ ہمارے سر الزام تھوپ رہے تھے گویا جرمن مزدور تحریک پر جو کچھ بیتی اس کے جوابدہ ہم ہیں ، تو اندیشہ تھا کہ گوتھا پروگرام کے خاکے پر بھی ہماری خفیہ فرزندی کا الزام آئے گا۔ اب ان اندیشوں کی گنجائش نہیں رہی اور انھی کے ساتھ وہ گرم جملے بھی کچھ ضروری نہیں رہے جنھیں خارج کیا گیا ہے۔

بعض اور جملوں کی جگہ بھی ، سنسر کی مصلحت سے ، صرف نقطے رہنے دئیے گئے ہیں۔ جہاں ذرا نرم لفظوں سے کام نکالنا مقصود تھا ، وہاں میں نے قوسین کے اندر لکھ دیا ہے۔ باقی تمام عبارت لفظ بلفظ وہی ہے جو اصل نسخے میں تھی۔

لندن ، ٦ جنوری ۱۸۹۱ ء

فریڈرک اینگلس

جرمن رسالہ «Die Neue Zeit»
شمارہ ۱۸ ، سال ۹۱ — ۱۸۹۰ ء
میں شائع ہوا۔

رسالے کی عبارت کے
مطابق لفظ بلفظ۔

کارل مارکس

ولہلم براکے کے نام خط

لندن، ۵ مئی ۱۸۷۵ء

عزیز من براکے !

اتحاد کے پروگرام پر حسب ذیل تنقیدی نوٹ پڑھ لینے کے بعد اتنی مہربانی کیجئے کہ گیب، آئر، بیبل اور لیبکنیخت کو ایک نظر ڈالنے کے لئے بھیج دیجئے۔ میں کام میں بری طرح پھنسا ہوا ہوں اور ڈاکٹروں نے کام کی جو حدود میرے لئے مقرر کر رکھی ہیں، ان سے گزر جانے پر مجبور ہوتا ہوں۔ چناں‌چہ اتنے سارے کاغذ سیاہ کرنا میرے لئے ہرگز ''راحت،، کا سامان نہیں ہے۔ لیکن اس کی ضرورت یوں آپڑی کہ کہیں ہمارے پارٹی‌والے دوست، جنھیں باخبر کرنے کے لئے یہ تحریر بھیج رہا ہوں، وہ آگے چل کر جو قدم سجھے اٹھانے ہیں، ان کا غلط مطلب نہ نکال لیں۔ میرا اشارہ ہے اس مختصر اعلان سے جو اینگلس اور میں، ہم دونوں اس اتحاد کانگرس کے بعد شائع کریں گے اور جتا دیں گے کہ اس اصولی پروگرام سے ہمارا دور دور کوئی واسطہ نہیں، اس میں ہماری کوئی شرکت نہیں۔

یہ جتانا لازمی ہے، اس لئے لازمی ہے کہ غیرملکوں میں پارٹی کے دشمنوں نے بڑی کاوش سے یہ خیال پھیلا رکھا ہے کہ ہم یہاں سے خفیہ طور پر وہ تحریک چلوا رہے ہیں جسے آئزی‌ناخ پارٹی (۱۰۳) کہتے ہیں۔ حال میں ہی ایک کتاب (۱۰۴) روسی زبان میں نکلی

ہے جہاں باکونین نے پھر مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں پارٹی کے ان تمام پروگراموں کا ہی جوابدار نہیں بلکہ لیبکنیخت نے عوامی پارٹی میں شریک ہونے کے بعد سے جو جو قدم اٹھایا، اس کی ذمہ‌داری بھی مجھی پر آتی ہے۔

علاوہ ازیں میرا فرض اجازت نہیں دیتا کہ مصلحت‌آمیز خاموشی سے ہی سہی، لیکن ایسے پروگرام کو گلے اتار لوں جو میری رائے میں قطعی کسی کام کا نہیں اور پارٹی کو پست‌ہمت کرنے‌والا ہے۔

اصل تحریک کا ایک قدم بھی درجن بھر پروگراموں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے اگر ممکن نہ ہوتا اور حالات اجازت نہ دیتے کہ آئزی‌ناخ پارٹی کے پروگرام سے آگے قدم بڑھایا جائے، تب بھی چاہئے تھا کہ مشترک دشمن کے خلاف کارروائی کے سیدھے سادے فیصلے پر منظوری حاصل کی جائے۔ مگر جب اصولی پروگرام طے کئے جائیں (حالاں‌کہ یہ کام تب تک کے لئے ملتوی رکھنا چاہئے جب مشترکہ سرگرمی کا ایک عرصہ گزار لینے سے وہ خود ابھر کر آئے ہوں) تو ساری دنیا کے سامنے ایسے نشان پیش کرنا لازم ہے جن پر لوگ فیصلہ کریں‌گے کہ پارٹی تحریک کا معیار کیا ہے۔

لاسال‌والے خیالات کے لیڈر اس لئے ہمارے پاس آئے کہ حالات نے انہیں اس پر مجبور کیا تھا۔ اگر انہیں پہلے سے بتادیا جاتا کہ اصولوں کے معاملے میں کوئی سودے‌بازی نہیں کی جائےگی تو وہ عملی کارروائی کے پروگرام پر، یا مشترکہ عمل کے تنظیمی پلان پر ضرور قناعت کر لیتے۔ اس کے بجائے ہوا کیا، کہ انہیں اپنی پارٹی کے احکام سے لیس ہوکر آنے کی اجازت دی جاتی ہے، اور اپنے اوپر ان احکام کی پابندی تسلیم کر لی جاتی ہے، یعنی بلاشرط ان لوگوں کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا جاتا ہے جو خود مدد کے طلبگار تھے۔ ان سب باتوں پر طرہ یہ کہ وہ لوگ سمجھوتے کی کانگرس ہونے سے پہلے ہی اپنی کانگرس طلب کر رہے ہیں، حالاں‌کہ اپنی پارٹی نے کانگرس طلب کی ہے صرف post festum (تعطیل کے بعد، زرا دیر سے) (۱۰۵)۔ ظاہر بات ہے کہ ہر قسم کی تنقید کی کاٹ کرنے کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہے، اور پارٹی کو سوچ بچار کا کوئی موقع نہیں ملنے دیا گیا۔ یہ صحیح

ہے کہ مزدوروں کو خود اتنے ہی میں تشفی ہو گئی کہ اتحاد ہونےوالا ہے ، لیکن وہ لوگ غلطی پر ہیں جو سوچتے ہیں کہ یہ وقتی کامیابی بہت مہنگی نہیں پڑی۔

بہرحال اس پروگرام سے کچھ کام نکلنےوالا نہیں اور لاسال کے ایمان کی تائید سے بھی کچھ بنتا بگڑتا نہیں۔

میں آپ کو کتاب ''سرمایہ،، کے فرانسیسی ایڈیشن کے آخری حصے عنقریب بھیجوں‌گا۔ فرانسیسی حکومت کی طرف سے پابندی لگنے کے باعث اس کی طباعت کافی عرصے کے لئے رک گئی تھی۔ اب یا تو اسی ہفتے ورنہ اگلے ہفتے کے شروع میں کتاب چھپ‌کر تیار ہو جائےگی۔ اس سے پہلے کے چھ حصے آپ کو مل چکے ہیں ؟ براہ کرم مجھے برن‌ہارڈ بیکر کا پتہ بھیج دیجئے کیوں‌کہ انہیں بھی کتاب کے آخری حصے بھیجنے ہیں۔

«Volksstaat» اشاعت گھر کے اپنے کچھ طور طریقے ہیں۔ مثلاً انہوں نے اب تک مجھے ''کولون کمیونسٹ مقدمے،، کی ایک کاپی بھی نہیں بھیجی ہے۔ *

دل سے آپ کا خیرخواہ

کارل مارکس

---

* کارل مارکس ''کولون میں کمیونسٹ مقدمہ ، بےنقاب،،۔ (ایڈیٹر)

کارل مارکس

جرمن مزدور پارٹی کے پروگرام پر ایک نظر

۱

۱ - ''لیبر ہر قسم کی دولت کا، ہر طرح کے کلچر کا سرچشمہ ہے۔ اور چوں کہ فائدہ‌مند لیبر صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ہی ممکن ہے تو اس کا حاصل بھی کٹوتی کے بغیر اور برابر کے حق سے سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے۔''

پیراگراف کا پہلا حصہ: ''لیبر ہر قسم کی دولت کا، ہر طرح کے کلچر کا سرچشمہ ہے۔''

لیبر ہر قسم کی دولت کا سرچشمہ نہیں ہوتی۔ نیچر بھی اتنا ہی سرچشمہ ہے استعمالی قدروں کا، (مادی دولت آخر انھی استعمالی قدروں سے بنتی ہے) جتنا لیبر، کیونکہ وہ بھی تو قدرتی طاقتوں میں سے ایک ظہورا ہے — انسان کی محنت کرنے کی طاقت۔ اوپر کا یہ جملہ آپ کو بچوں کی کسی بھی ابتدائی کتاب میں مل جائےگا، اور وہ اس حد تک درست بھی ہے جہاں نرا مطلب یہ ہو کہ محنت اپنی ضرورت کے سر و سامان اور اوزاروں کی بدولت عمل میں آتی ہے۔ لیکن سوشلسٹ پروگرام میں اس قسم کے بورژوا جملوں کو ان شرطوں

کے بڑھائے بغیر دخیل نہیں ہونا چاہئے جو انھیں باسعنی بناتی ھیں۔ محنت کے تمام سروساسان اور ذریعوں کے اولین سرچشمے ، یعنی قدرت کے ساتھ آدمی کا برتاؤ جہاں تک کہ خود اپنی ملکیت کا سا ہوتا ھے ، وہ قدرت کے ساتھ یوں پیش آتا ھے کہ یہ اس کی اپنی ھی چیز ھے ، تو وھیں تک اس کی محنت استعمالی قدروں کا ، یا بالآخر دولت کا سرچشمہ بن جاتی ھے - بورژوازی نے معقول وجہیں گڑھ رکھی ھیں یہ جتانے کی کہ گویا محنت میں قدرت سے برتر کوئی تخلیقی طاقت ہوتی ھے ، بس جب محنت ایک قدرتی چیز ٹھیری تو اس سے یہ نکلا کہ انسان اپنی قوت محنت کے علاوہ کسی اور چیز کا مالک و مختار نہ ہوتے ہوئے بھی ھر قسم کی سماجی یا تہذیبی حالت میں غیروں کی غلامی پر مجبور رھے ، ان غیروں کی غلامی پر ، جو محنت کی مادی ضروریات کے مالک بن چکے ھیں - صرف انھی کی اجازت سے وہ کام کر سکتا ھے ، یا یوں کہیے کہ صرف انھی کی منظوری سے زندگی گزار سکتا ھے -

اچھا تو یہ جملہ ، اپنی اصلی حالت میں ، اسی گری پڑی حالت میں رہنے دیں - ھمیں اس بیان سے کس نتیجے کی امید رکھنی چاھئے تھی ؟ اس نتیجے کی کہ :

”چوں کہ لیبر ھر قسم کی دولت کا سرچشمہ ھے تو سماج کا کوئی ممبر بھی جو دولت پر ھاتھ ڈالے گا وہ محنت کی تیار کی ہوئی چیز کے سوا کچھ اور نہ ہوگی - اگر وہ خود کام نہیں کرتا تو دوسرے کی محنت پر جیتا ھے - اور اسی طرح اپنا کلچر بھی وہ دوسرے کی محنت سے ھی حاصل کرتا ھے - “

اس کے بجائے ” چوں کہ “ کی پخ لگا کر پہلے جملے کو دوسرے جملے سے اس طرح جوڑ دیا گیا کہ جو نتیجہ نکالنا ھے وہ دوسرے جملے سے نکلے ، پہلے سے نہیں -

پیرا گراف کا دوسرا حصہ : ” فائدہ‌مند لیبر صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ھی ممکن ھے - “

پہلے والے کلیے کی رو سے لیبر ھی سرچشمہ تھا ھر قسم کی دولت اور ھر طرح کے کلچر کا لہاذا لیبر کے بغیر کوئی سماج ممکن نہ ہونا

چاھئے ۔ لیکن یہاں الٹا معاملہ ہے ، ھمیں بتایا گیا کہ کوئی فائدہمند لیبر ممکن نہیں ہے بغیر سماج کے ۔

اسی خوبی کےساتھ یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ صرف سماج میں یہ ممکن ہے کہ بےفائدہ بلکہ سماج کےلئے نقصان‌دہ لیبر صنعت کی ایک شاخ بن‌جائے اور صرف سماج میں ھی بغیر کچھ کئے جینا ممکن ھوتا ہے ، وغیرہ وغیرہ — غرض کہ فلسفی روسو کا پورا بیان نقل کیا جا سکتا تھا ۔

اور یہ ”فائدہمند،، لیبر کیا ھوتی ہے ؟ وھی جو مطلوبہ مفید نتیجہ پیدا کرے ۔ تو اس حساب سے وہ وحشی آدمی (انسان جب بندر کے مرحلے سے گزرا تو وحشی آدمی کے درجے میں آیا) جو پتھر سے جانور مارلے یا پھل بٹورا کرے وغیرہ، وہ بھی ”فائدہمند،، لیبر کرنےوالا ٹھیرا ۔

تیسرے ۔ اس کا یہ نتیجہ کہ :

”چوں کہ فائدہمند لیبر صرف سماج میں اور سماج کے ذریعے ھی ممکن ہے تو اس کا حاصل بھی کٹوتی کے بغیر اور برابر کے حق سے سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے ۔،،

کیا خوب نتیجہ ہے ! اگر فائدہمند لیبر صرف سماج میں اور سماج کےذریعے ھی ممکن ہے تو اس کا حاصل بھی سماج کو پہنچنا ہے اور الگ الگ مزدور کو اس آمدنی کا صرف اتنا حصہ ملے گا جو محنت کی ”ضروری شرط،، یعنی سماج کو باقی رکھنے کےلئے درکار نہ ھو ۔

واقعہ یہ ہے کہ ھر زمانے میں ، اس وقت کے سماجی ڈھانچے کے حامیوں کی طرف سے یہی کلیہ آگے بڑھایا گیا ہے ۔ سب سے اول تو یہ دعوے حکومت کی طرف سے اور جو بھی حکومت سے وابستہ ہے ، ان کی طرف سے کئے جاتے ھیں ، کیونکہ حکومت وہ سماجی ادارہ ہے جو کسی سماجی نظام کو چلانے کے لئے ھوتا ہے ؛ بعد میں طرح طرح کی ذاتی ملکیت کے دعوے آتے ھیں کیوں کہ مختلف قسموں کی ذاتی ملکیت گویا سماج کی جڑ بنیاد ھیں ، وغیرہ وغیرہ ۔ یہ کھوکھلے جملے ایسے ھیں کہ توڑ مروڑ کر ، جو جی چاھے معنی نکال لیجئے ۔

پیرا گراف کے پہلے اور دوسرے حصے میں اگر کوئی با معنی تعلق بنتا ہے تو لفظوں کی اس ترتیب کے ساتھ کہ :

'' محنت ، صرف سماجی محنت کی حیثیت سے دولت اور تہذیب کا سرچشمہ بنتی ہے ،، یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ '' سماج میں اور سماج کے ذریعے ۔ ،،

یہ کلیہ بےشک درست ہے کیوں کہ آدمی کی الگ تھلگ محنت سے (اس کے مادی حالات ذہن میں رکھتے ہوئے) استعمالی قدریں تو ضرور پیدا ہوتی ہیں ، لیکن وہ نہ دولت پیدا کرسکتی ہیں ، نہ تہذیب ۔

اسی طرح دوسرے جملے میں شک کی گنجائش نہیں رہتی جو یوں ہوگا کہ :

'' محنت سماجی حیثیت سے جوں جوں بڑھتی جائےگی اور دولت و تہذیب کا سرچشمہ بنتی جائےگی ، اسی نسبت سے محنت کش کے حصے میں غریبی اور محتاجی بڑھےگی اور محنت نہ کرنےوالوں کے حق میں دولت اور تہذیب ۔ ،،

آج تک کی تاریخ کا یہی اصول رہا ہے ، چناںچہ '' محنت ،، اور '' سماج ،، کے بارے میں گول‌مول لفظ کہنے کے بجائے صاف صاف ثابت کرنا چاہئے تھا کہ موجودہ سرمایہ‌داری سماج میں آخر وہ مادی اور دوسرے حالات جنم لےچکے ہیں جو محنت‌کشوں کو اس پر آمادہ اور کمربستہ کرتے ہیں کہ وہ اس سماجی لعنت کا خاتمہ کردیں ۔

اصل میں یہ سارا پیرا گراف ، جو صورت میں ناہموار اور معنی میں ناقص ہے ، یہاں صرف اسی غرض سے آیا کہ لاسال کا فارمولا '' محنت کی آمدنی کٹوتی کے بغیر ،، نعرے کی حیثیت سے پارٹی کے پرچم پر چڑھا دیا جائے ۔ '' محنت کی آمدنی ،، ' '' مساوی حق ،، وغیرہ سے میں بعد میں بھی بحث کروں‌گا کیوں کہ یہی چیزیں کسی قدر دوسری شکل میں آگے بھی ملتی ہیں ۔

۲ ۔ '' موجودہ سماج میں محنت کے ذرائع سرمایہ‌دار طبقے کا اجارہ بن چکے ہیں ۔ یوں مزدور طبقے کا پابند ہوکر رہ جانا ہی ہر رنگ کی محتاجی اور ماتحتی کا سبب ہوتا ہے ۔ ،،

یہ جملہ جو انٹرنیشنل کے بنیادی قاعدوں سے لیا گیا تھا ، اصلاح کی ہوئی صورت میں غلط ہوجاتا ہے۔

آجکل کے سماج میں محنت کے ذرائع پر صاحب‌جائداد لوگوں کا اور سرمایہ‌داروں کا اجارہ ہے (زمین‌جائداد کا اجارہ خود سرمائے کے اجارے کی بنیاد ہے) ۔ انٹرنیشنل کے بنیادی قاعدوں میں اس مضمون کا جو پوائنٹ ہے ، وہاں نہ اجارےداروں کے ایک طبقے کا ذکر ہے ، نہ دوسرے کا ۔ وہاں '' محنت کے ذرائع ، یعنی زندگی کے سرچشموں کی اجارہ‌داریوں ،، کے لفظ آئے ہیں ۔ '' زندگی کے سرچشموں ،، کا ٹکڑا بڑھا کر صاف طور سے یہ جتا دیا گیا ہے کہ محنت کے ذرائع میں زمین بھی شامل ہے ۔

اصلاح کی ضرورت یوں پیش آئی ہوگی کہ لاسال ایسی وجہوں سے ، جو سب کے علم میں اب آچکی ہیں ، صرف سرمایہ‌داروں کے طبقے کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا کرتا تھا ، صاحب جائداد طبقے کو نہیں ۔ انگلینڈ میں سرمایہ‌دار زیادہ تر زمین کے اس ٹکڑے کا بھی مالک نہیں ہوتا جس پر اس کی فیکٹری کھڑی ہو ۔

> ۳ ۔ '' محنت کے سر سے بوجھ اتارنے کا تقاضا ہے کہ محنت کے ذرائع کو سارے سماج کی مشترکہ ملکیت کی طرف بڑھایا جائے اور پوری لیبر کےلئے باہمی شرکت کے قاعدے ہوں تاکہ محنت کا حاصل منصفانہ تقسیم کیا جائے ۔ ،،

'' محنت کے ذرائع کو سارے سماج کی مشترکہ ملکیت کی طرف بڑھانا ،، (!) کیا مطلب ہے ؟ غالباً کہنا یہ ہے کہ انہیں '' سارے سماج کی مشترکہ ملکیت میں ڈھال دیا جائے ،،۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا ۔

'' محنت کا حاصل ،، یا آمدنی ہے کیا ؟ محنت سے جو سامان تیار کیا جائے وہ یا اس کی ویلیو ؟ اگر مطلب ویلیو سے ہے تو کون سی ؟ سامان کی پوری ویلیو یا ویلیو کا صرف اتنا حصہ جو کام میں لگنےوالے ذرائع پیداوار کی ویلیو میں محنت نے آخر میں بڑھایا ہے ؟

"محنت کا حاصل"، یا آمدنی ایک ڈھیلا ڈھالا تصور ہے جو لاسال نے باضابطہ معاشی تصور کی جگہ اختیار کر لیا تھا۔

پھر یہ "منصفانہ" تقسیم کیا ہوئی؟

کیا بورژوا یہی دعوا نہیں کرتا کہ موجودہ تقسیم منصفانہ ہے؟ اور پیداوار کے موجودہ طریق کو دیکھتے ہوئے کیا واقعی صرف اسی تقسیم کے "منصفانہ" ہونے سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟ کیا معاشی رشتے قانونی تصورات کے پابند ہوتے ہیں؟ یا اس کے برعکس ایسا نہیں ہوتا کہ قانونی رشتے معاشی رشتوں سے پیدا ہوتے ہوں؟ اور کیا خود مختلف سوشلسٹ فرقہ‌بندیوں میں اس "منصفانہ" تقسیم پر طرح طرح کے خیالات نہیں پائے جاتے؟

"منصفانہ تقسیم" کا یہاں کیا مطلب ہے، اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیراگراف کو اس پیراگراف سے ملا کر پڑھا جائے۔ تیسرے پیراگراف کا کہنا ہے کہ ایسا سماج ہو جس میں "محنت کے ذرائع سماج کی مشترکہ ملکیت ہوں اور پوری لیبر کے لئے باہمی شرکت کے قاعدے ہوں"، اور پہلے پیراگراف میں ہم دیکھتے ہیں کہ "محنت کا حاصل بھی کٹوتی کے بغیر اور برابر کے حق سے سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے۔"

"سماج کے سب ممبروں کو پہنچتا ہے"؟ ان کو بھی جو کام نہیں کرتے؟ تو پھر "محنت کا حاصل کٹوتی کے بغیر" کہاں رہا؟ اور اگر صرف کام کرنےوالوں کو؟ تو پھر سماج کے سب ممبروں کا "برابر کا حق" کدھر گیا؟

پتہ چلا کہ "سماج کے سب ممبر" اور "برابر کا حق" یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کمیونسٹ سماج میں ہر ایک محنت کرنےوالے کو لاسال کا بیان کردہ "کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل" وصول ہونا چاہئے۔

اور اگر ہم "محنت کا حاصل" کا یہ مطلب نکالیں کہ محنت سے تیار کیا ہوا سامان، تو مل‌جل کر کی ہوئی محنت کا حاصل وہ ہوا جو سماج کی ساری پیداوار ہے۔

اس ساری پیداوار میں سے

اول تو وہ حصہ منہا کر دیں جو کھپے ہوئے ذرائع پیداوار کی کمی پوری کرنے کو رکھا جاتا ہے ؛

دوسرے وہ حصہ نکال دیں جو پیداوار کو اور پھیلانے کے لئے اوپر سے لگایا جاتا ہے ؛

تیسرے ریزرو میں ، یا بطور احتیاط رکھا جانے والا وہ ذخیرہ بھی الگ کرنا ہوگا جو برا وقت پڑنے پر نکالا جاتا ہے ۔

" کٹوتی کے بغیر محنت کے حاصل ،، میں سے یہ سب حصے نکالنا ایک اقتصادی مجبوری ہے اور ان کی کمی بیشی منحصر ہے اس پر کہ ذرائع اور قوتیں کیسی ہیں اور کسی حد تک قیاس اور تخمینے سے کام لیا جاتا ہے لیکن کسی صورت میں بھی منصفانہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اب باقی بچتا ہے ساری پیداوار کا دوسرا حصہ ، جسے ضروریات زندگی کے سامان کی حیثیت سے خرچ ہونا ہے ۔

اس بچے ہوئے حصے کو الگ الگ افراد میں بانٹنے سے پہلے ، پھر ہمیں تین مدوں کا حق نکالنا ہوگا :

اول تو انتظامیہ کے وہ عام خرچے ، جنھیں پیداوار کے عمل سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں ۔

آج کے سماج میں اس مد پر جتنا خرچ ہوتا ہے ، اس کے مقابلے میں تو شروع سے ہی بہت کم ہو جائے گا ، اور نئے سماج کے بڑھنے کی رفتار کے ساتھ برابر کم ہوتا چلا جائے گا ۔

دوسرے وہ جو ضروریات کی مشترکہ طلب پوری کرنے پر لگتا ہے ، مثلاً اسکول ، ہسپتال وغیرہ ۔

آج کے سماج میں اس مد پر جتنا خرچ ہوتا ہے ، اس کے مقابلے میں تو شروع سے ہی زیادہ ہوجائے گا اور نئے سماج کے بڑھنے کی رفتار کے ساتھ وہ بھی برابر بڑھتا جائے گا ۔

تیسرے وہ فنڈ جو محنت سے معذور لوگوں اور دوسروں کے لئے الگ کیا جاتا ہے — مختصر یہ کہ وہ جسے آجکل غریبوں کی سرکاری امداد کے نام سے الگ کرتے ہیں ۔

یہ سب حصے نکال چکنے کے بعد ہم کہیں اس " تقسیم ،، پر

آتے ھیں جیسے گوتھا پروگرام نے لاسال کے اثر میں اتنے تنگ دائرے میں پیش‌نظر رکھا ھے ، یعنی ضروریات‌زندگی کے سامان کا وہ حصہ جس میں کوآپریٹیو سوسائٹی کے کام کرنےوالے اپنا حصہ بٹائیں‌گے ۔

"کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل"، یوں چپ‌چاپ "کٹتا" چلا گیا ، البتہ یہ ھوا کہ سامان تیار کرنےوالے کو بحیثیت ایک فرد کے جو کچھ اپنے حق میں سے کٹوانا پڑا ، وہ سماج کے ایک ممبر کی حیثیت سے اسی کے حق میں براہ راست یا بالواسطہ استعمال بھی ھوگیا ۔

جس طرح "کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل"، والا جملہ غائب ھوگیا ، اسی طرح اب "محنت کا حاصل"، بھی کافور ھوتا ھے ۔

اس سماج میں ، جس کی بنیاد امداد باھمی (کوآپریٹیو) پر ھو ، ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت پر ھو ، سامان تیار کرنےوالے اپنے سامان کا باھمی تبادلہ نہیں کیا کرتے ؛ سامان کی تیاری میں جو محنت لگی ھے وہ یہاں اس کی ویلیو کی حیثیت میں نہیں ابھرنے پاتی ، نہ وہ اس سامان کی خصوصیات یا خوبی کے اندر پوشیدہ ھوتی ھے ۔ وجہ اس کی یہ کہ سرمایہ‌داری سماج کے ڈھنگ پر انفرادی محنت گھوم پھر کر جو حیثیت رکھتی تھی ، اب اس کے برخلاف مل‌جل کرکی ھوئی محنت کا براہ راست ایک جزو بن‌جاتی ھے ۔ یوں لفظ "محنت کا حاصل"، کہنا آجکل اپنے دورخے معنی کی بنا پر بھی قابل قبول نہیں ھوسکتا اور بالکل بےمعنی ھوکر رہ جاتا ھے ۔

جس کمیونسٹ سماج سے ھمارا واسطہ پڑتا ھے ، وہ خود اپنی بنیاد پر نہیں اٹھا ، بلکہ اس کے برخلاف ایسا کمیونسٹ سماج ھے جو سرمایہ‌داری سماج میں سے ابھرا ھے اور اس لئے ھر معاملے میں ، چاھے وہ معاشی ھو ، اخلاقی یا ذھنی ، بھر حال اسی پرانے سماج کے پیدائشی داغ دھبے پڑے رہ جاتے ھیں جس کی کوکھ سے اس نے جنم لیا ھے ۔ اس کے مطابق ھوگا یہ کہ سامان تیار کرنےوالے ایک ایک آدمی کو سماج سے سب کٹوتیوں کے بعد جو کچھ وصول ھونا ھے وھی اسی قدر ھے جتنا وہ خود سماج کو دیتا ھے ۔ اس کی اپنی انفرادی محنت سوسائٹی میں اس کا حصہ ھے ۔ مثال کے طور پر ، سماجی محنت کا ایک دن وہ مقدار ھے جس میں انفرادی محنت کے سارے گھنٹے یکجا ھوتے ھیں ۔

ہر ایک پیداواری آدمی نے الگ الگ جو وقت محنت کھپایا وہ سماجی محنت کے ایک دن میں اس کی شرکت یا اس کا لگایا ہوا حصہ ہے۔ سوسائٹی اس کو رسید دیتی ہے کہ اس شخص نے محنت کی اتنی مقدار کھپائی ہے (مشترکہ فنڈ کا حصہ اس میں سے منہا کردیا جاتا ہے)۔ اس رسید کے مطابق سماجی ذخیروں میں سے اس قدر سامان ضرورت وصول پاتا ہے جس کی تیاری میں اتنی ہی محنت کھپی ہوئی ہے۔ محنت کی اتنی ہی مقدار، جو ایک شکل میں سماج کو دی تھی، دوسری شکل میں اسے وصول ہوجاتی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے جو مالوں کے تبادلے پر حاوی ہوتا ہے، وجہ یہ کہ یہاں بھی برابر کی قدروں کا مبادلہ ہوتا ہے۔ یہاں واقعے کا ظاہر و باطن بدل گیا کیوں کہ بدلے ہوئے حالات میں کوئی شخص بھی سوائے اپنی محنت کے کچھ نہیں دے سکتا، اور الگ الگ آدمیوں کے ذاتی حصے میں سوائے ذاتی سامان ضرورت کے اور کچھ نہیں آسکتا۔ مگر سامان تیار کرنےوالے الگ الگ آدمیوں میں جہاں تک سامان ضرورت کی تقسیم کا سوال ہے، تو یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہوگا جو برابر مالیتوالے مالوں کے تبادلے میں ہوتا آیا تھا کہ: کسی ایک شکل میں محنت کی ایک مقررہ مقدار کسی دوسری شکل میں محنت کی اتنی ہی مقدار سے بدلی جائے۔

لہازا برابر کا حق یہاں اصولی طور پر وہی بورژوائی حق رہتا ہے، اگرچہ اب اصول اور عمل کا وہ ٹکراؤ نہیں رہتا، جب کہ مالوں کے مبادلےوالی صورت میں برابر کی مالیت کا مبادلہ الگ الگ نہیں، بلکہ اوسط میں پڑتا تھا۔

ترقی ضرور ہوئی لیکن اس کے باوجود برابر کا حق ایک حیثیت سے بورژوائی حدبندی کا پابند ہی رہا۔ سامان تیار کرنےوالے کو اس کی محنت کے حساب سے حق ملا؛ برابری صرف اس بات میں رہی کہ سب کا ناپ برابر کا ہے، یعنی محنت۔

مگر ایک شخص جسمانی یا ذہنی طور پر دوسرے سے بہتر ہے، چناںچہ یا تو اتنے ہی وقت میں زیادہ محنت دیتا ہے، یا زیادہ وقت تک محنت کرنے قابل ہے۔ اور محنت ہی چوں کہ ایک پیمانہ ہے تو

وہ پھیلاؤ یا گہرائی میں سب کےلئے یکساں ہونی چاہئے ورنہ وہ ماپ کے کام نہیں آسکتی۔ لہازا یہ جو برابر کا حق تھا، یہی نابرابر محنت کےلئے نابرابری کا حق ٹھیرا۔ یہ حق طبقوں کی اونچ نیچ کو نہیں مانتا کیوں کہ اس کےسامنے ہر شخص کی حیثیت اوروں کی طرح کام کرنےوالے کی ہے، لیکن خاموشی سے ایک فرق کو مانتا ہے کہ آدمی کی لیاقت ایک سی نہیں ہوتی، نتیجہ یہ کہ کام کی صلاحیت میں اونچ نیچ ہونا قدرتی بات ہے۔ لہازا اندر سے وہ نابرابری کا حق ہے جیسے کہ اور حق ہوتے ہیں۔ اپنی فطرت سے حق صرف اسی میں ہے کہ سب کےلئے ایک پیمانہ اختیار کیا جائے۔ لیکن افراد برابر نہ ہونے پر (اگر وہ نابرابر نہ ہوتے تو ایک دوسرے سے مختلف ہی کیوں ہوتے) سب کو ایک پیمانے سے تبھی ناپا جا سکتا ہے جب انھیں صرف ایک نقطۂنظر سے دیکھا جائے، ان پر کسی ایک خاص پہلو سے ہی نظر ڈالی جائے، مثلاً سوال زیربحث میں انھیں صرف محنت کرنےوالے کی حیثیت سے تولاجائے، اس کے علاوہ کوئی اور حیثیت نظر میں نہ ہو، باقی تمام صفات نظرانداز کردی جائیں۔ آگے چلیے: ایک شادی شدہ ہے، دوسرا نہیں ہے، ایک کے زیادہ بچے ہیں، دوسرے کے کم، وغیرہ وغیرہ۔ برابر کی محنت کرنے پر، یا یوں لیجئے کہ سماجی ضروریات کے فنڈ میں سے برابر کا حصہ پانے پر دراصل ایک کو زیادہ ملتا ہے، دوسرے کو اس سے کم، یعنی ایک کی مالی حالت دوسرے سے بہتر رہتی ہے۔ اسی پر اور قیاس کرلیجئے۔ ان تمام الجھنوں سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ حق برابر ہونے کے بجائے نابرابر رہنا چاہئے۔

کمیونسٹ سماج کے پہلے دور میں ان خامیوں سے مفر نہیں ہے، اس حالت میں جب وہ سرمایہداری سماج کے دردزہ کی مصیبت دیر تک بھگتنے کے بعد جنم لےگا۔ حق کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو معاشی نظام سے اور اس نظام کے لائے ہوئے سماج کی تہذیبی ترقی سے بالاتر ہو۔

کمیونسٹ سماج کے اعلا دور میں، جب آدمی کو محنت کی تقسیم کے شکنجے میں کسنا ختم ہوجائےگا، جب تقسیم محنت کےساتھ

ساتھ ذہنی اور جسمانی محنت کی لاگ ڈانٹ جاتی رہےگی، جب محنت صرف زندگی باقی رکھنے کا ذریعہ نہ رہ جائےگی، بلکہ زندگی کا اولین تقاضا بن چکی ہوگی، جب فرد کی ہر پہلو، ہر جہت سے ترقی کے دوش بدوش پیداواری طاقتیں بھی بڑھ چکی ہوں‌گی اور سماجی دولت کے سارے ندی نالے مل کر ایک بھرپور دھارا بن چکے ہوں‌گے، تب جا کر بورژوا حق کے تنگ دائرے سے نجات ملےگی اور سماج اپنے پرچم پر یہ اعلان لکھ سکےگا: ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق کرے، ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق ملے۔

ایک طرف ”کٹوتی کے بغیر محنت کا حاصل“ سے بحث کرنے میں، دوسری طرف ”برابر کا حق“ اور ”منصفانہ تقسیم“ پر میں نے بڑی تفصیل سے کام لیا ہے۔ مقصد یہ دکھانا تھا کہ ایک تو یہی جرم ہے کہ ہماری پارٹی کے سر وہ خیالات اٹل عقیدے کی طرح پھر سے منڈھے جائیں جو کبھی کسی دور میں با معنی تھے، لیکن وقت گزرنے پر اپنی وقعت اور معنویت بالکل کھو چکے ہیں، دوسرے، اس حقیقت‌پسندانہ خیال کو بگاڑنے کی بھی کوشش ہے جو بڑی مشکلوں کے بعد اب کہیں جا کر پارٹی کے ذہن‌نشین ہوا ہے اور جڑ پکڑ چکا ہے، تاکہ حقوق وغیرہ کی فضول نظریاتی قسم کی باتیں بنا کر جو ڈیموکریٹوں اور فرانسیسی سوشلسٹوں کی پرانی عادت ہے، اس تصور میں الجھاؤ ڈال دیا جائے۔

اوپر جتنی کچھ بحث کی گئی ہے، اس سے قطع‌نظر یوں بھی نام‌نہاد تقسیم پر اس قدر زور دینا اور اسی کو خاص کر ابھارنا غلط ہے۔

سامان ضرورت کی تقسیم، چاہے وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، ہمیشہ خود پیداواری اسباب کی تقسیم کا ایک لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ اور پیداواری اسباب کی تقسیم سے صرف طریق پیداوار کا کیرکٹر ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سرمایہ‌دارانہ طریق‌پیداوار کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی ہوئی ہے کہ پیداوار کے مادی اسباب، سرمائے اور زمین جائداد کی شکل میں ان لوگوں کے ہاتھ ہوتے ہیں جو خود مزدور نہیں ہوتےاور عام لوگ پیداوار کے صرف ذاتی اسباب کے، یعنی قوت‌محنت کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر پیداوار کے عناصر اس طرح بٹے ہوئے ہیں

تو سامان ضرورت کی موجودہ تقسیم خودبخود ہوجاتی ہے۔ اور اگر پیداوار کے مادی اسباب خود مزدوروں کی باہمی ملکیت میں ہوں تو اس سے جو سامان ضرورت کی تقسیم ہوگی وہ آجکل کی تقسیم سے مختلف ہوگی۔ گھٹیا سوشلزم نے بورژوا ماہرین معاشیات سے (اور جمہوریت ماننے والے بعض لوگوں نے وہاں سے) یہ سیکھا کہ تقسیم کو طریق پیداوار سے بے تعلق اور بے نیاز کرکے اس طرح دیکھا اور برتا جائے چناں چہ معاملے کو یوں پیش کرنا سیکھ گئے گویا سوشلزم زیادہ تر تقسیم کے سوال کے گرد گھومتا ہے۔ لیکن جب ان دونوں کا اصلی تعلق بہت زمانے پہلے واضح کیا جا چکا ہے تو اب اس کی طرف پلٹنے کی کیا ضرورت ہے ؟

۴۔ ”محنت کے سر کا بوجھ اتارنا مزدور طبقے کا ہی کام ہونا چاہئے ، جس کے تعلق سے باقی سارے طبقے صرف ایک رجعت پرست ہجوم رہ جاتے ہیں۔“

جملے کا پہلا ٹکڑا انٹرنیشنل کے دستور العمل کی تمہید سے لیا گیا ہے ، لیکن اس پر بھی اصلاح کا قلم پھیر دیا گیا۔ وہاں یہ جملہ یوں تھا : ”مزدور طبقے کے سر کا بوجھ اتارنا خود مزدوروں کا ہی کام ہونا چاہئے۔“* یہاں الٹا یہ کہا گیا کہ ”مزدور طبقہ“ آزاد کرے کس کو ؟ — ”محنت کو“۔ یہ بھی کوئی بس کی بات ہے !

جگہ بھرنے کی خاطر پہلے بیان کا توڑ بھی شامل کرلیا ، یہ ہے کھرا جملہ جو لاسال کے ہاں سے لیا گیا ہے کہ ”جس کے تعلق سے باقی سارے طبقے صرف ایک رجعت پرست ہجوم رہ جاتے ہیں۔“

”کمیونسٹ مینی فسٹو“ میں کہا گیا ہے : ”بورژوا طبقے کے روبرو اس وقت جتنے طبقے کھڑے ہیں ، ان سب میں ایک پرولتاریہ ہی حقیقت میں انقلابی ہے۔ دوسرے طبقے جدید صنعت کے مقابلے میں

---

* ملاحظہ ہو کارل مارکس کی تحریر ”انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی ایشن کے دستورالعمل“۔

زوال پذیر اور بالآخر ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ پرولتاریہ اس کی مخصوص اور لازمی پیداوار ہے۔ ،،*

یہاں اس بیان میں بورژوازی کو، جدید یا بھاری صنعت لانے والے کی حیثیت سے ایک انقلابی طبقہ قرار دیا گیا اور جاگیرداروں اور درمیانی طبقوں کی نسبت سے ایسا کہا گیا ہے جن کی تمنا ہوتی ہے کہ اپنے دم قدم کے ساتھ وہ سماجی حیثیتیں بھی سنبھالے رہیں جو پرانے طریق پیداوار کی دین تھیں۔ چنانچہ وہ دونوں طبقے بورژوازی سمیت صرف ایک رجعت پرست ہجوم نہیں ہوتے ہیں۔

دوسری طرف پرولتاریہ ایک انقلابی طبقہ ہے بورژوازی کی نسبت سے کیونکہ وہ بھاری صنعت کے بل پر ابھرتا ہے تو پیداوار پر سے وہ سرمایہ‌داری بندھن اتارنے کی فکر میں رہتا ہے جنھیں بورژوازی ہمیشہ بنائے رکھنا چاہتی ہے۔ ''کمیونسٹ مینی فسٹو،، نے یہیں پر یہ بھی بڑھا دیا کہ ''درمیانی طبقہ صرف یہی دیکھ کر کہ اس کے لئے پرولتاریہ کے ساتھ ملنے کی گھڑی قریب آپہنچی ہے وہ انقلابی ہو جاتا ہے۔ ،،

اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو یوں کہنے کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے کہ گویا مزدور طبقے کی نسبت سے یہ لوگ ''بورژوازی کے ساتھ،، بلکہ اور بڑھا دیجئے کہ جاگیرداروں کے ساتھ مل کر ''صرف ایک رجعت پرست ہجوم رہ جاتے ہیں،،۔

کیا پچھلے الکشنوں کے موقع پر دستکاروں کو، چھوٹے موٹے کارخانہ‌داروں وغیرہ اور کسانوں کو خطاب کرکے یہی کہا گیا تھا کہ ''ہماری نسبت سے آپ لوگ بورژوا اور جاگیرداروں سمیت صرف ایک رجعت پرست ہجوم بنتے ہیں،،؟

لاسال کو ''کمیونسٹ مینی فسٹو،، اسی طرح زبانی یاد تھا جیسے اس کے چیلوں کو اپنے استاد کی حدیثیں یاد ہیں۔ تب اگر اس نے ''مینی فسٹو،، کو بری طرح موڑا توڑا ہے تو صرف اس غرض سے

---

* ملاحظہ ہو اس ایڈیشن کا حصۂ اول، صفحہ ٦٥۔ (ایڈیٹر)

تاکہ بورژوازی کے مقابلے پر کھڑے ہوئے من مانے فرماں رواؤں اور جاگیرداروں سے اپنے اتحاد کی سبیل نکال لے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ھے کہ مذکورہ بالا پیراگراف میں بڑی ہوشیاری سے لاسال کا قول بال باندھ کر اڑا دیا گیا ھے حالاں کہ اسے انٹرنیشنل کے دستور العمل کے اس حوالے سے دور کا بھی کوئی سروکار نہیں تھا جس پر خواہ‌مخواہ "اصلاح کا قلم" پھیرا گیا۔ چناں‌چہ ہمارے سامنے جو چیز آئی وہ بےحیائی کا ایک نمونہ ھے، جو مسٹر بسمارک کو بھی ناپسند نہ ہوگا، اور ان گھٹیا قسم کی شرارتوں میں سے ھے جن کا کاروبار برلن کا مراٹ کیا کرتا ھے۔ *

> ۵۔ "مزدور طبقہ اپنے سر کا بوجھ اتارنے کےلئے اول تو عہدحاضر کی قومی ریاست کے دائرے میں رہ کر کوشش کرتا ھے، یہ جانتے ہوئے کہ ان کوششوں کا لازمی نتیجہ، جو سارے مہذب ملکوں کے مزدوروں میں مشترکہ ھیں، یہ ہوگا کہ قوموں میں انٹرنیشنل برادری بنے۔"

"کمیونسٹ مینی‌فسٹو"، اور پہلے کے تمام سوشلزم کے برخلاف لاسال نے مزدور تحریک کو نہایت ھی تنگ قومی نقطۂنظر سے دیکھا تھا۔ اب اسی کی نقالی کی جارھی ھے، وہ بھی اس وقت جب انٹرنیشنل اپنی کارگذاری دکھا چکا۔

یہ بات بغیر کہے ظاھر ھے کہ یوں بھی مزدور طبقے کو جنگی صلاحیت پیدا کرنے کےلئے خود اپنے ملک میں طبقے کی حیثیت سے اپنے آپ کو منظم کرنا لازمی ھے اور خم ٹھونکنے کےلئے جو اکھاڑا سامنے ھے وہ خود اس کا ملک ھے۔ یہاں تک تو اس کی طبقاتی جدوجہد قومی ہوتی ھے، اپنے باطن میں نہیں بلکہ "کمیونسٹ مینی‌فسٹو" کے بقول اپنی "شکل صورت میں"۔ تاھم "آجکل کی قومی ریاست کا دائرہ"

---

* برلن کا مراٹ ایک طنزیہ اشارہ ھے ھاسیل‌مان کی طرف، جو لاسال‌والوں کے ترجمان اخبار «Neuer Social-Demokrat» کا چیف ایڈیٹر تھا۔ (ایڈیٹر)

مثلاً جرمن سلطنت کا قومی دائرہ خود اقتصادی حیثیت سے ”عالمی منڈی کی چار دیواری کے اندر“، محدود ہوتا ہے اور سیاسی حیثیت سے وہ ”ریاستی نظام حکومت کی حدوں میں“، رہتا ہے۔ ہر ایک بیوپاری واقف ہے کہ جرمنی کی تجارت جرمن ہونے کے ساتھ ساتھ غیرملکی بھی ہے اور مسٹر بسمارک کی عظمت قطعی طور سے اس بات میں ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی انٹرنیشنل پالیسی بھی چلا رہے ہیں۔

جرمن مزدور پارٹی اپنی بین‌اقوامیت کدھر لےجا رہی ہے؟ اس شعور کی طرف کہ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ”قوموں کی انٹرنیشنل برادری بنے“۔ بورژوا انجمن ”امن و آزادی کی لیگ“، (۱۰۶) کے یہاں سے مانگا ہوا یہ جملہ اس جملے کی جگہ بٹھایا جا رہا ہے کہ حاکم طبقوں اور ان کی حکومتوں کےخلاف مشترکہ جدوجہد میں مختلف ملکوں کے مزدور طبقوں کی انٹرنیشنل برادری ہو۔ چناں‌چہ جرمن مزدور طبقے کی انٹرنیشنل ذمہ‌داری کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ اس طرح سے وہ اپنے یہاں کی بورژوازی کو چیلنج کرنے چلے ہیں جو مزدور طبقے کے خلاف تمام ملکوں کی بورژوازی سے برادری کا رشتہ جوڑے ہوئے ہے اور یوں مسٹر بسمارک کی انٹرنیشنل سازشی پالیسی کا مقابلہ کیا جائےگا۔

سچ پوچھئے تو گوتھا پروگرام کی بین‌اقوامیت آزاد تجارت پارٹی کے انٹرنیشنلزم سے بھی نہایت پست سطح پر ہے۔ وہ پارٹی بھی یہی دعوا کرتی ہے کہ اس کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ”قوموں کی انٹرنیشنل برادری بنے“۔ وہ اس غرض سے کچھ نہ کچھ کرتی تو ہے کہ تجارت کو انٹرنیشنل بنائے اور صرف اس شعور سے مطمئن ہوکر نہیں بیٹھ رہتی کہ سب قومیں اپنے اپنے یہاں تجارت کر رہی ہیں۔

مختلف ملکوں کے مزدور طبقے کی انٹرنیشنل سرگرمی ہرگز ”انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن“، کے وجود پر منحصر نہیں۔ یہ تو صرف پہلی کوشش تھی تاکہ اس سرگرمی کےلئے ایک مرکزی ادارہ کھولا جائے، اس نے جو جھٹکا دیا وہ تو خیر ایک یادگار کامیابی ثابت ہوا، لیکن پیرس کمیون ٹوٹنے کے بعد اس کی اولین تاریخی شکل میں یہ کوشش آگے نہیں بڑھائی جا سکتی تھی۔

بسمارک کا «Norddeutshe» (شمالی جرمن) بالکل حق بجانب تھا کہ اس نے اپنے مالک کی تسکین کےلئے باواز بلند کہہ دیا کہ جرمن مزدور پارٹی اس نئے پروگرام میں انٹرنیشنلزم سے صاف انکاری ہے (۱۰۷)۔

۲

'' ان اصولوں سے قدم اٹھاکر جرمن مزدور پارٹی تمام قانونی راستوں پر گزرتی ہوئی، آزاد ریاست اور اشتراکی سماج کی منزل کی جانب بڑھتی ہے کہ: کام کی اجرت کا سسٹم اپنے آھنی قانون سمیت مٹا دیا جائے اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی ہر شکل کا خاتمہ ہو جائے؛ ہر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری دور کر دی جائے۔ ،،

'' آزاد ،، ریاست پر بحث زرا بعد میں کروں گا۔

تو اب جرمن مزدور پارٹی کو آئندہ لاسال‌والے '' آھنی قانون ،، پر بھی ایمان لانا ہوگا! گوتھا پروگرام میں اس کی گنجائش نکالنے کےلئے ایک مہمل ٹکڑا بڑھایا گیا یہ کہہ کر کہ '' کام کی اجرت کا سسٹم اپنے آھنی قانون سمیت مٹا دیا جائے ،، (حالاں کہ کہنا تھا: اجرتی محنت یا مزدوری کا سسٹم)۔ اگر میں مزدوری کا سسٹم مٹاتا ہوں تو قدرتی بات ہے کہ اس کے قانون بھی مٹا دیتا ہوں، چاہے وہ '' آھنی ،، ہوں یا نرم پھوکے جیسے ہوں۔ لیکن اجرتی محنت سے لاسال کی جنگ کم وبیش اسی نام‌نہاد قانون کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ چناں‌چہ صرف یہ دکھانے کےلئے کہ لاسال‌والے فرقے نے میدان مار لیا ہے '' کام کی اجرت کا سسٹم ،، مٹایا جانا چاھئے '' اپنے آھنی قانون سمیت ،،، اس کے بغیر نہیں۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ '' کام کی اجرت کے آھنی قانون ،، والے ٹکڑے میں لفظ '' آھنی ،، کے سوا لاسال کا کچھ بھی نہیں، اور یہ لفظ بھی گوئٹے کی ایک نظم سے مستعار ہے، جہاں وہ کہتا ہے: '' یہ اٹل، آھنی قانون ،،۔ '' آھنی ،، ایک بندھا ٹکا لفظ ہے جس

سے اہل ایمان قانون اور قانون میں شناخت کرتے ہیں ۔ اب اگر میں قانون کو اس کی لاسال‌والی چھاپ کے ساتھ قبول کرلوں ، مطلب یہ کہ قانون کے وہی معنی ذہن میں رکھوں جو لاسال نے لئے ہیں تو سجھے اسی کے بتائے ہوئے متعلقات بھی ماننے پڑیں گے ۔ صورت کیا بنےگی ؟ ابھی لاسال کے انتقال کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ لانگے نے ثابت کردیا (اور خود لانگے نے اسی کی تبلیغ بھی کی) کہ یہ نظریہ دراصل مالتھوس کا نظریہ آبادی ہے (۱۵۸) ۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہو ، تب بھی میں اس ''آہنی قانون،، کو نہیں مٹا سکتا ، چاہے اجرتی محنت سو بار مٹا دوں ، کیوں‌کہ قانون وہ ہے جو صرف اجرتی‌محنت کے سسٹم پر نہیں بلکہ ہر ایک سماجی نظام پر حاوی ہوتا ہے ۔ ٹھیک اسی بنیاد پر کھڑے ہوکر ماہرین معاشیات پچھلے پچاس سال بلکہ اور زیادہ عرصے سے کہہ رہے ہیں کہ سوشلزم غریبی کو دور نہیں کرسکتا، کہ اس کی جڑیں تو فطرت میں پیوست ہیں ، البتہ غریبی کو عام کرسکتا ہے ، اسے سماج کی پوری سطح پر ایک ساتھ پھیلا سکتا ہے ۔

لیکن اصل بحث یہ نہیں ہے ۔ لاسال نے قانون کا جو غلط مفہوم پیش کیا ہے ، اس سے بالکل قطع‌نظر ، صحیح معنوں میں تکلیف‌دہ پسپائی آگے دکھائی گئی ہے ۔

لاسال کی موت کے بعد اس علمی تصور نے ہماری پارٹی کے اندر جگہ بنائی کہ اجرتیں وہ نہیں جو نظر آتی ہیں ، یعنی محنت کی ویلیو یا قیمت نہیں ہیں بلکہ قوت محنت کی ویلیو یا قیمت کی ایک درپردہ شکل ہیں ۔ چناں‌چہ تب تک اجرت کا جو بورژوا تصور چلا آتا تھا ، وہ اور اس پر جتنی کچھ نکتہ‌چینی ہو چکی تھی ، وہ سب ہمیشہ کے لئے رد کر دئے گئے اور یہ بات صاف ہو گئی کہ اجرت پر کام کرنےوالے کو اپنی گزراوقات کے یعنی زندہ رہنے کے لئے کام کرنے کی اجازت اسی وقت تک ہے جب وہ کچھ وقت بےمعاوضہ کام بھی کرے سرمایہ‌دار کی خاطر (اور اسی میں یہ بھی کہ اور لوگ جو قدر زائد میں سرمایہ‌دار سے ساجھا کرتے ہیں ، ان کی خاطر) ؛ اور یہ کہ پیداوار کا پورا سرمایہ‌دارانہ نظام اسی مفت کی محنت کو بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے ،

16*

یا تو کام کے گھنٹے بڑھا کر ، یا پیداواری طاقت بڑھا کر ، یا یوں کہئے کہ محنت کی قوت میں شدت پیدا کر کے ، وغیرہ ؛ اور یہ کہ اجرت پر کام لینےوالا سسٹم غلامی کا ھی ایک نظام رھتا ھے ، ایسی غلامی کا نظام کہ لیبر کی سماجی پیداواری طاقتیں جوں جوں بڑھتی جاتی ھیں یہ غلامی بھی شدید ھوتی جاتی ھے ، چاھے اس میں محنت کرنےوالے کو اچھے دام ملتے ھوں یا برے۔ جب اجرتوں کے بارے میں یہ تصور ھماری پارٹی میں زیادہ سے زیادہ ذھن‌نشین ھو چکا تو اب لاسال کے اٹل عقیدے کی طرف الٹا رخ کیا جارھا ھے ، حالاں‌کہ یہ معلوم ھو جانا چاھئے تھا کہ لاسال کو خبر ھی نہ تھی کہ اجرت کیا ھوتی ھے ، لیکن بورژوا ماھرین معاشیات کی دیکھا دیکھی اس نے بھی یہی روپ بھرا گویا معاملے کی تہہ میں اتر چکا ھے۔

ایسا معلوم ھوتا ھے گویا ان غلاموں میں جن پر غلامی کا راز کھل چکا ، اور جنھوں نے شورش برپا کر دی ، ایک ایسا بھی ھے جو ابھی تک پرانے خیالات کے شکنجے میں پڑا ھوا شورش کے پروگرام میں یہ لکھ رھا ھے : غلامی کا خاتمہ ھونا چاھئے کیوں‌کہ غلامی کے نظام کے ھوتے غلاموں کا راشن ایک مقررہ حد سے اوپر نہیں جا سکتا ، بلکہ جتنا بھی ھو سکے ، کم رکھا جاتا ھے۔

یہی ایک بات کہ ھماری پارٹی کے نمائندوں کے ھاتھوں اس تصور پر جو پارٹی میں عام طور سے ذھن نشین ھو چکا ھے ، ایسی مہلک ضرب لگائی جائے ، کیا یہ ثابت نہیں کرتی کہ اس سمجھوتے کے پروگرام کی تیاری میں انھوں نے کس قدر مجرمانہ غفلت اور بےشعوری سے عمل کیا ھے۔

پیراگراف کے آخر میں اس مبہم سے جملے پر تمام کرنے کے بجائے کہ ”ھر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری کا خاتمہ کیا جائے“، انھیں یوں کہنا چاھئے تھا کہ طبقاتی اونچ نیچ مٹنے کے ساتھ ساتھ ، اس سے ابھرنےوالی ھر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری بھی آپ سے آپ دور ھو جائےگی۔

۳

" سماجی مسئلے کے حل کا راستہ نکالنے کے لئے جرمن مزدور پارٹی کی مانگ ہے کہ سامان تیار کرنے والوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جائیں جنھیں سرکاری امداد حاصل ہو اور محنت کرنے والوں کا جمہوری کنٹرول رہے - یہ کوآپریٹیو سوسائٹیاں صنعت اور زراعت دونوں میں اتنے بڑے پیمانے پر وجود میں لائی جائیں کہ ان سے مجموعی محنت کی اشتراکی تنظیم ابھرے - "

" اجرت کا آهنی قانون "، تو لاسال نے لگایا هی تھا، اب زخم کا مرهم بھی اسی پیغمبر کے هاں سے ملا - " راسته نکالنے "، کی بہت معقول تجویز سوچی گئی - موجودہ طبقاتی کشمکش کے بجائے اخباری قلم گھسیٹ جمله جڑ دیا گیا ہے " سماجی مسئله "، جس کے " حل کا "، " راسته نکالنا "، ہے - سماج کی انقلابی کایا پلٹ کے عمل کی جگه " مجموعی محنت کی اشتراکی تنظیم "، " ابھرتی "، ہے " سرکاری امداد "، سے، جو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو دی جائے گی اور سرکار هی کے دم سے " وہ وجود میں لائی جائیں گی "، مزدوروں کے دم سے نہیں - لاسال کی خیال آرائی کے عین مطابق ہے یه بات گویا سرکاری امدادی رقم سے نیا سماج اسی آسانی کے ساتھ بن کر تیار هو جائے گا جیسے نئی ریلوے لائن بنتی ہے -

شرم سے جو تلچھٹ رہ گئی تو " سرکاری امداد "، کو " محنت کرنے والوں "، کے جمہوری کنٹرول میں دے دیا گیا -

اول تو یه که " محنت کرنے والوں "، کی اکثریت جرمنی میں کسانوں کی ہے، پرولتاریوں کی نہیں -

دوسرے یه که لفظ " جمہوری "، کا مطلب جرمن میں «Volksherr-schaftlich» (یعنی جمہور کے هاتھ میں طاقت) هوتا ہے - سوال،

ہوگا کہ ''محنت کرنےوالے جمہور کے ہاتھ میں طاقت کا کنٹرول،، کیا معنی؟ خاص کر ان محنت کرنےوالوں کے معاملے میں، جو ریاست کے سامنے اپنی مانگ پیش کرکے پوری طرح یہ مانے لے رہے ہیں کہ نہ تو ان کے ہاتھ میں طاقت ہے، نہ وہ طاقت لینے کے قابل ہوئے ہیں۔

یہاں اس نسخے کی تنقیح غیرضروری معلوم ہوتی ہے جو کبھی لوئی فلپ کی شاہی حکومت میں بیوشے نے فرانسیسی سوشلسٹوں کے توڑ پر تجویز کیا تھا اور جسے ستری خانوں (۱۰۹) («L'Atelier») کے رجعت پرست مزدوروں نے قبول بھی کر لیا تھا۔ اصل مصیبت یہ نہیں کہ پروگرام میں ایسی کراماتی تدبیر جوڑ دی گئی بلکہ یہ ہے کہ طبقاتی تحریک کے نقطۂ نظر سے پیچھے ہٹ کر ایک فرقہ‌وارانہ تحریک کے نقطۂ‌نظر کی طرف یونہی الٹا قدم بڑھایا جارہا ہے۔

جب مزدوروں کی نظر میں یہ منزل ہو کہ وہ حالات پیدا کئے جائیں جو پورے سماجی پیمانے پر، اور اس سے بھی اول قومی پیمانے پر کوآپرےٹیو (باھمی) پیداوار کے لئے سازگار ہوں تو اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ پیداوار کی جو حالت قائم ہے، وہ اسے الٹنے کی کوشش میں ھیں۔ اس بات کو ایسی کوآپرےٹیو سوسائٹیوں کے قائم ہونے سے دور کا بھی رشتہ نہیں جو سرکاری امداد سے چلیں گی۔ اور جہاں تک موجودہ کوآپرےٹیو سوسائٹیوں کا تعلق ہے تو وہ صرف وھیں تک قابل قدر ھیں جہاں بذات خود مزدوروں کی قائم کی ہوئی ہوں، نہ انھیں سرکاری سرپرستی حاصل ہو اور نہ بورژوازی کا سایہ۔

۴

اب میں جمہوری حصے کی طرف آتاھوں۔

الف: ''ریاست کی آزاد بنیاد،،۔

سب سے اول بات یہ کہ سیکشن نمبر دو کے مطابق جرمن مزدور پارٹی ''آزاد ریاست،، کی آرزومند ہے۔

یہ ''آزاد ریاست،، کیا ہوتی ہے؟

ریاست کو ”آزاد“ کرنا ہرگز ان مزدوروں کی منزل مقصود نہیں ہے جو فرماں‌بردار رعایا کی تنگ ذہنیت سے خود آزاد ہو چکے ہوں۔ جرمن سلطنت میں ”اسٹیٹ“ قریب قریب اتنی ہی ”آزاد“ ہے جتنی روس میں۔ آزادی اس بات میں ہے کہ اسٹیٹ کو ایسے ادارے کے بجائے جو سوسائٹی کے اوپر لدا ہو، ایسا ادارہ بنایا جائے جو سوسائٹی کا ماتحت ہو، اور آج بھی ریاست کی کوئی صورت اسی قدر کم یا زیادہ آزاد ہے جتنی وہ ”ریاست کی آزادی“ پر پابندی لگاتی ہے۔

جرمن مزدور پارٹی نے اگر کہیں یہ پروگرام اپنا لیا تو ظاہر کر دےگی کہ اشتراکی خیالات اس کی کھال کے اندر نہیں اترے۔ بجائے اس کے کہ وہ موجودہ سوسائٹی کو موجودہ ریاست کی بنیاد (اور یہ بات آئندہ ہر قسم کے سماجوں پر بھی صادق آتی ہے) سمجھ کر دیکھے (یا آئندہ کے سماج کو آئندہ کی ریاست کی بنیاد سمجھے) وہ الٹا یہ سمجھ رہی ہے کہ ریاست کوئی الگ سے اپنا وجود رکھتی ہے، جس کی خود اپنی ”ذہنی، اخلاقی اور آزادانہ بنیادیں“ ہوا کرتی ہیں۔

اس پروگرام میں اوپر سے ان لفظوں ”عہد حاضر کی ریاست“ اور ”عہد حاضر کا سماج“ کی ایسی بےجا بھرمار کی گئی ہے اور خود اسی ریاست کا غلط اور بھدا تصور قائم کر لیا گیا ہے جس کے سامنے اپنی مانگیں پیش کی ہیں۔

”عہد حاضر کا سماج“ وہی سرمایہ‌داری سماج ہے جو تقریباً تمام مہذب ملکوں میں قائم ہے، وسطی زمانے کے رگ و ریشے سے کم و بیش پاک ہے، اور ہر ایک ملک جو تھوڑا بہت ترقی‌یافتہ ہے، اس کے خاص تاریخی حالات کے مطابق تھوڑی بہت تبدیلی بھی قبول کر چکا ہے۔ لیکن ”عہد حاضر کی ریاست“ کو دیکھئے تو وہ ہر ملک کی سرحدوں کے ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ پروشیا جرمن سلطنت میں وہ کچھ اور ہے، سوئٹزرلینڈ میں کچھ اور، انگلینڈ میں اس کی حالت ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ سے مختلف ہے۔ مطلب یہ کہ ”عہد حاضر کی ریاست“ محض ایک افسانہ ہے۔

مختلف تہذیب‌یافتہ ملکوں کی مختلف ریاستوں میں رنگ روپ کا چاہے کتنا ہی فرق پڑتا ہو، تاہم ان سبھوں میں ایک یہ بات مشترک ہے کہ ان کی بنیاد نئے زمانے کے سرمایہ‌دارانہ سماج پر ہے، کسی میں سرمایہ‌دارانہ ترقی زیادہ ہوئی ہے، کسی میں کم۔ اسی لئے ان کی بعض خاصیتیں بھی مشترک ہیں۔ صرف ان معنوں میں "عہد حاضر کی ریاست"، کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے کہ وہ آئندہ کی اس ریاست سے الگ چیز ہے جب اس کی جڑ بنیاد، یعنی بورژوا سماج مر چکا ہوگا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ: کمیونسٹ سماج میں ریاست کی کایا کلپ کیسی ہوگی؟ دوسرے لفظوں میں سوال یہ ہے کہ تب وہ کونسی سماجی کارگزاریاں رہ جائیں‌گی جو آج کی سرکاری کارگزاریوں سے میل کھاتی ہیں؟ اس سوال کا صرف علمی جواب دیا جاسکتا ہے۔ ہزاروں بار اگر لفظ "جمہور"، کو "ریاست"، سے ترکیب دیا جائے، تب بھی ہم اس مسئلے کے حل کے بال برابر نزدیک نہیں پہنچیں گے۔

سرمایہ‌دار اور کمیونسٹ سماج کے درمیان ایک دور ایسا گزرتا ہے جس میں ایک کو دوسرے میں ڈھالنے کا انقلابی عمل انجام پاتا ہے۔ اسی کی مناسبت سے ایک ایسا سیاسی عبوری دور بھی گزرتا ہے کہ اس دور کی ریاست پرولتاریہ کی انقلابی ڈکٹیٹری کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

مگر پروگرام کو دیکھئے تو وہاں نہ اس سے بحث ہے، نہ کمیونسٹ سماج کی آئندہ ریاستی حیثیت سے۔

اس کی سیاسی مانگوں میں بھی کچھ نہیں رکھا، سوائے اس کے کہ وہی جانی پہچانی جمہوری رٹ لگائی گئی ہے: عام رائے‌دہندگی کا حق، براہ‌راست قانون‌سازی، جمہوری حق، والنٹیر پولیس (ملیشیا) وغیرہ۔ یہ سب باتیں بورژوا عوامی پارٹی اور امن و آزادی کی لیگ کی محض صدائے بازگشت ہیں۔ یہ وہی مطالبے ہیں کہ اگر انہیں پیش کرنے میں بڑھا چڑھا کر لفاظی سے کام نہ لیا جائے تو پہلے ہی مل چکے ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ جس ریاست میں یہ حقوق مل چکے وہ جرمن سلطنت کی حدوں کے اندر موجود نہیں بلکہ سوئٹزرلینڈ میں ہے،

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہے، وغیرہ۔ اس قسم کی ''آئندہ کی ریاست،، خود عہد حاضر میں وجود رکھتی ہے، البتہ جرمن سلطنت کے چوکھٹے سے باہر ہے اس کا وجود۔

مگر ایک بات بھول ہی گئے۔ چوں کہ جرمن مزدور پارٹی نے کھلے لفظوں میں جتا دیا ہے کہ وہ ''عہدحاضر کی قومی ریاست،، کے اندر عمل کرےگی، یعنی خود اپنی ریاست کے اندر، پروشیا جرمن سلطنت کی حدوں میں (ورنہ یہ مطالبے باہر کی دنیا میں بےمعنی ہو جاتے کیونکہ وہی تو طلب کیا جائےگا جو میسر نہ ہو) ایسی حالت میں اسے سب سے بڑی بات نہ بھولنی چاہئے تھی، وہ بات یہ کہ جتنی پیاری پیاری مانگیں کی ہیں ان کا دارومدار ہے اس چیز کے تسلیم کئے جانے پر جسے عوام کا اختیار اعلا کہتے ہیں، لہازا وہ جمہوری ریپبلک کے وقت کی راگنی ہیں۔

اگر جمہوری ریپبلک طلب کرنے کی ہمت نہیں تھی، جیسا کہ فرانسیسی مزدوروں نے بادشاہ لوئی فلپ کے اور لوئی بوناپارٹ کے زمانے میں اپنے پروگراموں میں مطالبہ کیا تھا (اور پھر یہاں حالات کا تقاضا تھا کہ احتیاط سے کام لیا جائے) تو وہ کرتب دکھانا کیا ضرور تھا جس میں نہ ''ایمانداری،، ہے، نہ معقولیت، اور ایسی چیزیں مانگی جائیں جو صرف جمہوری ریپبلک میں ہی کچھ معنی رکھتی ہیں، وہ بھی اس ریاست سے جس کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اوپر سے پارلیمنٹری جھالر ٹنکی ہوئی ہے اور اندر سے جاگیرداری ریشے بھرے ہیں، بیک وقت بورژوازی کا بھی پورا اثر پڑتا ہے اور سرکاری عہدہداروں کی بھی ریشہ دوانی چلتی ہے، پولیس کی حفاظت میں فوجی اندھیر گردی قائم ہے۔ اور سب پر طرہ یہ کہ اس قسم کی ریاست کو شان کے ساتھ یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ اس کے ہاتھ سے ہمیں ایسا کچھ حاصل وصول کر لینے کا گمان ہے ''قانونی ذریعوں سے،،!

اور تو اور، گھٹیا ڈیموکریسی بھی، جسے جمہوری ریپبلک میں حکومت الہیہ کا ہزار سالہ دور زمین پر اترتا نظر آتا ہے اور جسے دور دور گمان نہیں گزرتا کہ بورژوا سماج کی یہ تازہترین صورت (جمہوری ریپبلک) ہی وہ وقت ہے جب طبقاتی جدوجہد کا فیصلہ

ھتھیاروں سے ھو جانا چاھئے، وہ ڈیموکریسی تک اس قسم کی جمھوریت پسندی سے کہیں بلند و برتر ھے جس نے خود کو انھی حدوں کے اندر رکھا جن کی روادار پولیس تو ھو، منطق نہ ھو۔

لفظ ”ریاست،، سے حقیقت میں کیا مراد ھے — گورمنٹ کی مشین یا اسٹیٹ، کہ تقسیم محنت کے اصول سے وہ اپنا ایک خاص اور سماج سے الگ تھلگ جسمانی وجود بنا لیتی ھے، یہ بات کافی حدتک واضح ھو جاتی ھے ان الفاظ سے کہ ”جرمن مزدور پارٹی یہ مطالبہ کرتی ھے کہ اسٹیٹ کی معاشی بنیاد کی حیثیت سے ایک چڑھتا ھوا انکم ٹیکس ھونا چاھئے،، وغیرہ۔ ٹیکس حکومت کی مشینری کی معاشی بنیاد ھوتے ھیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ”آئندہ کی اسٹیٹ،، میں جو فی الحال سوئٹزرلینڈ میں موجود ھے، یہ مطالبہ اچھی طرح سے پورا کیا جاچکا ھے۔ انکم ٹیکس میں یہ نکتہ پوشیدہ ھے کہ مختلف سماجی طبقوں کی آمدنی کے مختلف ذرائع ھوتے ھیں، یعنی سماج سرمایہ دارانہ ھوتا ھے۔ چناں چہ اس میں کمال کی کوئی بات نہیں اگر شہر لیورپول (انگلینڈ) کے مالیاتی اصلاح پسند بورژواؤں نے، وزیر اعظم گلیڈسٹن کے بھائی کی سربراھی میں وھی مطالبہ آگے بڑھایا جو زیربحث پروگرام میں موجود ھے۔

ب: ”اسٹیٹ کی ذھنی اور اخلاقی بنیاد کی حیثیت سے جرمن مزدور پارٹی یہ مانگ کرتی ھے کہ
نمبر ١۔ اسٹیٹ کی طرف سے سب کے لئے اور یکساں ابتدائی تعلیم کا اھتمام کیا جائے۔ سب کے لئے اسکول کی حاضری لازمی ھو۔ تعلیم مفت ھو۔،،

یکساں ابتدائی تعلیم؟ ان لفظوں کی تہہ میں کیا خیال رکھا گیا ھے؟ کیا یہ یقین کر لیا کہ عہد حاضر کے سماج میں (بحث اسی سے متعلق ھے) تعلیم سب طبقوں کے لئے یکساں ھو سکتی ھے؟ یا مانگ کی جا رھی ھے کہ اوپر کے طبقوں کو بھی مجبور کر کے ابتدائی تعلیم کے اسی ادنا معیار تک، یعنی اس ابتدائی اسکول تک

اتارا جائے جو بیک وقت نہ صرف محنت مزدوری کرنےوالوں کی، بلکہ کسانوں کی بھی معاشی حالت سے میل کھاتا ہو ؟

''سب کے لئے اسکول کی حاضری لازمی۔ تعلیم مفت۔،، پہلی تو جرمنی میں بھی موجود ہے، دوسری سوئٹزرلینڈ میں اور ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ میں ابتدائی اسکولوں کی حدتک مہیا ہے۔ اگر امریکہ کی بعض ریاستوں میں ثانوی تعلیمی ادارے بھی ''مفت،، ہیں تو حقیقت میں اس کا مطلب یہی ہوا کہ عام ٹیکس کی آمدنی میں سے اوپر کے طبقوں کا تعلیمی خرچ نکالا جائے۔ اتفاق سے یہی بات الف نمبر ٥ میں ''عدالتی چارہ جوئی مفت،، ہونے کے مطالبے پر بھی صادق آتی ہے۔ فوجداری عدالت کو تو ہر جگہ مفت ہونا ہے؛ رہا دیوانی عدالت کا معاملہ، تو اس میں زمین جائداد کے مقدمے ھی آتے ہیں، اس لئے تنہا صاحب جائداد طبقوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیا مطالبہ یہ ہے کہ قومی تجوری کے بل پر یہ لوگ عدالتی چارہ‌جوئی کیا کریں ؟

اسکولوں پر جو پیراگراف تھا وہاں ابتدائی اسکول کے ساتھ ٹیکنیکل اسکولوں کا بھی (جن میں کتابی اور عملی دونوں شامل ہیں) مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔

''<u>اسٹیٹ کے ذریعے سے ابتدائی تعلیم</u>،، کسی کرم کی نہیں ہوتی۔ عام قانون بناکر ابتدائی تعلیم کا بجٹ مقرر کرنا، پڑھانےوالوں کے اسٹاف کو سندیافتہ بنانا، تعلیمی کورس کھولنا وغیرہ اور پھر جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں قاعدہ ہے، سرکاری انسپکٹروں کے ذریعے ان کا معائنہ کرنا تاکہ ان قانونوں کی مندرجات کی تعمیل ہوتی رہے — یہ بالکل اور چیز ہے اور ریاست کے ہاتھ میں ابتدائی تعلیم چھوڑنا کچھ اور۔ اسکولوں پر کسی قسم کا اثر ڈالنے سے حکومت اور کلیسا دونوں کو یکساں بےدخل رکھنا چاہئے۔ خاص کر پروشیا جرمن سلطنت کا معاملہ تو یہ ہے کہ (یہاں خالی خولی بہانہ‌بازی سے کام نہیں چلنےوالا کہ فی‌الحال ''آئندہ کی ریاست،، سے بحث ہے، ہم نے دیکھ لیا کہ اس معاملے میں حالت کیا ہے) لوگوں کو ریاست سے نہیں، بلکہ الٹا ریاست کو ھی لوگوں کے ہاتھ سے نہایت سخت تعلیم و تادیب کی ضرورت ہے۔

مگر یہ تمام پروگرام ، اپنی جمہوری جھنکار کے باوجود ، لاسال فرقے کے اس نیازمندانہ اعتقاد کے رنگ میں رنگا ہوا ہے جو اسے ریاست پر ہے ، یا جمہوری معجزے پر جو عقیدہ ہے کہ بھی بہتر نہیں ، یا غالباً معجزوں پر دونوں قسم کے عقیدوں کا یہ ایک سمجھوتہ ہے ، اور یہ دونوں ہی سوشلزم سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

''سائنس کی آزادی ،، — پروشیائی آئین کے ایک پیراگراف میں یوں آیا ہے۔ تو پھر یہاں کیا ضرورت تھی ؟

''عقیدے کی آزادی ،،۔ اگر اب Kulturkampf تہذیبی جدوجہد) (۱٦٠) کے زمانے میں یہ ضرورت پیش آگئی ہے کہ لبرلوں کو ان کے پرانے نعرے یاد دلائے جائیں تو یہ صرف ان لفظوں میں کیا جاسکتا تھا کہ '' ہر شخص کو موقع ملنا چاہئے کہ وہ اپنی مذہبی اور جسمانی ضرورتیں یوں پوری کر سکے کہ پولیس کا کوئی دخل نہ ہو ،،۔ لیکن مزدور پارٹی کو چاہئے تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی یہ پختہ رائے ظاہر کر دیتی کہ بورژوازی جو '' عقیدے کی آزادی ،، پکارتی ہے وہ آزادی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عقیدے کی مذہبی آزادی کی جتنی بھی قسمیں ممکن ہیں ، سب کو برداشت کر لیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس مزدور پارٹی انسانی ضمیر کو مذہب کے نشے سے ہی آزاد کرنے کی آرزومند ہے۔ تاہم یہ لوگ '' بورژوا معیار ،، کی حدیں نہیں پھلانگنا چاہتے۔

اب میں خاتمے پر آگیا ہوں ، کیوں کہ پروگرام میں آگے چل کر جو ضمیمہ دیا گیا ہے وہ اس کا کوئی خاص جزو نہیں ہے۔ لہازا میں بہت اختصار سے کام لوں گا۔

نمبر ۲ - '' محنت کا نارمل وقت۔ ،،

کسی ملک میں بھی مزدوروں کی پارٹی نے خود کو ایسے مبہم مطالبے میں محدود نہیں کیا (کہ نارمل کہہ کر رہ گئی ہو) ، بلکہ ہمیشہ مقرر کرکے کہا ہے کہ بحالات موجودہ اتنے گھنٹے کی محنت کو نارمل سمجھتی ہے۔

نمبر ۳ - '' عورتوں کی محنت پر کچھ پابندی اور بچوں کی محنت کی ممانعت۔ ''

محنت کے وقت کا جب ایک معیار مقرر کیا جائے تو اسی میں عورتوں سے محنت لینے پر کچھ پابندی شامل ہونی چاہئے کہ کام کے گھنٹوں کا کل وقت کتنا ہوگا، وقفہ کتنا ہوگا، وغیرہ۔ دوسری صورت میں مطلب صرف یہ ہوگا کہ صنعت کی ان شاخوں میں عورتوں سے محنت نہ لی جائے جو نسوانی صحت کے لئے خاص طور سے نامناسب ہیں یا صنف نازک کو اخلاقی طور سے زیب نہیں دیتیں۔ اگر یہ مطلب ہے تو اس طرح سیدھے سیدھے کہنا چاہئے تھا۔

'' بچوں کی محنت کی ممانعت! '' یہاں عمر کی وضاحت کرنا نہایت ضروری تھا۔

بچوں سے محنت لینے کی عام ممانعت بڑے پیمانے کی صنعت کے ہوتے ہوئے قابل عمل نہیں ہے، لہازا ایک لاحاصل اور نیک آرزو رہ جاتی ہے۔

اگر اس کا پورا ہونا ممکن ہوتا تو بھی یہ ایک رجعت‌پرستی تھی کیوں‌کہ اگر درجہ بدرجہ عمر کے حساب سے محنت کے وقت کی قید لگادی جائے، بچوں کی سلامتی کی خاطر کچھ احتیاطی تدبیریں رکھی جائیں، پیداواری محنت کو تعلیم سے شروع میں ہی جوڑ دیا جائے تو آج کے سماج کی کایاپلٹ کرنے کا یہ بڑا ہی کارآمد ذریعہ ثابت ہوگا۔

نمبر ۴ - '' کارخانے، ورکشاپ اور گھریلو کاروبار کی سرکاری نگرانی۔ ''

پروشیا جرمن ریاست کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مطالبہ ضرور بڑھا لینا چاہئے تھا کہ فیکٹری انسپکٹروں کو صرف عدالت ہی برطرف کر سکتی ہے؛ اور یہ کہ ہر ایک مزدور کو حق ہوگا کہ انسپکٹروں پر غفلت کے الزام میں مقدمہ دائر کرادے، اور یہ کہ انسپکٹر ڈاکٹری پیشے سے لئے جائیں۔

نمبر ۵ - '' جیل‌خانوں کی مشقت میں باقاعدگی۔ ''

مزدوروں کے عام پروگرام میں یہ مطالبہ کچھ جچتا نہیں۔ کچھ بھی سہی، اتنا تو صاف صاف کہا جانا چاھئے تھا کہ مزدوروں کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ مقابلے کے ڈر سے عام مجرموں کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ ہونے دیں اور خاص کر یہ کہ ان کے سدھار کی جو واحد تدبیر ھے کہ پیداواری محنت لی جائے، اس سے انھیں کوئی محروم نہیں کرنا چاھتا۔ سوشلسٹوں سے کم‌ازکم اتنی امید تو کی ھی جا سکتی ھے۔

نمبر ۲۔ "ذمہ‌داری کے بارے میں ایک عملی قانون۔"

یہ بتایا جانا چاھئے تھا کہ ذمہ‌داری کے بارے میں "عملی" قانون سے مطلب کیا ھے۔

ضمناً یہ جتاتا چلوں کہ اس پیراگراف میں، جہاں محنت کے نارمل وقت کا ذکر آیا ھے، فیکٹری ایکٹ کا وہ حصہ نظرانداز کر دیا گیا جس کا تعلق ہوتا ھے صحت و صفائی کے انتظام اور احتیاطی کارروائیوں سے تاکہ حادثوں وغیرہ سے بچاؤ کیا جاسکے۔ ذمہ‌داری‌والا قانون ھی عمل میں آتا ھے جب ان اصولوں کی خلاف‌ورزی کی جائے۔

مختصر یہ کہ اس ضمیمے پر بھی بدسلیقہ کاٹ چھانٹ کی چھاپ لگی ھے۔

Dixi et salvavi animam meam. (میں نے بات کہہ دی اور اپنی جان بچا لی۔)

کارل مارکس نے اپریل اور مئی ۱۸۷۵ء کے شروع میں جرمن‌زبان میں لکھ کر تمام کیا۔ کسی قدر اختصار کے ساتھ رسالہ «Die Neue Zeit» شمارہ ۱۸ (۱۸۹۰ — ۹۱ء) میں شائع ہوا۔

اصل مسودے کے مطابق شائع کیا گیا۔

فریڈرک اینگلس

ببیل کے نام خط[۱۲]

لندن، ۱۸—۲۸ مارچ ۱۸۷۵ء

عزیزمن ببیل !

مجھے تمہارا ۲۳ فروری والا خط ملا اور یہ جان کر خوشی ہوئی کہ صحت اتنی اچھی ہوگئی ہے۔

تم نے دریافت کیا ہے کہ پارٹی اتحاد کے بارے میں ہمارا کیا خیال ہے۔ بدقسمتی سے یہاں بھی تمہاری جیسی کیفیت ہے۔ نہ تو لیبکنیخت نے ہمیں کوئی اطلاع بھیجی، نہ کسی اور نے، چناں‌چہ ہمیں بھی صرف اسی قدر اطلاع پہنچی جو اخباروں میں آئی ہے۔ اخباروں میں پچھلے ہفتے جو پروگرام کا خاکہ شائع ہوا اس سے پہلے کوئی خیر خبر نہ تھی۔ یہ خاکہ پڑھ کر ہم بھی دنگ رہ گئے۔

ہماری پارٹی نے لاسال والوں کی طرف اتنی بار ہاتھ بڑھایا، صلح صفائی کی تجویزیں رکھیں، اور کچھ نہیں تو مل‌جل کر کام کرنے کی تحریکیں کیں، لیکن ہیزن‌کلیوروں، ہیزل مینوں اور تیولکیوں نے بار بار ان تجویزوں کو ایسی بدتمیزی سے ٹھکرایا کہ ایک بچہ بھی اس سے یہ نتیجہ نکالتا کہ اب جو یہ صاحبان اپنی طرف سے صلح صفائی کی تجویزیں لے آئے ہیں تو ضرور بری طرح پھنسے ہوں گے۔ ان لوگوں کا کردار جو ہم پر خوب آشکار ہے، اسے نظر میں رکھتے

ہوئے ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ان کی الجھی ہوئی حالت سے فائدہ اٹھائیں اور اس بات کی ہر ممکن گارنٹی لے لیں کہ یہ لوگ مزدوروں میں اپنی کھوئی ہوئی ساکھ ہماری پارٹی کے بل پر نہ بنا سکیں۔ جہاں تک بس چلے ، ان لوگوں کے ساتھ سردمہری اور بےاعتباری سے پیش آنا چاہئے تھا اور اتحاد کو اسی حدکا پابند کرنا چاہئے تھا جس حد تک وہ اپنے تنگ‌نظری کے نعروں اور ''سرکاری امداد،، والی باتوں سے ہاتھ دھونے کو آمادہ ہوتے اور آئزی‌ناخ کے ۱۸٦۹ ء میں دئے ہوئے پروگرام کو یا بحالات موجودہ اس کی ترمیم‌شدہ صورت کو بنیادی طور سے قبول کرنے پر رضامند ہوتے۔ ہماری پارٹی کو نظریاتی طور پر یعنی پروگرام کے فیصلہ کن معاملے میں لاسال سے کچھ سیکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ، البتہ لاسال‌والوں کو ہماری پارٹی سے ضرور کچھ نہ کچھ سیکھنا ہے۔ اتحاد کی شرط اول یہ ہونی چاہئے تھی کہ لوگ علاحدگی‌پسندی سے یا لاسال کی پیروی سے ہاتھ دھوئیں اور اس نظرئے کی بدولت جو ہر معاملے میں سرکاری امداد کی رٹ لگائے رہتے ہیں، یا تو اس سے پوری طرح دست‌بردار ہوں ، یا پوری طرح نہیں ، تو کم‌ازکم اتنا ضرور مان لیں کہ سرکاری امداد بھی اور بہت سی امکانی تدبیروں کی طرح محض ایک وقتی یا عارضی تدبیر رہےگی۔ پروگرام کے خاکے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے لوگ نظرئے کے معاملے میں تو لاسال خیال کے لیڈروں سے سوگنا بہتر ہیں لیکن سیاسی جوڑ توڑ میں اتنے ہی کچے بھی رہتے ہیں ؛ ''ایمانداروں،،* کو پھر اس بار بےایمانوں کے ہاتھوں مار کھانی پڑی ہے۔

اول تو یہی کہ لاسال کا ، بظاہر زوردار لیکن تاریخی لحاظ سے فریبی جملہ قبول کر لیا گیا اور وہ یہ کہ : مزدور طبقے کی نسبت سے دوسرے تمام طبقے صرف رجعت‌پرست ہجوم ہیں۔ یہ بیان محض چند اتفاقی واقعات کی حد تک درست ہے : مثلاً اگر پرولتاری انقلاب برپا ہو جیسا کہ پیرس کمیون تھا ، یا ایسے ملک میں جہاں

---

* ''ایمانداروں،، کا لفظ مارکس نے یہاں آئزی‌ناخ والوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

نہ صرف بورژازی نے ھی ریاست اور سماج کو اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالا ہو ، بلکہ اسی کی لپیٹ میں جمہوری خیالات کی چھوٹی بورژوازی بھی ڈھالنے کے اس عمل کو انجام تک پہنچا چکی ہو ۔ فرض کیجئے کہ اگر جرمنی میں جمہوریت‌پسند چھوٹی بورژوازی اسی رجعت‌پرست ھجوم سے ھوتی تو یہ کیوں کر ممکن تھا کہ سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی اس کے یعنی عوامی پارٹی کے کاندھے سے کاندھا ملائے برسوں کام کرتی رھتی ؟ آپ کا «Volksstaat» (عوامی ریاست) اخبار اپنا تقریباً تمام سیاسی مسالہ چھوٹی بورژوازی کے جمہوری اخبار «Frankfurter Zeitung» (۱٦۲) سے کیسے حاصل کرتا ؟ اور یہ کیسے ھوتا کہ اسی پروگرام میں کم‌ازکم سات مطالبے تو وھی شامل ھیں جو براہ‌راست اور لفظ بلفظ عوامی پارٹی اور چھوٹی بورژوازی‌والی ڈیموکریسی کے پروگرام سے مطابقت رکھتے ھیں ؟ میرا مطلب ھے ان سات سیاسی مطالبوں سے جو نمبر ایک سے نمبر پانچ تک اور ایک سے دو تک موجود ھیں ۔ اور ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو بورژوا ڈیموکریٹک نہ ھو ۔ (۱٦۳)

دوسرے ، یہ اصول کہ مزدوروں کی تحریک انٹرنیشنل تحریک ھے ، ھر لحاظ سے فی‌الحال عملی طور پر رد کر دیا گیا ، رد کرنےوالے بھی وھی لوگ جنھوں نے پانچ سال تک سخت سے سخت آزمائشوں کے سامنے بڑی شان سے اسے سینے سے لگائے رکھا تھا۔ یورپی تحریک میں سب سے آگے جرمن مزدوروں کی پوزیشن بننے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے جنگ کے دوران (۱٦۴) صحیح معنوں میں انٹرنیشنل رویہ اپنائے رکھا ، یہ کسی اور ملک کے پرولتاریہ کے بس کی بات نہ تھی ۔ اور اب جب کہ تمام دوسرے ملکوں میں جا بجا مزدوروں کی طرف سے تحریک کے اس پہلو پر اتنا ھی زور دیا جانے لگا ھے جتنا حکومتوں کی طرف سے یہ زور دیا جاتا ھے کہ جس تنظیم میں بھی اس کی جھلک نظر آئے ، اسے سختی سے کچل دیا جائے ، تو اس اصول کے علمبردار ھی اسے رد کرنے چلے ھیں ! تو پھر مزدوروں کی تحریک کے انٹرنیشنلزم میں سے کیا باقی بچا ؟ ایک دھندلا سا امکان رہ گیا ، اتنا بھی نہیں کہ کبھی آگے چل کر یورپ کے مزدور اپنے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے

باھمی تعاون کریں ، بلکہ صرف اتنا کہ آئندہ ”قوموں میں کوئی انٹرنیشنل برادری ،، کی صورت بنے ، یا امن لیگ والی بورژوازی ” یورپ کی متحدہ ریاستوں ،، کی صورت اختیار کر لے۔

یہ سہی کہ انٹرنیشنل کا ذکر کرنے کی یہاں کچھ ایسی ضرورت نہ تھی۔ تاهم ۱۸۶۹ ء میں جو پروگرام طے پاچکا تھا اس سے ایک قدم پیچھے هٹانے کی بھی کیا ضرورت تھی۔ اتنا تو کہنا هی چاهئے تھا کہ : اگرچہ جرمن مزدور پارٹی اول انھی حدوں کے اندر رہ کر کام کر رهی هے جو ریاستی سرحدیں مقرر هیں ، (اسے یورپی پرولتاریہ کی طرف سے بولنے کا اور خواہ مخواہ غلط بیانی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا) ، لیکن اسے تمام ملکوں کے مزدوروں سے بھائی چارے کا پورا احساس هے ، اور پہلے کی طرح آئندہ بھی یہی هوگا کہ جرمن مزدور پارٹی اس برادرانہ احساس کی عائد کی هوئی ذمہ داریاں ادا کرتی رهے۔ اس قسم کی ذمہ داریاں ، خود کو انٹرنیشنل کا شریک سمجھے یا کھلے لفظوں میں اعلان کئے بغیر بھی ، باقی رهتی هیں۔ مثلاً هڑتالوں میں مدد کرنا اور هڑتالیں توڑنے والوں کا مقابلہ کرنا ، پوری توجہ رکھنا کہ پارٹی کے اخبار و رسائل جرمن مزدوروں کو باهر ملکوں کی تحریک سے باخبر رکھیں ، خاندانی بادشاهتوں کے لئے جنگ کے خطرے یا خود جنگ کے خلاف ایجی ٹیشن چلانا ، اور اگر ایسی جنگیں چھڑ جائیں تو اسی طرح پیش آنا جیسے ۱۸۷۰ ء اور ۱۸۷۱ ء وغیرہ میں ایک مقررہ طرز اختیار کیا گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

تیسرے یہ کہ همارے لوگوں نے لاسال کے ” اجرتوں کے آهنی قانون ،، والے نظرئے کو اپنے اوپر سوار کر لیا جس کی بنیاد ایک دقیانوسی معاشی نظرئے پر رکھی هے یعنی مزدوروں کو جس قدر ممکن هے کم اجرت دی جاتی هے ، وجہ اس کی یہ کہ مالتھوس کے نظریۂ آبادی کے مطابق مزدوروں کی تعداد همیشہ کافی سے زیادہ رهتی هے (لاسل نے اسی خیال کو دلیل بنا رکھا تھا)۔ مارکس نے کتاب ” سرمایہ ،، میں تفصیل کے ساتھ ثابت کر دیا هے کہ اجرتوں کے قانون بہت پیچیدہ هوتے هیں — کبھی ایک قاعدے کا عمل دخل هوتا هے ، کبھی دوسرے کا۔ حالات کے اتار چڑھاؤ پر منحصر هے۔ اس لئے انھیں

'' آھنی ،، کہنے کی گنجائش نہیں ، اس کے برعکس نہایت لچکدار کہہ سکتے ھیں ۔ لہاذا یہ معاملہ چند لفظوں میں ٹال دینے کا نہیں جیسا کہ لاسال سمجھتا تھا ۔ مالتھوس نے اس قانون اجرت کے حق میں جو دلیل دی تھی [جسے لاسال نے مالتھوس اور ریکارڈو کے یہاں سے (ریکارڈو کا بیان بگاڑ کر) نقل کر لیا اور جسے دیکھنا ھو تو '' مزدوروں کے مطالعے کی کتاب ،، کے صفحہ ٥ پر دیکھا جا سکتا ھے جہاں لاسال کے کسی اور پمفلٹ کے حوالے سے بیان آیا ھے] مارکس نے اپنی تصنیف '' سرمایہ ،، کے حصہ «Accumulation of Capital» (سرمائے کا ارتکاز) میں تفصیل سے اس دلیل کا توڑ کر دیا ھے ۔ چنانچہ لاسال کا '' اجرت کے آھنی قانون ،، والا ٹکڑا اپنا کر ھماری پارٹی نے ایک غلط خیال کو اس کی غلط بنیاد کے ساتھ قبول کیا ھے ۔

چوتھے یہ کہ پروگرام نے ایک ھی سماجی مطالبہ بڑھایا اور وہ ھے لاسال کا نظریہ '' سرکاری امداد ،، بالکل برھنہ صورت میں ، جیسا کہ لاسال نے اسے بیوشے کے یہاں سے اڑایا تھا ۔ یہ بھی ایسے وقت جبکہ براکے نے اس مطالبے کی دھجیاں بکھیر دی تھیں (١٦٥) اور اگر ھماری پارٹی کے سب مقرروں نے نہیں ، تو قریب قریب سبھی نے لاسال کے توڑ پر '' سرکاری امداد ،، کے اس نظرئیے کے خلاف زبان کھولی تھی ۔ ھماری پارٹی اس سے بڑھ کر اور کیا اپنی تذلیل کر سکتی تھی ! انٹرنیشنلزم کو اس کے مقام سے اتارکر اماندوس گیوگ کی سطح پر اور سوشلزم کو اس شخص بیوشے کے بورژوا ریپبلکن‌ازم کی حد تک پہنچا دیا گیا جس نے یہ مطالبہ خود سوشلسٹوں کے مقابلے پر پیش کیا تھا تاکہ انھیں چوٹ دی جا سکے ۔

لاسال کے خیال میں '' سرکاری امداد ،، کی حیثیت پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ھے کہ وہ منزل تک پہنچنے کی تدبیروں میں سے صرف ایک تدبیر ھے اور یہاں پروگرام کے خاکے میں اسے یوں کچے‌پن سے پیش کر دیا '' تاکہ سماجی سوال حل کرنے کی راہ تیار کی جائے ،، ، گویا ابھی تک ھمارے سامنے سماجی سوال کا کوئی نظریاتی حل موجود نہیں ۔ اب اگر کوئی کہے کہ : '' جرمن مزدور پارٹی صنعت اور

زراعت دونوں میں کوآپریےٹیو طریقہ پیداوار پورے قومی پیمانے پر جاری کرکے اجرت کا خاتمہ کرنے کے درپے ہے اور یوں طبقاتی اونچ نیچ مٹانا چاہتی ہے ؛ اور اس غرض سے جو بھی تدبیر اختیار کرنی پڑے وہ اسے اختیار کرنے کو آمادہ ہے ،، — تو لاسال کے حامیوں میں کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا ۔

پانچویں یہ کہ پروگرام کے خاکے میں کہیں اس کا ذکر نہیں کہ مزدور طبقے کی تنظیم بحیثیت طبقے کے ٹریڈیونینوں کے ذریعے ہو ۔ یہی ایک نہایت ضروری نکتہ ہے کیوں کہ ٹریڈیونین ہی پرولتاریہ کی ایک سچی طبقاتی تنظیم ہوتی ہے جہاں یہ طبقہ سرمائے کے مقابلے پر اپنی روزانہ کی جدوجہد کرتا ہے ، جہاں یہ طبقہ اپنی تربیت کرتا ہے اور جو آجکل کے زمانے میں ، بدترین رجعت‌پرستی کے گھیرے میں بھی (جیسا کہ پیرس میں ہو رہا ہے) توڑپھوڑکر برابر نہیں کی جا سکتی۔ ٹریڈ یونین تنظیم نے خود جرمنی میں بھی جو اہمیت اختیار کرلی ہے اسے نظر میں رکھیں تو ہماری رائے میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ پروگرام میں اس کا ذکر کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو پارٹی تنظیم میں بھی اس کو خاص مقام دیا جائے ۔

ہمارے لوگوں نے لاسال‌والوں کی خوشنودی کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ! مگر فریق‌ثانی نے کونسی رعایت کی ؟ یہی کہ پروگرام میں خالص جمہوری مطالبوں کے اچھے خاصے الجھاوؤں کا انبار نظرآتا ہے ، جن میں سے بعض تو فیشن بن چکے ہیں ، مثلاً یہ کہنا کہ ” قانون سازی عوامی ہو ،، ۔ سوئٹزرلینڈ میں یہ پہلے سے موجود ہے ، اور اگر اس سے کچھ حاصل ہے تو نفع کے بجائے نقصان ۔ ” عوام کے ذریعے سرکاری انتظام ،، کہا جاتا تو کچھ بات ہوتی ۔ ہر قسم کی آزادی کی جو شرط اول ہے کہ تمام سرکاری عہدہ‌داروں کو اپنے سرکاری فرائض کی ادائگی میں عام عدالت کے روبرو اور عام قانون کے ماتحت ہر ایک باشندے کے سامنے جواب‌دہ ہونا چاہئے وہی یہاں غائب ہے ۔ رہا یہ امر کہ سائنس کی آزادی اور ضمیر و عقیدے کی آزادی جیسے مطالبے ہر ایک لبرل بورژوا پروگرام میں شامل ہوا

کرتے ہیں اور یہاں ان کی موجودگی عجیب معلوم ہوتی ہے ، میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

آزاد عوامی ریاست کو بدل کر آزاد ریاست کر دیا گیا۔ اگر قواعد کی رو سے دیکھئے تو آزاد ریاست وہ ہوئی جو اپنے باشندوں کے معاملات میں آزاد ہو ، یعنی ایسی اسٹیٹ جس میں جابرانہ حکومت ہو!۔ اسٹیٹ کے بارے میں زبان کھولنی ہی نہ چاہئے تھی ، خاص کر پیرس کمیون کے بعد ، جو اس لفظ کے خاص معنوں میں ایک ریاست نہیں تھا۔ انارکسٹوں نے لفظ " عوامی ریاست " کی دھول ہماری آنکھوں میں بہت جھونک لی۔ اور وہ بھی مارکس کی اس تصنیف (" فلسفے کا افلاس ") کے بعد جو فلسفی پرودھوں کے جواب میں لکھی گئی اور پھر " کمیونسٹ مینی‌فسٹو " بھی نکلا جو براہ‌راست یہ جتاتا ہے کہ سماج میں اشتراکی نظام قائم ہو جانے کے بعد اسٹیٹ تحلیل ہوکر غائب ہو جائےگی۔ چناں‌چہ اس صورت میں ، جبکہ اسٹیٹ ایک ایسا عارضی ڈھانچہ ہوا جو مقابلے کے وقت انقلاب میں اس غرض سے استعمال کیا جاتا ہے کہ مخالفین کو بزور بازو دبا کر رکھا جائے، تو آزاد عوامی ریاست کی باتیں بگھارنا بالکل بےمعنی ہے — جب تک پرولتاری طبقے کو اسٹیٹ کی ضرورت رہتی ہے ، وہ اسے آزادی کے حق میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اس غرض سے کہ مخالفین کو قابو میں رکھا جائے ، اور جونہی آزادی کی بات زبان پر لانا ممکن ہو جاتا ہے ، پھر خود اسٹیٹ کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس لئے جہاں لفظ " اسٹیٹ " یا " ریاست " آیا ہے وہاں ہم پرانے زمانے کا ایک نہایت عمدہ جرمن لفظ " برادری " (Gemeinwesen) رکھنا پسند کریں‌گے جو فرانسیسی لفظ " کمیون " کا ہم‌معنی ہے۔

" ہر قسم کی سماجی اور سیاسی نابرابری مٹادینا " — یہ جملہ بھی بحث طلب ہے۔ اس کی جگہ " تمام طبقاتی اونچ نیچ کا خاتمہ " ہونا چاہئے تھا۔ زندگی کے حالات دیکھتے ہوئے ، ایک ملک کی دوسرے ملک سے ، ایک صوبے کی دوسرے سے ، ایک علاقے کی دوسرے سے ، نابرابری ایک حد تک ہمیشہ باقی رہےگی۔ یہ فرق کم سے کم تو کرنا ممکن ہے ، مگر پوری طرح مٹا دینا ممکن نہیں۔ پہاڑی باشندے

میدان کے بسنےوالوں سے زندگی کے حالات میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ مختلف رہیں گے۔ یہ خیال کہ اشتراکی سماج مساوات کی آما جگاہ ہوتا ہے، یہ وہ ایک طرفہ خیال ہے جس کی بنیاد اسی پرانے فرانسیسی قول ''آزادی، برابری اور برادری،، پر رکھی ہے۔ یہ خیال اپنے وقت اور مقام کی نسبت سے، ترقی کے خاص مرحلے پر تو برحق تھا۔ لیکن پہلے کے اشتراکی مکاتیب فکر سے آئے ہوئے اور بہتیرے یکطرفہ خیالات کی طرح اب اسے بھی ناکارہ سمجھنا چاہئے، کیوں کہ اب اس سے لوگوں کے دماغ میں الجھن پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ بھی کہ اب اصل معاملے کو پیش کرنے کے بہتر ذریعہ اظہار ہاتھ آچکے ہیں۔

میں یہیں تمام کرتا ہوں، اگرچہ اس پروگرام کا تقریباً ہر لفظ، جو ویسے ہی بجھی ہوئی اور سپاٹ زبان میں تحریر ہوا ہے، اس قابل ہے کہ تنقید کا نشانہ بنے۔ یہ اس قسم کا پروگرام ہے کہ اگر اسے قبول بھی کر لیا جائے تو مارکس اور میں ہرگز اس نئی پارٹی میں شامل نہ ہوں جو اس پروگرام کی بنیاد پر بنائی جائے اور واقعی سنجیدگی سے اس سوال پر غور کریں کہ ایسی پارٹی سے عام پبلک میں بھی کس طرح کا واسطہ رکھا جائے۔ تم یہ ذہن میں رکھنا کہ جرمن سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی کے ہر ایک قول و فعل کا غیر ملکوں میں ہم کو ذمہ‌دار قرار دیا جاتا ہے۔ چنان‌چہ باکونین نے اپنی تصنیف ''ریاستی حیثیت اور نراج،، میں ہم کو بےخیالی سے کہے ہوئے اس ایک ایک لفظ کا ذمہ‌دار ٹھیرایا ہے جو لیبکنیخت نے رسالہ «Demokratisches Wochenblatt» (۱٦٦) کی بنیاد پڑنے کے بعد سے اب تک کہا یا لکھا ہے۔ لوگوں نے اپنی جگہ سوچ رکھا ہے کہ ہم یہاں بیٹھے بیٹھے ساری تحریک کے تار ہلا رہے ہیں، حالاں کہ میری طرح تم پر بھی یہ حقیقت روشن ہے کہ ہم نے پارٹی کے اندرونی معاملات میں غالباً کبھی زرا دخل‌اندازی نہیں کی اور کبھی دخل دیا بھی تو صرف اسی غرض سے کہ ان غلطیوں کی اصلاح کر دی جائے جو ہماری نظر میں غلطیاں تھیں اور صرف نظریاتی۔ لیکن خود تمہارے سوچنے کی بات ہے کہ یہ پروگرام ایسا ایک موڑ ہے جہاں پہنچ کر،

هم آسانی سے مجبور هو جائیںگے که جو پارٹی یه پروگرام قبول کرلے اس کی کسی قسم کی ذمهداری لینے سے انکار کر دیں۔

یوں تو کسی پارٹی کے باقاعده پروگرام کی اهمیت اس کے عمل کے مقابلے میں کم ہے، تاهم نیا پروگرام ایک ایسا پرچم ہے جو پبلک کے سامنے بلند کیا جاتا ہے اور باهر کی دنیا اسی پروگرام سے پارٹی کا اندازه لگاتی ہے۔ لہازا اسے ایک قدم بھی پیچھے نہیں هٹانا چاهئیے جیسا که یه مسوده آئزیناخ کے پیش کئے هوئے پروگرام کے بنسبت پیچھے هٹ رها ہے۔ اور یه بھی ذهن میں رکھنا چاهئیے که دوسرے ملکوں کے مزدور یه پروگرام دیکھ کر کیا کہیںگے اور پورے جرمن اشتراکی پرولتاریه نے جو لاسالوالوں کے نظرئے کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے هیں اس پر دنیا کیا سوچےگی۔

ساتھ هی میں قائل هو گیا هوں که اس بنیاد پر جو اتحاد قرار پائےگا وه سال بھر بھی نہیں ٹھیر سکتا۔ کیا هماری پارٹی کے بہترین دماغ اس پر تیار هو جائیںگے که اپنی تقریروں میں لاسال کے رٹے هوئے جملے ''اجرت کے آهنی قانون،، اور ''سرکاری امداد،، کے بارے میں بار بار دهراتے پھریں؟ مثلاً میں تصور کرتا هوں که خود تم پر اس صورت میں کیا گزرےگی۔ اور اگر وه یه سب باتیں کہنے پر تیار بھی هو گئے تو حاضرین ان کا ناطقه بند کر دیںگے۔ مگر مجھے یه بھی یقین ہے که لاسال کے حامی پروگرام کے انھی نکتوں پر اصرار کریںگے جیسے یہودی شائیلاک نے ایک پونڈ گوشت کی رٹ لگائی تھی *۔ آخر طلاق کی نوبت آئےگی۔ مگر تب تک هاسسیلمان، هیزنکلیور، تیولکے قسم کے لوگوں کو هم پھر ''ایماندار،، بنا چکے هوںگے۔ جب جدائی کا لمحه آئےگا تو هم کمزور هو چکے هوںگے اور لاسالوالے مضبوط۔ هماری پارٹی کی سیاسی آبرو لٹ چکی هوگی اور وه کبھی اس قابل نه هوگی که لاسال کے ان مقرره جملوں کے مقابلے پر

---

* شیکسپیر کا ڈرامه ''وینس کا تاجر،، ایکٹ اول، سین ۳۔ (ایڈیٹر)

تن من سے سامنے نکل آئے جن جملوں کو وہ کسی وقت اپنے جھنڈے پر چڑھا چکی ھے - اور پھر اگر لاسال کے حامیوں نے زبان کھولی کہ وھی سب سے کھرے نکلے اور وھی اصل میں مزدوروں کی پارٹی ھیں حالاں کہ دوسرے لوگ بورژوا خیالات رکھتے ھیں ، تو ان کی بات ثابت کرنے کو پروگرام موجود ھوگا ؛ اس پروگرام میں جتنا کچھ اشتراکی عنصر ھے وہ تو ان کا ٹھیرے گا اور ھماری پارٹی نے اس میں جو کچھ ملایا وہ چھوٹی بورژوازی کی جمہوریت کے مطالبے رہ گئے یعنی اس طبقے کے جسے یہ پارٹی اسی پروگرام میں پہلے سے '' رجعت پرست ھجوم ،، قرار دے چکی ھے -

میں نے یہ خط روکے رکھا کیوں کہ تم پہلی اپریل کو ھی بسمارک کی سالگرہ کی خوشی میں قید سے چھوٹنے والے تھے اور میں چوری چھپے جیل کے اندر خط بھیجنے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا - اتنے میں ایک خط براکے کا موصول ھوا ھے جس میں انھوں نے بھی پروگرام کے متعلق اپنے وزنی شکوک ظاھر کئے ھیں اور ھماری رائے معلوم کرنی چاھی ھے - لہازا میں یہ خط انھی کو بھیجے دیتا ھوں کہ وہ پڑھ کر آگے بڑھا دیں اور مجھے پھر سے یہ سب باتیں لکھنی نہ پڑیں - یہاں اتنا اور بڑھادوں کہ میں نے رام (Ramm) کو بھی یہ احوال کھلے لفظوں میں بتا دیا ھے - لیبکنیخت کو البتہ مختصراً لکھا ھے - ان کی یہ خطا معاف نہیں کروں گا کہ ھمیں اس تمام معاملے سے بالکل بے خبر رکھا، ایک لفظ بھی اس وقت تک نہ لکھا (حالاں کہ Ramm اور دوسرے لوگ سوچتے رہ گئے کہ ھمیں اس نے پوری اطلاع بھیجی ھوگی) جب تک کہ وقت نہ نکل گیا - مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ، اس کا معمول یہی رھا ھے — اسی وجہ سے مارکس اور میں ، ھم دونوں کی اس سے اتنی ساری خط و کتابت میں تلخی رھی ھے - اس بار تو بہت ھی بری حرکت کی - اور ھم اسے گلے اتارنے کو قطعی تیار نہیں ھیں -

کچھ ایسی تدبیر کرو کہ گرمیوں کا موسم یہاں گزرے، میرے پاس ٹھیروگے اور اگر موسم خوشگوار رہا تو ہم دو چار دن کے لئے سمندر میں غوطے لگانے چل دیں گے۔ لمبی قید کاٹنے کے بعد یہ وقت تمھارے لئے بہت مفید رہےگا۔

دوستانہ سلام،
تمھارا ایف۔ ای۔

مارکس نے حال میں ہی مکان بدل لیا ہے۔ اب ان کا پتہ یہ ہے:
۴۱، میٹلینڈ پارک، نارتھ ویسٹ، لندن۔

پہلی بار اس کتاب میں شائع ہوا: اے۔ بیبل ''میری زندگی سے،، («Aus meinem Leben») جلد ۲، اشٹوٹگارٹ، ۱۹۱۱ ع۔

اصل مسودے کے مطابق شائع کیا گیا۔

فریڈرک اینگلس

"فطرت کی جدلیات" کا تعارف[127]

عہد قدیم کے زبردست نیچرل فکری وجدان ، اور عربوں کی انتہائی اہم مگر بکھری ہوئی دریافتوں کے مقابلے میں ، جو بار آور ہونے سے پہلے ہی ناپید ہو گئیں ، صرف جدید نیچرل سائنس نے علمی ، باقاعدہ ، اور ہر پہلو سے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں ۔ اس موجودہ قدرتی سائنس کی شروعات ، ساری تازہ‌ترین تاریخ کی طرح اسی زبردست دور سے ہوتی ہے جسے ہم جرمن لوگ ، اس زمانے میں آئی ہوئی قومی آفت کی نسبت سے دور اصلاح (Reformation) کہتے ہیں ، فرانسیسی اسے Renaissance (نشاۃ ثانیہ) اور اطالوی * Cinquencento کا نام دیتے ہیں ، اگرچہ ان میں سے کوئی نام بھی پورا حق ادا نہیں کرتا ۔ یہ وہ دور ہے جو پندرھویں صدی کے دوسرے ادھے سے ظہور میں آنے لگا تھا ۔ شاہی نے شہری چودھریوں کا سہارا لے کر جاگیردار امرا کی طاقت توڑ ڈالی اور ان بڑی بڑی بادشاہیوں کو جنم دیا جو دراصل قومیتوں پر قائم ہوئی تھیں اور جن میں سے آج کل کی یورپی قوموں اور موجودہ بورژوا سماج نے ابھرنا شروع کیا ۔ اور اس وقت جبکہ شہر کے چودھری اور امرا ایک

---

* Cinquencento — لفظی معنی پنج صدساله ، مطلب سولھویں صدی ۔ (ایڈیٹر)

دوسرے سے دست و گریباں تھے ، جرمن کسانوں کی جنگ نے طبقاتی جنگ کی ہوا کا رخ دکھا دیا کیوں کہ یہاں صرف باغی کسان ہی میدان میں نہیں اترے ، ایسا ہونا کوئی نئی بات نہیں تھی ، بلکہ ان کے پیچھے پیچھے وہ مزدور بھی ، جنھیں آج کے پرولتاریہ کا پیشرو کہنا چاھئے ، ھاتھوں میں لال جھنڈے ، اور زبانوں پر مشترکہ ملکیت کے نعرے لئے ہوئے نکل پڑے ۔ بازنطینی زوال سے جو مسودے بچ رہے اور روم کے کھنڈروں سے جو قدیم مورتیاں ھاتھ لگیں ، انھوں نے حیرت‌زدہ مغرب کو ایک نئی دنیا کا جلوہ دکھا دیا ؛ یہ دنیا ہے یونان قدیم جس کے تابندہ چہروں کے سامنے قرون وسطی کی پرچھائیاں ہوا ہو گئیں ۔ اٹلی میں آرٹ نے وہ فروغ پایا کہ قدیم کلاسیکی جھلک نظر آنے لگی ، نہ پہلے کبھی اس کا وہم و گمان تھا ، نہ اس کے بعد کبھی وہاں تک نوبت پہنچی ۔ اٹلی ، فرانس اور جرمنی میں بالکل نیا ادب ابھرا جو نئے زمانے کا پہلا ادب تھا ۔ ان کے فوراً بعد انگریزی اور اسپینی ادب کے کلاسیکی دور شروع ہوئے ۔ پرانے حصار * ٹوٹ گئے ۔ اب جا کر کہیں روئے زمین کی دریافت ہوئی اور وہ زمین ہموار ہوئی جس پر آگے چل کر عالمی تجارت کھڑی ہو اور دستکاری کی جگہ مینوفکچر (صنعتی سرگرمی) آئے ، جو اور بڑھی تو آجکل کی بڑے پیمانے کی صنعت کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی ۔ کلیسائی نظام کی روحانی ڈکٹیٹری ٹوٹ پھوٹ گئی ۔ اسے جرمن قوموں کی اکثریت نے سیدھے سیدھے اتار کر پھینک دیا اور پروٹسٹنٹ عقیدہ اختیار کر لیا اور لاطینی قوموں میں زندگی سے سرشار آزاد خیالی کا وہ تخم جڑ پکڑ گیا جو عربوں سے پہنچا تھا اور جسے نو دریافت فلسفہ یونان نے پروان چڑھایا تھا ؛ اس نے اٹھارویں صدی کے فلسفہ مادیت کے لئے فضا ہموار کر دی ۔

ترقی کی طرف یہ زبردست انقلاب تھا جو عالم انسانیت پر پہلے کبھی نہیں گزرا تھا ، ایسا دور جس کا تقاضا تھا کہ دیوقامت لوگ سامنے آئیں اور اس نے خود دیوقامت لوگ پیدا کئے ، خیال ، جذبے

---

* حصار کی جگہ یہاں اینگلس نے قدیم رومن لفظ orbis terrarum استعمال کیا ہے ، یعنی روئے زمین ۔ (ایڈیٹر)

اور کردار کے لحاظ سے بھی ، پہلوداری اور علم و آگاہی کے اعتبار سے بھی - وہ لوگ جنھوں نے بورژوازی کے اقتدار کی بنیاد رکھی، ان میں جو بھی خامی ہو ، البتہ بورژوا تنگ نظری نہیں تھی - اس کے برعکس وہ لوگ اپنے دور کے لحاظ سے زبردست اور وسیع حوصلہ مندی کے جذبے میں سرشار تھے - اس زمانے کے لوگوں میں شائد ھی کوئی ایسا اھم آدمی گزرا ھو جس نے ملکوں ملکوں کی خاک نہ چھانی ھو ، جسے چار پانچ زبانوں کی مہارت نہ رھی ھو اور جو زندگی کے کئی میدانوں میں اپنی آب و تاب نہ دکھا چکا ھو - لیونارڈو داونچی صرف ایک عظیم مصور ھی نہیں تھا بلکہ اعلا درجے کا ماھر ریاضی ، مستری اور انجنیر بھی تھا جس کی بدولت علم طبیعیات (فزیکس) کی مختلف شاخوں میں کئی اھم دریافتیں حاصل ھوئیں - البرخت دیوریر مصور بھی تھا ، نقاش بھی ، سنگ‌تراش اور ماھر تعمیر بھی - ان سب صفات کے علاوہ اس نے قلعہ‌بندی کا ایک ایسا سسٹم ایجاد کیا جس میں بہت سے ان خیالات نے جگہ پائی جنھیں آگے چل کر سونتالیمبر نے اپنایا اور قلعہ‌بندی کے موجودہ جرمن علم نے اختیار کر لیا - میکاویلی ایک مدبر ، مورخ ، شاعر ھونے کے علاوہ آج کے زمانے کا سب سے پہلا قابل قدر فوجی مصنف تھا - لوتھر نے صرف کلیسائی نظام کے اوجیائی اصطبلؔ (۱۶۸) کی پرانی گند نہیں دھوئی بلکہ جرمن زبان کو بھی پاک صاف کیا ، جدید جرمن نثر کی داغ بیل ڈالی ، بلکہ فتح کے شادیانوں کی وہ دھن بنائی اور اس کے بول لکھے جو سولھویں صدی کا ''مارسیلیز گیت،، بن کر دلوں میں اتر گئے (۱۶۹) - اس زمانے کے سورما ابھی تقسیم محنت کے بندھن میں نہیں پھنسے تھے جو آدمی کو پابند کرکے صرف ایک‌انگی چیز پیدا کرنے کے قابل چھوڑتے ھیں اور جو بعدوالوں میں اس قدر عام ھو گئے - جو خصوصیت ان پہلے کے لوگوں میں خاص طور سے ابھری دکھائی دیتی ھے ، وہ یہ کہ قریب قریب سبھوں نے اپنے زمانے کی تحریکوں میں اور عملی کش‌مکش میں رہ کر زندگی اور سرگرمی کے جوھر دکھائے ؛ انھوں نے کسی نہ کسی فریق کی طرفداری بھی کی اور جنگوں میں شرکت بھی ، ایک نے زبان سے ، دوسرے نے قلم سے ، اور کسی نے تلوار سے اور بہتوں نے تیغ و قلم

دونوں سے۔ اسی لئے ان کے کردار بھر پور ھیں اور ان میں وہ جان ھے جس سے وہ پورے آدمی بنے ھیں۔ مطالعے کے بند کمرے کے عالم صرف شاذ و نادر ملیں‌گے ؛ ان میں یا تو دوسرے تیسرے درجے کے لوگ ھوں‌گے یا محتاط قسم کے وہ تن‌آسان جو اپنے اوپر آنچ نہیں آنے دیتے۔

اس زمانے میں عالم فطرت کی چھان‌بین بھی عام انقلاب کی لپیٹ میں بڑھتی جا رھی تھی اور خود بھی پوری طرح انقلابی تھی کیوں کہ اسے زندہ رھنے کے حق کی خاطر لڑنا تھا اور یہ حق جیتنا تھا۔ جدید فلسفے کی ابتدا کرنے والے ان زبردست اطالویوں کے ساتھ ساتھ اس سائنس نے اپنی جانوں کی بازی لگا دینے‌والے بھی مہیا کئے اور بدعقیدگی کی (Inquisition) سزائیں کاٹنے والے بھی۔ یہ خصوصیت دیکھنے قابل ھے کہ پروٹسٹنٹ عقیدے‌والوں نے فطرت کی آزادانہ تلاش کا ناطقہ بند کرنے میں کتھولکوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ کالوین نے سرویتس کو اس وقت زندہ جلوا دیا جب وہ دوران خون دریافت کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا ، اور دو گھنٹے تک اسے آگ میں جلتا رکھا ، حالاں‌کہ Inquisition کے حامیوں نے جیوردانو برونو کو پھونک ڈالنے پر ھی اکتفا کی تھی۔

وہ انقلابی عمل جس سے عالم فطرت کی تحقیقات نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا ، اور لوتھر نے جو پاپائے روم کے Bull کو جلتی آگ میں ڈالا تھا ، اسی کو گویا دھرا دیا ، وہ اس زندہ جاوید تصنیف کی اشاعت تھی جس میں کوپرنیکس نے ، دبے لفظوں میں اور مرتے دم ھی سہی ، تاھم فطرت کے معاملات و مسائل میں کلیسائی اختیار کو چیلنج کر دیا (۱۷۰)۔ عالم فطرت کی سائنس کا دینیات کے بار سے سبکدوش ھونا اسی دن سے شروع ھوا ، اگرچہ ان دونوں کے درمیان دعوی اور جواب دعوی کا سلسلہ ھمارے زمانے تک چلتا رھا اور بعض دماغ تو آج تک اس مخمصے سے آزاد نہیں ھو سکے ھیں۔ بھرحال تبھی سے سائنسوں کی ترقی نے لمبے لمبے ڈگ بھرنے شروع کر دئے تھے اور یوں کہنا چاھئے کہ جہاں سے قدم بڑھایا تھا (وقت کے حساب سے) چوکور فاصلے نسبتاً بہت تیزی سے طے کرنے میں جان پڑ گئی۔

گویا ساری دنیا کو دکھا دینا تھا کہ آج سے ناسیاتی مادیے کی سب سے اعلا پیداوار، یعنی انسانی دماغ کے لئے صرف حرکت و رفتار کا قانون ھی اصل قانون ھے اور یہ غیرنامیاتی مادے کی حرکت و رفتار کے بالکل برعکس ھے۔

قدرتی علوم کی ترقی کے جس دور کی اب شروعات ھوئی، اس میں سب سے بڑا کام یہ تھا کہ سردست جو مادہ موجود ھے، اس پر قابو پایا جائے۔ اکثر شعبوں میں بالکل الف ب سے ابتدا کرنی تھی۔ زمانۂ قدیم نے اقلیدس کی تحقیقات اور بطلیموس کا نظام شمسی وراثت میں چھوڑا تھا؛ عربوں نے اعدادوشمارہ کا نظام اعشاریہ، ابتدائی الجبرا (الجبر و المقابلہ)، جدید ھندسہ اور علم الکیمیا دیا تھا؛ مسیحی قرون وسطی نے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ ایسی صورت‌حال میں اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ قدرتی علوم میں سب سے ابتدائی مسائل کو اول جگہ دی جائے، یعنی اجسام ارضی اور اجرام فلکی کے قانون حرکت و کشش کا پتہ لگایا جائے، اور اس تحقیق میں خدمت لینے کی خاطر اسی کے ساتھ علم الحساب کے قاعدوں قرینوں کی دریافت اور ان کی تکمیل کی جائے۔ یہاں بڑا میدان مارا گیا۔ اس دور کے ختم ھوتے ھوتے، جس دور کو نیوٹن اور لینئی کے ناموں سے پہچانا جا سکتا ھے، ھم دیکھتے ھیں کہ علم الحساب کی شاخیں کافی پروان چڑھ چکی ھیں۔ حسابی طریقوں میں جن کی حیثیت بنیادی تھی، ان کا خاکہ بن کر تیار ھو چکا ھے: تجزیاتی جیومٹری کو بڑی حد تک ڈیکارٹ نے، منطقی ریاضی کو نیپئر نے، تفریقی اور ترکیبی علم الحساب کو لیبنز اور غالباً نیوٹن نے تیار کر دیا ھے۔ ٹھوس اجسام کی حرکیات معلوم کرنے کے بارے میں بھی یہی کہنا درست ھوگا، کیوں کہ اس کے بھی اصل اصول ھمیشہ کے لئے وضع ھو گئے۔ آخر نظام شمسی کے علم فلکیات میں کیپلر نے سیاروں کی حرکت کے قاعدے قانون دریافت کر لئے اور نیوٹن نے انھیں مادے کی حرکت کے عام اصولوں کے نقطۂ‌نظر سے ایک شکل عطا کر دی۔ قدرتی علوم کی دوسری شاخیں ابھی ترتیب و تکمیل کے اس ابتدائی مرحلے پر پہنچنے سے بھی رہ گئی تھیں۔ کہیں اس دور کے خاتمے پر رقیق اور ابخراتی اجسام (gaseous bodies)

کی حرکیات پر کچھ قابل‌قدر تحقیقات ہوئی *۔ خاص طبیعیات کا علم جہاں سے چلا تھا ، وہیں رکا رہا ، بشرطے کہ اس میں علم ہئیت کی ضرورت سے ہونے‌والی ان بےمثال ترقیوں کو شمار نہ کیا جائے جو دوربینی (optics) کے شعبے میں ہوئی تھیں۔ Phlogistic نظرئے (۱۷۱) کے ذریعے جدید کیمسٹری نے پرانے علم الکیمیا سے جان چھڑانے کی ابھی ابتدا ہی کی تھی۔ علم طبقات الارض ابھی تک معدنیات کے تشکیلی دور میں پڑا تھا ، چناں‌چہ palaeontology کے پیدا ہونے کا وقت ہی نہیں آیا تھا۔ آخر علم حیات (بایولوجی) کے شعبے میں ابھی یہی دقت‌طلب سوال درپیش تھا کہ صرف علم نباتات اور حیوانات میں ہی نہیں بلکہ تشریح اعضا (اناٹومی) اور جسمانیات (فزیالوجی) میں بھی جو بےپناہ ذخیرہ بکھرا پڑا ہے ، اسے جمع کرکے چھانا پھٹکا جائے۔ ابھی اس بحث کی گنجائش کہاں تھی کہ زندگیوں کی جو مختلف شکلیں ہیں ان کے درمیان موازنہ ہو ، ان کی جغرافیائی خانہ‌بندی کا پتہ لگایا جائے اور آب و ہوا وغیرہ کے مطابق بود و باش کی درجہ‌بندی معلوم کی جائے۔ لینئی کی بدولت صرف نباتیات (بوٹانی) اور حیوانیات (زوولوجی) کے علم میں کسی قدر درست نتیجوں تک رسائی ہوئی تھی۔

لیکن زیر نظر دور کی نمایاں خصوصیت کوئی ہے تو یہ کہ اپنی قسم کا ایک ایسا عالمی نقطۂ نظر ابھرا جس نے عالم فطرت کے قطعی ناقابل تبدیل ہونے کو مرکزی خیال ٹھیرایا — خود فطرت چاہے کیسے ہی عالم وجود میں آئی ہو لیکن جب آچکی تو جب تک موجود ہے ، جوں کی توں رہےگی۔ سیارے اور ان کے تابع سیارے ایک دفعہ کسی پراسرار "پہلے جھٹکے" سے حرکت میں آنے کے بعد ابدالاباد تک یوں ہی اپنی مقررہ راہ پر گھومتے رہیں‌گے، یا جب تک ہر ایک شے کا خاتمہ نہ ہو جائے تب تک یہ حرکت قائم رہےگی۔ ستارے اپنی

* اینگلس نے مسودے کے حاشیے پر پنسل سے یہ لفظ بڑھائے ہیں : "توری‌چیلی نے پہاڑی دھاروں کی رفتار کے قاعدے کے سلسلے میں جو کام کیا"۔ (ایڈیٹر)

اپنی جگہ یوں ہی ہمیشہ سے ٹنگے ہوئے ہیں اور ایک '' عام جذب باہم ،، کے اثر سے یہ '' محفل انجم ،، ایک دوسرے کو تھامے ہوئے ہے۔ زمین بغیر کسی ادل بدل کے ہمیشہ سے یا آپ چاہیں تو کہہ لیجئے کہ تخلیق کے روزاول سے یونہی چلی آ رہی ہے۔ آج کے '' پانچوں براعظم،، ہمیشہ سے تھے اور ان میں سدا سے یہی پہاڑ تھے، یہی وادیاں اور دریا، یہی آب و ہوا اور یہی منظر اور پھل پھول، سوائے اس کے کہ انسانی ہاتھ نے کچھ تبدیلیاں اور مقام کی ادل بدل کر دی ہو۔ اپنے ظہور کے ساتھ ہی پودوں اور جانوروں کی یہ قسمیں ہمیشہ کے لئے قرار پاگئی تھیں۔ ایک ڈھب کی چیز سے ہمیشہ اسی ایک ڈھب کی چیز پیدا ہوتی رہی ہے۔ لینئی نے یہ گنجائش رکھ کر بہت بڑی چھوٹ دے دی کہ ممکن ہے نسلوں یا تخموں میں پیوند لگنے کی بدولت کچھ نئی قسمیں بھی پیدا ہوئی ہوں۔ نسل انسانی کی تاریخ جو وقت (زمان) کی بساط پر بڑھتی پھیلتی گئی ہے، اس کے برخلاف فطرت کی تاریخ کا پھیلاؤ صرف مقام (مکان) کی بساط پر بیان کیا گیا۔ فطرت میں ہر قسم کی تبدیلی، ہر طرح کی ترقی سے انکار کیا گیا۔ قدرتی سائنس جو شروع سے اس قدر انقلابی تھی، اچانک سراسر کٹر فطرت سے اس کا واسطہ پڑا جہاں آج بھی ہر شے اسی نہج پر ہے جس پر وہ ابتدا سے تھی اور جس میں ابد تک، یا قرنوں اور صدیوں تک ہر شے ویسی ہی رہےگی جیسی وہ ازل میں تھی۔

اٹھارویں صدی کے پہلے ادھے کی قدرتی سائنس اپنے علم و خبر کی وسعت میں اور سروسامان کی چھان پھٹک میں قدیم یونان سے جس درجہ بلند تھی، وہ اس کی نظریاتی تسخیر میں، اور فطرت کے متعلق عام نقطۂ نظر میں اتنی ہی پست نکلی۔ یونانی فلاسفہ سمجھتے تھے کہ یہ دنیا دراصل کچھ ایسی ہے کہ افراتفری میں سے نکلی، کچھ ایسی کہ ابھر کر یہاں تک پہنچی اور یہاں پہنچ کر ٹھیری ہے۔ لیکن زیرنظر دور کے قدرتی سائنس‌داں کے نزدیک دنیا ایک ہڈیالی چیز تھی، جس میں مزید تبدیلی کی گنجائش نہ ہو اور بہتوں کی نظر میں وہ ایک دم وجود میں آئی ہوئی شے تھی۔ سائنس کے قدم ابھی تک دینیات میں دھنسے ہوئے تھے۔ وہ ہر طرف تلاش کرتی ہے اور اسے کہیں

باہر سے دیا ہوا کوئی جھٹکا حرف آخر کی طرح سجھائی دیتا ہے جس کا جواب فطرت کے پاس نہیں ہے۔ اگر مادے کی اصل خاصیت اس کشش کو قرار دیا جائے جسے نیوٹن نے ”عام جذب باہم،، کا شاندار نام دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ فہم سے بالاتر اس بےتحاشا قوت کا سرچشمہ کہاں ہے جس نے سیاروں کے مدار معین کئے؟ پودوں اور حیوانوں کی یہ بےشمار نوعیں کہاں سے وجود میں آگئیں؟ خاص کر انسان کہاں سے وجود میں آگیا جس کے متعلق یہ قطعی طے ہے کہ ازل سے موجود نہیں تھا۔ اس طرح کے سوالوں پر قدرتی سائنس کے جواب کی تان ضرورت سے زیادہ یہاں ٹوٹتی رہی کہ سب کے خالق پر ذمہ‌داری ڈال دی جائے۔ اس دور کے آغاز میں ہی کوپرنیکس نے تمام دینیات (۱۷۲) سے دامن پاک کر لیا تھا؛ نیوٹن نے اس دور کو تمام کرتے وقت کسی پہلے غیبی جھٹکے کے آگے سپر ڈال دی۔ عام خیال نے جو سب سے زیادہ بلندپروازی دکھائی تو نیچرل سائنس یہاں تک پہنچی کہ فطرت کے قاعدوں قرینوں میں کسی مقصد کی کارفرمائی ہے، یہ وولف کا بےتہہ فلسفہ مقصدیت (Teleology) (۱۷۳) تھا، جس کے مطابق بلی اس لئے وجود میں آئی کہ چوہے کھائے اور چوہے اس لئے کہ بلی کی خوراک بنیں، اور سارا عالم فطرت اس لئے کہ اپنے خالق کی دانائی ثابت کرے۔ بہرحال اس دور کے فلسفے کو داد دینی چاہئے کہ قدرتی سائنس کا علم اپنے وقت میں اتنا محدود ہوتے ہوئے بھی وہ راہ سے بےراہ نہیں ہوا اور فلسفی اسپینوزا سے لے کر عظیم‌الشان فرانسیسی مادیت‌پسندوں تک فلسفہ برابر اسی کوشش میں لگا رہا کہ دنیا کا راز خود دنیا کے اندر سے کھوجے اور تفصیلات کے پیچ معلوم کرنا مستقبل کی قدرتی سائنسی تحقیقات پر چھوڑ دے۔

میں نے اٹھارویں صدی کے مادیت‌پسندوں کو اس دور میں یوں شامل کیا کہ قدرتی سائنس کے جس سروسامان کا ذکر اوپر آچکا ہے، انہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں ملا تھا۔ کانٹ فلسفی کا عہدآفریں کارنامہ ان کے لئے ایک راز رہا اور لپلاس فلسفی ان کے کافی زمانے بعد ظاہر ہوا (۱۷۴)۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اگرچہ سائنس کی ترقی نے فطرت کے متعلق ان تمام بوسیدہ نظریوں کو چھلنی کر دیا

تھا ، پھر بھی انیسویں صدی کا پہلا ادھا انھی کے زیراثر رہا * اور اصلیت یہ ھے کہ آج بھی تمام اسکولوں میں انھی بوسیدہ نظریوں کی تعلیم دی جاتی ھے ۔**

فطرت کے متعلق اس بےروح نظرئے کی چٹان پر پہلا شگاف کسی قدرتی سائنس‌داں نے نہیں بلکہ ایک فلسفی نے ڈالا ۔ ۱۷۵۵ ء میں کانٹ کی تصنیف '' قدرت کی عام تاریخ اور نظریۂ غیب ،، سامنے آتے ھی پہلے جھٹکےوالا مسئلہ تو مسمار ھو گیا ؛ زمین اور نظام شمسی کا

---

* حاشیے پر اینگلس کا نوٹ : '' عالم فطرت کے متعلق پرانے نظریے کی سخت گیری نے تمام نیچرل سائنس کو ایک اکائی کی حیثیت سے سمجھنے کی بنیاد ڈال دی ، فرانسیسی انسائیکلوپیڈسٹوں (قاموسیوں) (۱۷۵۰) کے ذریعے الگ الگ پہلوؤں سے اور پھر بیک وقت سین‌سائمن اور جرمن فلسفۂ فطرت کے ذریعے، جسے بعد میں ھیگل نے مکمل کیا۔،، (ایڈیٹر)

** ایک ایسا شخص جس کی اپنی سائنسی کاوشوں اور کوششوں نے اس نظریے کو دفن کرنے کے لئے اتنا اھم مسالہ اکٹھا کر دیا تھا ، وہ خود ۱۸۶۱ ء تک اسی پرانے نظریے کی رٹ کیسے لگائے رھا ، اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل کلاسیکی لفظوں سے ھو سکتا ھے :

'' جہاں تک ھمارا ذھن کام کرتا ھے ، ھمارے نظام شمسی کی ترکیب و ترتیب کا مقصد یہ ھے کہ جو موجود ھے ، اسے برقرار رکھا جائے اور یوں ایک ناقابل تبدیل سلسلہ چلتا رھے ۔ جس طرح قدیم سے آج تک کوئی پودا ، کوئی حیوان زیادہ مختلف اور زیادہ مکمل نہیں ھوا ، جس طرح ھم تمام جانداروں کو ایک دوسرے کے ساتھ نہ کہ ایک دوسرے کے بعد مختلف منزلوں پر پاتے ھیں ، جس طرح خود ھماری نسل آدم ھمیشہ سے اپنی جسمانی ساخت میں ایک ھی وضع پر رھی ھے ، اسی طرح اجرام فلکی میں چاھے جس قدر فرق ھوا ھو ، ھمارا یہ سوچنا غلط ھوگا کہ یہ اجرام نشو و نما کے صرف مختلف مرحلوں میں ھیں۔ اس کے برخلاف صحیح بات یوں ھوگی کہ ھر شے جو وجود میں آئی ، اپنی جگہ مکمل ھے ،، (میڈلر '' آسان فلکیات ،، برلن ، ۱۸۶۱ ء ، پانچواں ایڈیشن ، صفحہ ۳۱۶) ۔

معاملہ اس طرح سامنے آیا کہ وقت کے ساتھ ان کا ظہور ہوا ہے۔ اگر قدرتی سائنس‌دانوں کی بھاری اکثریت نے اس خیال پر اتنی ناک بھوں نہ چڑھائی ہوتی جو نیوٹن نے اس وارننگ میں ظاہر کیا تھا کہ ”طبیعیات، زرا مابعد الطبیعیات سے ہوشیار رہنا!“ (۱۷۶) تو وہ کانٹ کے اسی ایک زبردست ذہنی کارنامے سے ایسے نتیجے ضرور نکال لیتے جو انہیں بےسری بھول بھلیوں میں پڑنے سے بچا لیتے اور گمراہیوں میں جو بےشمار وقت اور محنت کی بربادی ہوئی، اس کی نوبت نہ آتی۔ کیوں‌کہ کانٹ کی دریافت سے اتنا تو ہوا کہ آئندہ قدم بڑھانے کا نقطۂ آغاز مل گیا۔ اگر زمین کوئی ایسی چیز ہے جو ابھر کر نکھر کر وجود میں آئی تو پھر اس کی موجودہ جغرافیائی اور موسمی حالت بھی، اس کے نباتات اور حیوانات بھی اسی طرح ظہور میں آئے ہوئے، ٹھیرتے ہیں۔ اور پھر نہ صرف خلا میں دوسرے سیاروں کے ساتھ اس کے وجود کی، بلکہ وقت کے دائرے میں اس کے تسلسل کی ایک تاریخ بھی ہونی چاہئے۔ اگر اس نقطے سے تحقیقات کا قدم مضبوطی سے آگے کی طرف اٹھتا تو قدرتی سائنس جہاں آج ہے، اس سے کہیں آگے پہنچ چکی ہوتی۔ مگر فلسفے سے بھلا کسے بھلائی کی امید تھی! کانٹ کی فلسفیانہ تصنیف اس وقت تک بےمصرف پڑی رہی جب تک کہ بہت سال بعد، لپلاس اور ہرشل نے اس کا مضمون اور نہیں پھیلایا، اسے اور تفصیلات دے کر پکا نہیں کیا، اور اس طرح رفتہ رفتہ ”نیبولائی نظریے“ (nebular hypothesis) کو دنیا سے منوالینے کی پوری تیاری نہیں کرلی۔ بعد کی دریافتوں نے آخر اس نظریے کے سرفتح کا سہرا باندھ دیا؛ ان میں زیادہ کارگر انکشاف یہ ثابت ہوئے: ثابت ستاروں کی خاص حرکت، خلا میں ایسے ذریعوں کا وجود ثابت ہونا جو ایک‌دوسرے کا توڑ کرتے ہیں، بصارتی (اسپیکٹرم) تجزیے سے کائنات کے مادے کی کیمیائی مشترک خاصیت معلوم ہونا اور تپتے ہوئے دھندلے ہیولوں کا وجود، جن کا خیال کانٹ ظاہر کر چکا تھا۔ *

* مسودے کے حاشئے پر ایک نوٹ درج ہے: ”کانٹ نے جو پتہ لگایا تھا کہ پانی کا مدوجزر زمین کی گردش میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اب جا کر سمجھ میں آیا۔“ (ایڈیٹر)

بہرحال اس شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ اگر اس ابھرتے ہوئے خیال کو کہ قدرت کا صرف وجود ہی نہیں بلکہ وہ عالم وجود میں داخل ہوتی ہے اور عالم وجود سے خارج ہو جاتی ہے، دوسری طرف سے تائید نہ ملی ہوتی تو قدرتی سائنسدانوں کی اکثریت اتنی جلدی اس تضاد کو محسوس کر لیتی کہ بدلتی ہوئی دنیا میں ناقابل تبدیل جاندار موجود ہیں۔ علم طبقات الارض نے سر اٹھایا اور صرف ایسے زمینی طبقوں کا ہی سراغ نہیں دیا جو یکے بعد دیگرے بنے ہوں گے اور اب زمین کے پرتوں میں تہہ برتہہ رکھے ہوئے تھے، بلکہ انہی پرتوں میں ایسے جانوروں کے ڈھانچے، خول اور دانت بھی ملے، ان درختوں کے پتے اور پھل بھی نکلے جن کا زمین پر اب نام و نشان نہیں رہا۔ اس سے یہ فیصلہ کرنا لازم آیا کہ مجموعی طور پر صرف زمین کی ہی نہیں، بلکہ آج جو روئے زمین ہے اس کی بھی، اور زمین پر بسنے والے نباتات اور حیوانات کی بھی ایک تاریخ زمانی ضرور ہے۔ شروع شروع میں اسے کافی بے دلی سے تسلیم کیا گیا۔ کیووئے نے زمین کے انقلابات کا جو نظریہ پیش کیا، وہ قول میں انقلابی اور فعل میں رجعت پرست تھا۔ جہاں پہلے غیب سے تخلیق کے ایک عمل کا ذکر تھا، کیووئے نے وہاں ایک جیسے تخلیقی عمل کی پوری قطار لگا دی، اور معجزے کو فطرت کے پورے نظام کا اصلی کل پرزہ بنا کر رکھ دیا۔ صرف لائل وہ شخص تھا جس نے طبقات الارض میں عقل کو دخل دیا اور ناگہانی انقلابوں کا سبب، بھگوان کی لیلا یا خالق کے کرشموں کے بجائے یہ بتایا کہ زمین کی سست رو اندرونی تبدیلی کا اثر رفتہ رفتہ ظاہر ہوا کرتا ہے۔ *

---

* لائل کے نظریئے کی، کم از کم اپنی پہلی صورت میں خامی یہ تھی کہ اس نے زمین پر اثرانداز ہونے والی قوتوں کو قائم مان لیا تھا، یعنی ایسی جو اپنے کیف و کم (خاصیت اور مقدار) دونوں میں غیرمتحرک تھیں۔ زمین کے آہستہ آہستہ سرد پڑنے کا علم اسے نہیں تھا، زمین کسی ایک مقررہ سمت میں تو نشوونما پاتی نہیں، وہ ایسے ڈھنگ سے بدلتی ہے جو بے ربط (inconsequent) اور اتفاقی (fortuitous) ہوتا ہے۔

لائل نے جو نظریہ پیش کیا اس کی مطابقت نامیاتی جسموں کی مختلف نوعوں کو مستقل بتانے کے ساتھ پہلے کے تمام نظریوں کے مقابلے میں اور بھی کم تھی۔ روئے زمین کی اور ساتھ ھی زندگی کے تمام حالات کی رفتہ رفتہ اندرونی تبدیلی کے خیال نے یہ راہ دکھائی کہ نامیاتی جسموں میں بھی رفتہ رفتہ تبدیلی آتی ھے اور وہ گرد و پیش کے حالات کے مطابق خود کو ڈھالتے رہتے ھیں اور نوعوں میں فرق آتا رھتا ھے۔ مگر پرانا چلن بھی ایک طاقت ھے، جو صرف کتھولک چرچ میں نہیں، بلکہ قدرتی سائنس میں بھی اثر رکھتا ھے۔ برس گزر گئے لیکن لائل کو خود تضاد نظر نہیں آیا، اس کے شاگردوں کو تو کیا نظر آتا۔ اگر اس کی کوئی وجہ ھوگی تو تقسیم محنت جو تب تک قدرتی سائنس پر بالکل چھا گئی تھی اور ھر شخص کو خاص شعبے کا پابند کر چکی تھی، صرف کچھ ھی لوگ اس کی زد سے بچے رہ گئے جن سے وہ سائنس کی ھمہ گیر نظر نہیں چھین سکی۔

اس عرصے میں طبیعیات کے علم نے زبردست معرکے سر کئے اور ان کا حاصل تقریباً بیک وقت ۱۸۴۲ء میں تین مختلف آدمیوں نے خلاصہ کر کے رکھ دیا۔ یہ سال قدرتی سائنس کی اس شاخ میں بڑے معرکے کا سال نکلا۔ ھیلبرون کے مقام پر مائیر نے اور مانچسٹر سے جوؤل نے یہ عمل کر کے دکھایا کہ حرارت کس طرح میکانیکی طاقت میں اور میکانیکی طاقت حرارت میں ڈھل جاتی ھے۔ حرارت کا میکانیکی ھم‌وزن قائم ھونے کی بدولت، اس مسئلے میں شک‌وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہ گئی۔ انھی دنوں طبیعیات کے الگ الگ حاصل‌شدہ نتیجوں کو ملا کر، ان پر کام کر کے گرو (Grove) نے جو پیشے کا سائنس‌داں نہیں بلکہ ایک انگریز قانون‌داں تھا، ثابت کر دیا کہ وہ سب چیزیں جنھیں طبیعیاتی طاقتیں کہا جاتا ھے، جن میں میکانیکی طاقت، حرارت، روشنی، بجلی مقناطیسیت، بلکہ حقیقت میں وہ بھی جسے کیمیائی طاقت سے منسوب کرتے ھیں، وہ خاص حالات کے تحت ایک دوسری میں ڈھل جاتی ھیں، اور اس تبدیلی کے عمل میں طاقت کا کوئی فرق یا فتور بھی نہیں پڑتا اور یوں آگے چل کر خود مادی لائنوں پر ڈیکارٹ کے اس خیال کو عملی ثبوت مہیا کر دیا کہ دنیا میں حرکت کی کل مقدار جتنی ھے

اتنی ہی رہتی ہے۔ اس کی بدولت مختلف طبیعیاتی طاقتیں، یعنی جسمانیات کی یہ نہ بدلنےوالی '' نوعیں،، (species) سادے کی حرکت کی ایسی کم و بیش ہوتی ہوئی مختلف شکلیں بن گئی ہیں جو مقررہ قاعدوں کی رو سے ایک دوسری میں ڈھلتی رہتی ہیں۔ طبیعیاتی طاقت کا کسی میں کتنا اور کسی میں کتنا پائے جانے کا بظاہر اتفاقی امر، اب ان کے باہمی ربط ضبط اور ایک سے دوسرے میں ڈھل جانے کا ثبوت ملتے ہی سائنس کی دنیا سے خارج کر دیا گیا۔ جیسے فلکیات میں ہوا تھا، ایسے ہی اب طبیعیات بھی ایسے نتیجے تک پہنچی جس نے لازمی طور سے سائنس کا حاصل حصول بنا کر دکھا دیا کہ متحرک مادہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے۔

کیمسٹری نے حیرت‌انگیز ترقی کا قدم لاووآزئیے کے اور خاص کر ڈالٹن کے زمانے سے اتنی تیزی سے اٹھایا کہ فطرت کے متعلق پرانے تصور پر دوسری طرف سے ضرب لگائی۔ ایسے کیمیائی مرکب جو تب تک صرف زندہ جسموں میں ہی پرورش پایا کرتے تھے، انھیں غیرنامیاتی (inorganic) طریقوں سے تیار کرکے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی گئی کہ کیمسٹری کے قانون نامیاتی اور غیرنامیاتی دونوں طرح کے جسموں میں ایک ہی تاثیر رکھتے ہیں اور یوں نامیاتی و غیرنامیاتی فطرت کے درمیان وہ ظاہرا خلیج بڑی حد تک پاٹ دی، جسے کانٹ ابھی تک ناقابل عبور سمجھتا تھا۔

آخر یہ ہوا کہ حیوانی جسموں کی ریسرچ (بایولوجی) کے میدان میں بھی، بڑی حدتک تلاش علم کے ان سفروں اور سیاحتوں کی بدولت جن کا باقاعدہ اہتمام پچھلی صدی کے وسط سے ہی کیا جانے لگا تھا، دنیا کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی یورپی نوآبادیوں کی اس گہری چھان‌بین کی بدولت جو وہاں رہنےوالے ماہرین نےکی تھی، palaeontology، علم تشریح الاعضا اور عموماً خاصیت ابدان (فزیالوجی) میں جو آگے ترقی ہوئی، خاص کر خوردبین کے باقاعدہ استعمال سے اور خلیے کی دریافت سے جو تحقیق کا قدم بڑھا، ان سب کی بدولت اتنا سروسامان جمع ہو گیا کہ تقابلی مطالعے سے کام لینے کی سبیل بھی نکل آئی اور

یہ لازمی بھی ٹھیرا * ۔ ایک طرف تو مختلف قسم کے نباتات و حیوانات کی زندگی کے حالات کا طبیعی جغرافیے کی تقابلی روشنی میں دیکھا جانے لگا ؛ دوسری طرف یہ مشاہدہ کیا جانے لگا کہ مختلف نامیاتی جسموں میں ان کے ایک جیسے اعضا کی بنا پر کیا نسبت رہتی ہے ، اور یہ بھی صرف پختگی کی منزل پر نہیں ، بلکہ نشوونما کے ہر ایک مرحلے پر ۔ یہ ریسرچ جس قدر گہرائی اور نپے تلے انداز سے آگے بڑھتی گئی ، نامیاتی فطرت کے ٹھوس‌پن اور بےتبدیلی کا وہ بےلوچ سسٹم اسی قدر پگھلتا چلا گیا ۔ نباتات اور حیوانات کی جدا جدا نوعیں (species) تو آپس میں ایسی خلط ملط ہوتی چلی گئیں کہ شناخت نہ ہو سکے ، لیکن اس کے علاوہ ایسے حیوانات بھی ملے ، جیسے amphioxus اور lepidosiren (۱۷۷) جن کے ہوتے پرانی تمام درجہ‌بندیاں مذاق ہوکر رہ گئیں** ۔ اور آخر ایسے جاندار جسموں سے سابقہ پڑا جن کے متعلق یہ تک کہنا ممکن نہیں رہا کہ وہ نباتات کی دنیا کے باسی ہیں یا حیوانات کی ۔ Palaeontology کے ریکارڈ کا زیادہ سے زیادہ خلا بھرتا گیا جس نے سب سے کٹر منکروں کو بھی ماننے پر مجبور کر دیا کہ بحیثیت مجموعی جاندار دنیا کی ارتقائی تاریخ اور ذی حیات فرد کی ارتقائی تاریخوں میں حیرت‌انگیز ایکسانی پائی جاتی ہے ۔ یوں وہ ڈور ہاتھ آئی جس نے علم نباتات اور علم حیوانات ، دونوں کو ان بھول بھلیوں سے نکالا جن‌میں وہ ظاہرا اور پھنستے جا رہے تھے ۔ نکتے کی بات ہے کہ تقریباً اسی وقت جب نظام شمسی کی ابدیت پر کانٹ کا حملہ جاری تھا تو ک ۔ وولف نے ۱۷۵۹ ء میں نوعوں کے مستقل اور بےتغیر رہنے کے نظرئے پر وار کیا اور ان میں ارتقا کا خیال دیا (۱۷۹) ۔ لیکن یہ خیال جو اس کے ہاں محض ایک زبردست ذہنی پیش‌قدمی تھی ، اوکن ، لامارک اور بےایر کے ہاں پہنچ کر معقول شکل اختیار کر گیا ،اور ڈارون نے ۱۸۵۹ ء میں، ٹھیک سو سال بعد

* مسودے کے حاشیے پر نوٹ : «Embryology» ۔ (ایڈیٹر)

** مسودے کے حاشیے پر نوٹ : «Ceratodus. Ditto (۱۷۸) archaeopteryx». (ایڈیٹر)

فاتحانہ شان سے اس کو سائنس بنا دیا (۱۸۰) ۔ تقریباً اسی زمانے میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ protoplasm اور خلیہ ، جن کے متعلق پہلے خیال تھا کہ ہر قسم کے نامیاتی جسموں کی بناوٹ میں بالکل اولین پرزہ ہیں ، وہ نامیاتی وجود (organic form) کی سب سے نچلی حیثیت میں بذات‌خود زندگی رکھتے ہیں ۔ یہ ثابت ہونا تھا کہ نامیاتی اور غیرنامیاتی فطرت کے درمیان سارے فاصلے تو چھنٹ ہی گئے ، ان کے علاوہ ایسی ایک بھاری رکاوٹ بھی دور ہو گئی جس نے نامیاتی جسم کے متعلق ارتقا کے نظرئے کی راہ روک رکھی تھی ۔ فطرت کے متعلق نیا تصور اپنے خاص پہلوؤں کے ساتھ مکمل ہو گیا کہ : تمام جمود پگھل گیا ، ہر ایک ٹھیراؤ میں حرکت آگئی ، تمام وہ خصوصیت جو تب تک ازلی و ابدی سمجھی جاتی تھی ، گزراں شمار ہونے لگی اور ثابت ہو گیا کہ تمام عالم فطرت ہمیشہ ہمیش لہر اور گردش کے عالم میں رہتا ہے ۔

اب ہم پھر فلسفہ یونان کے عظیم الشان بانیوں کے اس نقطۂ‌نظر کی طرف آتے ہیں ، جو وہ سوچتے تھے کہ تمام فطرت چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بڑی سے بڑی تک ، ذرہ بے مقدار سے آفتاب عالم‌تاب تک ، (۱۸۱) protista سے لے کر انسان تک ، ہمیشہ وجود و عدم ، ظہور و غیب کے مقام سے ، مسلسل بہاؤ سے ، مستقل حرکت اور تغیر سے گزرتی رہتی ہے ۔ اصلیت میں فرق صرف اتنا ہے کہ یونانیوں کے ہاں جو بات ذہن وتصور کی بے‌مثل پرواز تک تھی ، وہ ہمارے ہاں تجربے کی روشنی میں نپی‌تلی سائنسی تحقیق کا نتیجہ ہے ، لہاذا زیادہ پختہ اور واضح شکل میں سامنے آتی ہے ۔ مانا کہ اس گردش کے تجرباتی ثبوت ابھی تک کوتاھیوں سے پاک نہیں ، مگر جتنا کچھ قطعی ثابت ہو چکا ہے ، اس کے مقابلے میں یہ کوتاھیاں خاص اہمیت نہیں رکھتیں اور یوں بھی سال بہ سال کمی پوری ہوتی جاتی ہے ۔ اگر آدمی ذہن میں یہ رکھے کہ سائنس کی سب سے اہم شاخوں ، یعنی ستاروں کے درمیان فلکیات ، کیمسٹری ، طبقات الارض نے ابھی تحقیقی عمر کے سو سال بھی پورے نہیں کئے ہیں ، فزیالوجی میں تقابلی

مطالعے کا طریقه سائنسی طور پر شروع ہوئے پچاس برس نہیں گزرے اور زندگی کی تقریباً تمام‌تر اٹھان کی جو بنیادی شکل ہے، یعنی خلیه، اس کی دریافت کو ابھی چالیس سال بھی نہیں ہوئے ہیں تو کسی نه کسی تفصیل میں ثبوت کی کچھ نه کچھ خامی تو بہر حال رہےگی ہی۔

بھنور کی طرح چکر کاٹتے، دہکتے ہوئے ابخرات کے مانند چھائے ہوئے دھندوں سے سکڑنے سمٹنے اور ٹھنڈا پڑنے کی بدولت ہمارے اس خلائی جزیرے کے بےشمار سورج اور شمسی نظام ابھرے، جس جزیرے کی حد بندی کہکشاں (Milky way) کے بالکل آخری ستاروں کے حصار سے ہوتی ہے۔ اس دھند کی حرکت و رفتار کے قانون، ممکن ہے، ہم پر تب کھلیں جب ہم سیکڑوں سال تک برابر نظر لگائے رکھنے کے بعد ستاروں کی گردش کی تہه میں اتر چکے ہوں۔ ظاہر بات ہے که یه ترقی ہر جگه ایک ہی رفتار سے نہیں ہوئی۔ فلکیات زیادہ سے زیادہ اس امر کے ماننے پر مجبور ہوتی جاتی ہے که ہمارے ستاروں کے نظام میں سیاہی مائل صرف سیارے نہیں بلکه اور بھی اجرام ہیں جو بجھے ہوئے سورج ہوں‌گے (میڈلر کا قیاس)؛ دوسری طرف (سیککی کے کہنے کے مطابق) ابخرات جیسے دھندلے دھبوں کا ایک حصه ایسا ہے، جو ابھی ناسکمل سورجوں کی حیثیت سے ہمارے ہی ستاروں کے نظام سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس سے یه بات خارج نہیں ہوتی که دوسرے دھندلے دھبے، بقول میڈلر کے، کہیں دور دراز پر قائم بالذات خلائی جزیرے ہیں، جن کی ترقی کا مرحله فضائی کیفیت جانچنےوالی دوربین ہی بتا سکتی ہے۔

لپلاس نے تفصیل کے ساتھ اور ایسے کمال سے جس کی نظیر نہیں ملتی، یه دکھایا ہے که الگ الگ دھند کے ہجوم سے نظام شمسی کیسے ابھرتا ہے۔ جس لائن پر لپلاس نے سوچا تھا، تازہ‌ترین سائنسی تحقیق نے زیادہ سے زیادہ اس کی توثیق بھی کر دی۔

اس صورت سے الگ الگ جو اجرام بنتے ہیں، یعنی سورج، سیارے اور ان کے تابع سیارے، ان پر شروع میں مادے کی حرکت کی وہ

شکل غالب رہتی ہے جسے ہم حرارت کہتے ہیں ۔ اس درجۂ حرارت کے ہوتے جو آجکل بھی سورج میں پائی جاتی ہے عناصر کے کیمیائی مرکب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ ان حالات میں حرارت کس حد تک بجلی یا مقناطیسی طاقت میں بدل جاتی ہے ، یہ بات ایک زمانے تک مسلسل سورج کا مشاہدہ کرکے ہی معلوم ہوگی ؛ البتہ یہ ابھی سے ثابت سمجھنا چاہئے کہ سورج پر جو میکانیکی حرکتیں ہوتی ہیں ان کا سبب حرارت اور کشش کے درمیان ٹکراؤ کے سوا کچھ نہیں ۔

الگ الگ جسم جتنے چھوٹے ہوتے ہیں اتنی ہی جلدی ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں ۔ پہلے تابع سیارے ، asteroids اور ٹوٹتے ستارے ٹھنڈے پڑے، جیسے بہت زمانے پہلے ہمارا چاند ٹھٹھر کر رہ گیا ۔ سیاروں کو ٹھنڈا ہونے میں زیادہ وقت لگتا ہے اور مرکزی روشن سیارے کی باری سب سے دیر میں آتی ہے ۔

رفتہ رفتہ ٹھنڈا پڑنے کے ساتھ حرکت کی ایک دوسری میں ڈھلنے والی طبعی شکلوں کا باہمی اثر تاثیر زیادہ سے زیادہ سامنے آنے لگتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا ہے جب تک کہ آخر وہ مقام نہ آجائے جہاں پہنچ کر کیمیائی اجزا کا اندرونی رشتہ خود کو ظاہر کرنے لگے اور وہ کیمیائی عناصر جن میں تب تک فرق نہیں کیا جا سکتا تھا، یکے بعد دیگرے کیمیائی تفریق کے قابل ہو جائیں، یہ اجزا کیمیائی خاصیتیں پیدا کر لیں اور ایک دوسرے سے مرکب ہونا شروع کردیں ۔ درجۂ حرارت گھٹنے کے ساتھ ساتھ یہ مرکب برابر بدلتے رہتے ہیں ۔ درجۂ حرارت گھٹنے کا اثر نہ صرف ہر ایک عنصر پر دوسرے سے مختلف ہوتا ہے ، بلکہ ان اجزا کی الگ الگ ترکیب پر بھی مختلف ہی رہتا ہے ۔ درجۂ حرارت کم ہونے کے سبب ابخراتی مادے کا کچھ حصہ پہلے تو سیال یا رقیق مادے میں اور پھر ٹھوس جامد حالت میں قدم رکھتا ہے ، اور یوں نئے پیداشدہ حالات کے مطابق ڈھل جاتا ہے ۔

سیارے پر چھلکا چڑھنے اور اس کی سطح پر پانی اکٹھا ہونے کا وقت ، عین وہی زمانہ ہے جب اس کی اپنی حرارت کی اہمیت اس حرارت کے مقابلے میں گھٹتی چلی جاتی ہے جو وہ روشن مرکز سے حاصل کرتا ہے ۔ اس سیارے کی فضا آجکل کے معنوں میں موسمیاتی تبدیلیوں

کی جلوہ‌گاہ بن جاتی ھے ۔ اور اس کی سطح ان اوپری چھلکے کے اندر کی تبدیلیوں کی آما جگاہ بنتی ھے ، جن کے ھوتے فضائی رطوبت کے نتیجے میں سطح پر اکٹھے ھونےوالے پرت دہکتے ھوئے رقیق اندرونی مغز کے ان بیرونی اثرات پر حاوی ھونے لگتے ھیں جو سست رفتار سے برابر کمزور پڑتے جاتے ھیں ۔

آخر یہ کہ اگر ٹمپریچر یہاں تک اتر جائے کہ سطح کے کم‌ازکم کسی اچھے خاصے رقبے میں وہ اس حد سے نہ گزرے جس حد کے اندر سفید مادہ (albumen) زندگی کے آثار قبول کرنے قابل ھوتا ھے تو دوسری ابتدائی کیمیائی شرطوں کے مناسب حال ھونے پر زندہ protoplasm کی نمود ھو جاتی ھے ۔ وہ کونسی ابتدائی کیمیائی شرطیں ھوتی ھیں ، ھمیں ابھی نہیں معلوم ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ ابھی ھمارا علم سفید مادے (albumen) کے کیمیائی فارمولے تک بھی نہیں پہنچا اور یہ بھی معلوم نہیں ھو سکا کہ کیمیائی لحاظ سے albumen کے کتنے مختلف جسم موجود ھیں ، اور یہ پتہ چلے بھی کوئی دس سال ھوئے ھوں‌گے کہ بغیر کسی ڈھانچ کا albumen ھی ھے جو زندگی کے سارے فعل انجام دیتا ھے ، یعنی کھانا ھضم کرنا ، فضلہ خارج کرنا ، ھلنا جلنا ، سکڑنا ، ناگوار بات کا اثر لینا اور نسل پھیلانا ۔

غالباً ھزاروں سال گزرنے پر وہ حالات بنے ھوں‌گے جن میں اگلا قدم بڑھانا ممکن ھوا اور گٹھلی اور جھلی کے شکل پکڑنے کی بدولت ، albumen کے لوتھڑے سے پہلا خلیہ بن کر تیار ھوا ۔ مگر اس پہلے خلیے نے ھی تمام نامیاتی جسموں کی دنیا کے لئے روپ‌ریکھا کی داغ بیل ڈال دی ۔ Palaeontology کے پورے ریکارڈ کو نظر میں رکھ کر یہ قیاس کر لینا جائز ھے کہ سب سے پہلے خلیوں‌والی اور بےخلیہ protista کی بےشمارا نوعوں (species) کے جسم ابھرے ۔ اب ان میں سے صرف ایک (۱۸۲) Eozoon canadense ھم تک پہنچا ھے ۔ ھوتے ھوتے انھی میں سے کچھ تو اولیں پودوں کی شکل پا گئے اور کچھ پہلوٹی جانور بن گئے ۔ اور پھر ان سب سے اول کے حیوانوں میں بھی ، خاص‌کر طویل ارتقا اور تفریق در تفریق (differentiation) کے ذریعے جانوروں کے بےشمار درجے ، خانہ‌بندیاں ، خاندان ، نسلیں

اور قسمیں ہوتی گئیں، تو آخر وہ شکل نکھر کر آئی جس میں اعصابی نظام کو بھر پور حیثیت ملتی ہے ، یعنی ریڑھ کی ہڈی‌والے جانور — اور پھر انجام‌کار انھی میں سے ریڑھ کی ہڈی‌والا وہ حیوان نکلا جس میں فطرت خودشناس ہو جاتی ہے ، یعنی انسان۔

انسان بھی تفریق ہوتے ہوتے ابھرا ہے ، اور اس میں یہ عمل صرف انفرادی طور سے نہیں ہوا کہ ایک بیضے کے خلیے سے ، جیسا کہ فطرت پیدا کرتی ہے ، وہ انتہائی پیچیدہ نامیاتی جسم تک بڑھ گیا ہو ، نہیں ، بلکہ یہ عمل تاریخی لحاظ سے بھی ہوا ہے۔ جب ہزاروں برس ھاتھ پاؤں سارنے کے بعد ھاتھ اور پاؤں کی تفریق ہو چکی اور آدمی صرف پاؤں پر کھڑے قد سے چلنے پر قادر ہو گیا تو انسان نے خود کو بندر سے الگ کر لیا اور یوں گفتگو کے اعضا کے ابھار اور دماغ کے زبردست نشوونما کی بنیاد پڑ گئی ، جس کی بدولت تبھی سے انسان اور بندر کے درمیان کی خلیج ناقابل عبور ہوگئی۔ ھاتھوں کی خاص سہارت سے اوزار نکلے اور اوزار کا مطلب ہوا خاص وضع کی انسانی کارکردگی — کہ جب وہ فطرت پر اپنی طرف سے کاٹ چھانٹ کا عمل کرتا ہے تو یہ پیداوار کا عمل ہے۔ محدود معنی میں حیوانوں کے پاس بھی اوزار ہوئے ہیں، لیکن وہ صرف انُ کے اعضا ہیں : چیونٹی ، شہد کی مکھی ، اودبلاؤ ؛ یہ جانور بھی کچھ نہ کچھ پیدا کرتے ہیں ، تاہم انسان کے مقابلے میں ان حیوانات کا اردگرد کی فطرت پر پیداواری اثر برائے نام رہتا ہے۔ محض انسان ہے جسے فطرت پر اپنی گہری چھاپ لگانا نصیب ہوا۔ وہ بھی صرف نباتات اور حیوانات کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے میں نہیں بلکہ خود اپنے ٹھکانے کا رنگ روپ اور آب‌وہوا بدل ڈالنے اور نباتات و حیوانات تک کو کچھ سے کچھ کر دینے میں یہاں تک قدرت ہو گئی کہ اب اس کی کارکردگی کے ثمرے تبھی مٹ سکتے ہیں جب پورا روئے زمین غارت ہو جائے۔ یہ جتنا کچھ اس نے کر دکھایا ، وہ بھی سب سے مقدم اور سب سے اہم انسانی ھاتھوں کی برکت ہے۔ بھاپ کا انجن بھی ، جو فطرت کی کایاپلٹ کرنے میں آج تک کا سب سے زبردست انسانی اوزار بنا ، خود اوزار ہونے کی حیثیت سے ، بالاخر ھاتھوں کی حرکت کا ھی

محتاج ہے۔ ہاتھوں کی ترقی کے ساتھ ایک ایک قدم کرکے دماغ کی ترقی بھی ہوئی، شعور ابھرا — اول تو ان حالات و اسباب کا شعور، جن سے جدا جدا عملی مفید نتیجے نکلے، اور آگے چل کر اسی کی بنیاد پر، ان لوگوں میں، جو زیادہ خوشگوار حالت میں پائے جاتے تھے، فطرت کے ایسے قاعدے قانونوں کی سوجھ بوجھ پیدا ہوئی جن سے مفید مطلب نتیجے نکلے تھے۔ قانون فطرت کے تیزی سے بڑھتے ہوئے علم کے شانہ بشانہ وہ ذریعے بھی بڑھے کہ پلٹ کر فطرت پر اثرانداز ہونے میں ان سے کام لیا جائے۔ اگر ہاتھ کے ساتھ اور کسی حد تک اس کی بدولت، اسی مناسبت سے انسانی دماغ ترقی نہ کرتا رہتا تو صرف ہاتھوں کے آسرے بھاپ کا انجن کبھی نہ بن پاتا۔

انسان کے دم سے ہم تاریخ میں قدم رکھتے ہیں۔ یوں تو جانوروں کی بھی تاریخ ہے کہ وہ کہاں سے نکل کر رفتہ رفتہ ترقی کر کے اپنی موجودہ حالت تک پہنچے۔ لیکن وہ اس تاریخ کے عامل نہیں، معمول ہیں اور چوں کہ وہ خود اس میں شریک رہے، یہ عمل ان کی خبر اور خواہش کے بغیر ہی چلتا رہا ہے۔ البتہ انسان، محدود معنوں میں جتنا جتنا حیوان سے فاصلہ اختیار کرتا جاتا ہے، اتناهی وہ بالارادہ اپنی تاریخ کا عامل بنتا جاتا ہے، اس تاریخ پر انھونی باتوں کا اور قابو سے باہر طاقتوں کا اثر اتناهی کم پڑتا ہے، تاریخی نتائج پہلے سے طے کئے ہوئے نشانوں کے مطابق اتنے ہی زیادہ درست نکلتے ہیں۔ اب اگر ہم اسی پیمانے سے انسانی تاریخ کو ناپیں، اور تو اور آجکل کی سب سے ترقی‌یافتہ قوموں کی تاریخ پر پیمانہ رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں بھی مقررہ مرادوں اور حاصل‌شدہ نتیجوں کے درمیان زبردست بےجوڑپن موجود ہے اور یہ کہ یہاں بھی انھونی باتوں کا اور قابو سے باہر طاقتوں کا اثر ان طاقتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ چھایا ہوا ہے جو منصوبے کے مطابق حرکت میں لائی جاتی ہیں۔ اس کے سوا اور ہونا بھی کیا تھا جب تک کہ لوگوں کی سب سے اصلی تاریخی سرگرمی، یعنی وہ کارکردگی جس نے انہیں جانوروں کی حالت سے اٹھاکر انسانی حالت میں پہنچایا، اور جو باقی دوسری سرگرمیوں کی مادی بنیاد کا کام دیتی ہے یعنی پیداواری عمل، جس کی غرض یہ ہے

که لوگوں کی ضروریات زندگی پوری کرے ، جسے هم آج کے زمانے میں سماجی پیداوار کہیں گے ، خود یہی سماجی پیداوار قابو سے باہر طاقتوں کی خواہ مخواہ اندھی اچھل کود سے خاص کر دبی ہوئی ہے اور جب تک یہ حال ہے کہ اگر کبھی مراد مل بھی گئی تو محض اتفاق سے ، اور اکثر مراد کے خلاف ہی نتیجے نکلتے رہتے ہیں ۔ نہایت ترقی‌یافتہ صنعتی ملکوں میں ہم نے فطرت کی طاقتوں پر بندش لگائی اور انہیں انسان کی خدمت میں لگا دیا ۔ اس تدبیر سے ہم نے پیداوار کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ، یہاں تک کہ اب ایک بچہ بھی پہلے کے سیکڑوں آدمیوں کے مقابلے میں زیادہ پیدا کر لیتا ہے ۔ مگر اس کا حاصل کیا ؟ حد سے زیادہ مشقت اور بڑھ گئی ، عام لوگوں کی محتاجی اور بڑھ گئی ، اور ہر دس برس بعد توڑ کا وقت آنے لگا ۔ ڈارون کو گمان بھی نہ ہوگا کہ لوگوں پر ، خاص کر اپنے اہل وطن پر وہ کیسی سخت چوٹ کر گیا جب اس نے ثابت کیا کہ آزادانہ مقابلہ اور زندہ رہنے کی کش‌مکش ، جسے ماہرین معاشیات انسان کی بڑی بھاری تاریخی جیت کہہ کر بانس پر چڑھاتے ہیں ، وہ جانوروں کی دنیا کا معمول ہے ۔ سماجی پیداوار کی سمجھی بوجھی تنظیم ، جس کے اندر پیداوار اور سامان کی تقسیم دونوں کے قاعدے مقرر ہوں ، صرف یہ ایک تدبیر لوگوں کو جانوروں پر ، سماجی لحاظ سے ، عین اسی طرح بلند کر سکتی ہے جس طرح عموماً پیداوار کے عمل نے انسان کو حیاتیانی لحاظ سے بلند کیا ہے ۔ تاریخ کا قدم آگے بڑھنا روز بروز اس قسم کی تنظیم کو لازمی اور روز بروز ممکن بناتا جاتا ہے ۔ یہیں سے تاریخ انسانی کا وہ نیا دور طلوع ہوگا جس میں خود لوگ بھی ، اور ساتھ میں انسانی سرگرمیوں کے تمام شعبے بھی ، خاص کر مطالعہ فطرت کی سائنس ، اتنے زبردست معرکے سر کریں گے ، جن کے آگے اب تک کا سب کیا کرایا بے‌حیثیت معلوم ہوگا۔

بہرحال " جو وجود میں آیا ، اس نے عدم کا حق اپنایا ،، * ۔ ہو

* گوئیٹے کے ڈرامے " فاؤسٹ ،، میں پہلا حصہ ، تیسرا منظر ۔ (ایڈیٹر)

سکتا ہے کہ اور کروڑوں سال گزر جائیں، لکھوکھا نسلیں یکے بعد دیگرے وجود سے عدم کی طرف کوچ کر جائیں، مگر وہ وقت آنا اٹل ہے جب سورج کی گھٹتی ہوئی حرارت اس برف کو پگھلاتے قابل نہ رہےگی جو قطبین سے بڑھتا چلا آ رہا ہے، جب خط استوا کی طرف برابر ہجوم کرتی ہوئی نسل انسانی کو آخر وہاں بھی اتنی حرارت میسر نہ ہوگی جو زندگی کے لئے درکار ہے، جب نامیاتی زندگی کا آخری نام و نشان بھی اڑجائےگا، اور یہ کرۂ ارض بھی، چاند کی طرح مردہ اور افسردہ گولا، گھنے اندھیرے میں بجھتے ہوئے سورج کے اور چھوٹے ہوتے ہوئے چکر کاٹتا رہ جائےگا اور آخر تھک ہار کر اسی پر گر پڑےگا۔ کچھ سیارے زمین سے پہلے اور کچھ سیارے بعد میں اسی انجام کو پہنچ چکے ہوں گے۔ جہاں اب روشن، گرم اور کڑی سے کڑی ملا ہوا شمسی نظام قائم ہے، وہاں صرف ایک سرد، بےجان کرہ کائنات کی وسعت میں اپنی راہ پر آپ اکیلا گھوما کرےگا۔ اور جو ہمارے نظام شمسی پر گزرنےوالی ہے، وہی ہمارے خلائی جزیرے کے باقی بےشمار ستاروں کے نظام پر بھی گزرےگی، یہاں تک کہ ان پر بھی، جن کی روشنی زمین پر نہ آئی ہے، نہ انسانی آنکھ کے دیکھتے کبھی آسکےگی۔

لیکن جب اس قسم کا نظام شمسی اپنی عمر پوری کر چکےگا، اور عالم فانی کے انجام، یعنی موت کو پہنچ جائےگا تو پھر اس کے آگے کیا ہے؟ کیا سورج کی لاش ہمیشہ ہمیش کے لئے یونہی لامحدود وسعتوں میں لوٹتی پھرےگی اور پہلے سے بےانتہا مختلف سمتوں میں تفریق در تفریق ہونےوالی فطرت کی طاقتیں ابدیت کے ساتھ حرکت کی صرف ایک اور واحد صورت، یعنی کشش میں بدل کر رہ جائیں‌گی؟ یا یوں ہونےوالا ہے، جیسا کہ سیککی نے (صفحہ ۸۱۰ پر) سوال کیا تھا کہ:

> ”کیا فطرت میں ایسی طاقتیں پوشیدہ ہیں جو مردہ نظام کو پھر سے دھکتے ہوئے دھند کی اولین شکل میں لے آئیں اور اس میں نئی زندگی کے آثار جگا دیں؟ ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔“

ہاں ، واقعی اس بات کا علم ویسا نہیں جیسا دو اور دو چار ہونے کا علم ہے ، یا یہ علم ہے کہ مادے کی کشش فاصلے کے مربع کے حساب سے بڑھتی گھٹتی ہے ۔ مگر نظریاتی نیچرل سائنس کے معاملے میں ، جس نے امکانی حد تک فطرت کو اپنی بصیرت میں ایک ہم‌آہنگ کل کی حیثیت دی ہے ، اور جس کے بغیر آجکل تجربے پر قیاس کرنے‌والے نہایت بے‌پروا آدمی کی بھی گزر نہیں ہو سکتی ، ہمیں اکثر و بیشتر ایسی معلومات کا سہارا لینا پڑتا ہے ، جن کی ناپ ابھی مکمل نہیں ہوئی اور کسی خیال کا ایک تسلسل پر قائم رہنا ہر زمانے میں ناکافی علم کو آگے بڑھنے میں سہارا دیتا رہا ہے ۔ جدید فطری سائنس کو فلسفے سے یہ اصول ماننگا پڑا کہ حرکت و رفتار کبھی نہیں مٹنے‌والی ۔ اور اب اس اصول کے بغیر فطری سائنس زندہ نہیں رہ سکتی ۔ لیکن مادے کی حرکت ایک بھدی سی میکانیکی حرکت نہیں ، صرف جگہ بدلنا نہیں ؛ وہ حرارت اور روشنی بھی ہے ، برقی اور مقناطیسی کشش بھی ہے ، کیمیائی ترکیب و تحلیل بھی ہے ، زندگی اور بالاخر شعور بھی ہے ۔ اگر کوئی کہے کہ مادے کو اپنے تمام ابدی وجود کی مدت میں لے دے کے صرف ایک بار (اس کے وجود کی ابدیت کو دیکھتے ہوئے یہ ایک بار محض ایک لمحے کے برابر ہوگا) یہ موقع ملا کہ اپنی حرکت سے تفریق کا کام لے اور اسی سے حرکت کی تمام برکت پھیلا دے ، بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد مادے کی حرکت صرف جگہ بدل لینے تک محدود رہی ہے تو یہ کہنے کا مطلب ہوگا کہ مادہ فنا ہونے‌والا ہے اور حرکت ایک عارضی کیفیت ہے ۔ حرکت کا لازوال ہونا صرف کمیت (مقدار) میں نہیں بلکہ کیفیت میں بھی سمجھنا چاہئے ۔ مادہ جس کا خالص میکانیکی انداز سے جگہ بدلنا اپنے اندر یہ گنجائش رکھتا ہے کہ مناسب حالات و اسباب کے ہوتے خود حرارت ، بجلی ، کیمیائی تاثیر اور زندگی میں ڈھل جائے ، لیکن یہ گنجائش نہیں رکھتا کہ اپنے اندر سے یہ حالات پیدا کر سکے ، ایسا مادہ اپنی حرکت میں خاص نقصان کا شکار ہو جاتا ۔ وہ حرکت جو اپنی خاصیتوں کے مناسب حال مختلف شکلوں میں ڈھلنے کی صلاحیت سے محروم ہو ، اس میں اندرونی صلاحیت (dynamis) ہوئی بھی

تو کیا، اثراندازی (energeia) نہیں ہوگی، یوں وہ جزوی طور سے برباد ہو جائےگی۔ مگر یہ اور وہ، دونوں باتیں تصور سے باہر ہیں۔

کچھ بھی سہی، اتنا تو یقینی ہے کہ: ایک وقت ایسا تھا جب ہمارے کائناتی جزیرے کے مادے نے حرکت کی اتنی زبردست مقدار کو حرارت میں بدلا (یہ کس قسم کی حرارت تھی، ہمیں ابھی تک نہیں معلوم) جس حرارت سے وہ شمسی نظام نکلے، جن سے کم‌ازکم (بقول میڈلر کے) دو کروڑ ستارے وابستہ؛ ان شمسی نظاموں کا رفتہ رفتہ خاتمہ بھی اتناھی یقینی ہے۔ یہ ایک کا دوسرے میں ڈھلنا کیسے ہوا؟ ہمیں اس کے بارے میں اتنا تھوڑا علم ہے جتنا پادری سیککی کو اس بات کا علم کہ آیا ہمارے شمسی نظام کا آئندہ سر بےجان * (caput mortuum) کبھی پھر سے اس قابل ہوگا کہ نئے شمسی نظاموں کا سروسامان بن سکے۔ یہاں پہنچ کر ہمارے سامنے دو ھی راستے رہ جاتے ھیں: یا تو خالق سے رجوع کریں، یا پھر اس نتیجے پر پہنچیں کہ ہمارے کائناتی جزیرے کے شمسی نظاموں کا لاوا (سروسامان) قدرتی طور سے، حرکت کے ایک دوسری صورت میں ڈھل جانے سے نکلا تھا، اور ڈھل جانے کی یہ صلاحیت حرکت میں رہنےوالے مادے کو فطرت کی طرف سے ملی ہوئی ہے، اور اس کے حالات و اسباب، لازم ہے کہ مادہ پھر سے سہیا کرے، اگر اس میں لاکھوں کروڑوں سال نکل جائیں، تب بھی کم‌وبیش اتفاق وقت سے ایسا ہو، لیکن اس تلازم کے ساتھ کہ یہ اندرونی صلاحیت بھی اتفاق وقت سے وابستہ ہے۔

یوں ایک کے دوسرے میں ڈھل جانے کے امکان کو اب زیادہ سے زیادہ مانا جانے لگا ہے۔ رائے بنتی جارھی ہے کہ اجرام فلکی کا انجام یہی ہونا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گریں، اور حرارت کی اس مقدار کا بھی حساب کیا جا رہا ہے جو اس قسم کے ٹکراؤ سے خارج ہوگی۔ فلکیات کا علم جو ہمیں اچانک نئے ستارے دمک اٹھنے اور

* بےجان سر — یہاں مراد ہے مردہ باقیات سے۔ (ایڈیٹر)

پرانے ستاروں کی دمک بڑھ جانے کی بشارت دیتا ہے ، وہ بھی اس تصادم کی روشنی میں آسانی سے گلے اترتی ہے ۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ صرف ہمارے سیاروں کا جھرسٹ ہی سورج کے چکر نہیں کاٹتا ، اور ہمارا سورج ہی ہمارے کائناتی جزیرے کے اندر اندر نہیں گھومتا ، بلکہ ہمارا یہ خلائی جزیرہ بھی کائنات کی بے کراں وسعتوں میں منڈلاتا رہتا ہے اور دوسرے ایسے ہی خلائی جزیروں سے اس کا وقتی توازن بنا رہتا ہے ، کیوںکہ آزادانہ ہلتے ڈولتے اجرام کا یہ باہمی توازن بھی اسی حالت میں چل سکتا ہے جب آپس میں حرکت کے جوڑ ٹھیک بیٹھے ہوں ۔ اس کے علاوہ بعضوں کا خیال ہے کہ عالم وجود کی وسعتوں میں ٹمپریچر ہر جگہ یکساں نہیں ہوتا ۔ بالاخر اب ہم کو معلوم ہے کہ برائے نام زرا سا حصہ چھوڑکر ہمارے خلائی جزیرے کے بےشمار سورجوں کی باقی تمام حرارت انھی بے کراں وسعتوں میں گم ہو جاتی ہے اور ان کا ٹمپریچر ایک ڈگری کا لاکھواں حصہ بڑھانے میں بھی ناکام رہتی ہے ۔ حرارت کی یہ بےپناہ مقدار کہاں جاتی ہے ؟ کیا وہ ان وسعتوں کو گرم کرنے کی کوشش میں ہمیشہ کے لئے برباد ہوجاتی ہے ؟ عملی لحاظ سے اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے ؟ اور خیال کے لحاظ سے صرف اس حقیقت کی حد تک باقی رہتی ہے کہ کائنات کی بے کراں وسعتوں میں اپنے حصے کی حرارت ڈال دی ، اور یہ حصہ ایک ڈگری کا ایک بٹا لاکھ کے قریب ہوتا ہے ؟ یہ قیاس خود حرکت کے لازوال ہونے سے منکر ہے ؛ البتہ اس بات کا امکان قبول کرنے کو تیار ہے کہ اجرام فلکی کے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گرنے سے ساری موجودہ میکانیکی حرکت حرارت میں بدل جائے ، اور وہ کائنات کی وسعتوں میں اپنی شعاعیں پھیلائے ، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ''قوت کے لازوال ،، ہونے کے باوجود حرکت کا سلسلہ عام طور سے ٹوٹ کر رہ جائے ۔ (اتفاق سے یہاں اس بیان کی پول کھلتی ہے کہ لفظ ''حرکت کے لازوال ہونے ،، کے بجائے ''قوت کا لازوال ہونا ،، استعمال کیا گیا ۔) یوں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کی وسعتوں میں حرارت کی شعاع ریزی کسی نہ کسی صورت سے یہ امکان ضرور رکھتی ہے کہ حرکت کی کسی اور شکل میں بدل جائے اور وہاں پھر سے

اکٹھی ہو کر اپنی عملی تاثیر دکھانے لگے۔ کس صورت سے ایسا امکان پیدا ہوتا ہے، یہ نیچرل سائنس کا فرض ہے کہ بعد میں کبھی ثابت کردے۔ بجھے ہوئے سورجوں کے پھر دھکتے ہوئے دھند میں بدل جانے کی راہ میں جو اصل دشواری تھی، وہ بھی اس طرح سے دور ہو جاتی ہے۔

یہ بھی ہے کہ دنیاؤں کا لگاتار ہمیشہ ہمیش کے لئے لامتناہی وقت میں دھرایا جانا منطقی لحاظ سے تکمیل کرتا ہے اس خیال کی کہ بےکراں وسعت میں بےشمار دنیائیں بیک وقت موجود رہی ہیں۔ یہ ایسا کلیہ ہے کہ یانکی ڈریپر کا نظریہ‌شکن دماغ بھی اس کی ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا *۔

یہ ہے وہ ابدی چکر جس میں مادہ گھومتا رہتا ہے۔ اس چکر کے پورا ہونے میں اتنا کچھ وقت لگ جاتا ہے کہ ہمارا ارضی سال اس کے ناپ کی اکائی بننے قابل نہیں ہو سکتا؛ یہ وہ چکر ہے جس میں بڑی سے بڑی ترقی کا وقت بھی، نامیاتی جسموں کی زندگی کا وقت، اور اس سے بڑھ کر، ان موجودات کی مدت العمر جنھیں اپنا اور فطرت کا شعور ہے، یہ ساری مدت اتنا بےحیثیت پیمانہ ہے جیسے وہ وسعت جس کی حدوں کے اندر زندگی اور شعور ذات اپنا وجود رکھتے ہیں؛ یہ وہ چکر ہے کہ جس میں مادے کے وجود کی ہر ایک محدود شکل، عام اس سے کہ وہ سورج ہو یا دھکتا ہوا دھند، الگ الگ حیوانات ہوں یا ان کی پوری نسلی نوع، کیمیائی ترکیب ہو یا تحلیل، ایک سی حیثیت میں گزراں ہے، اور اس چکر میں کسی شے کو دائمی ثبات نہیں، ”ثبات صرف ایک تغیر کو ہے“— دائمی صرف ہمیشہ ہمیش متحرک اور متبادل مادہ ہے، اور اس کی حرکت و تغیر

* ”خلا کی بےکراں وسعت میں بہت ساری دنیاؤں کا وجود اس تصور کی طرف لے جاتا ہے کہ لامتناہی وقت میں یکے بعد دیگرے دنیاؤں کا وجود ہوا“۔

(J. W. Draper, «History of the Intellectual Development of Europe», Vol. 2, p. [325].)

کے قانون ہمیشہ رہتے ہیں۔ یہ چکر چاہے کتنی ہی بار ، اور کتنی ہی بےدردی سے وقت اور مقام میں کیوں نہ چلتا ہو ؛ چاہے کتنے ہی لاکھوں سورج اور زمینیں کیوں نہ ابھریں اور ڈوبیں؛ کسی ایک شمسی نظام میں ، کسی بھی ایک سیارے پر نامیاتی جسموں کی زندگی کے حالات بننے میں وقت کا طول چاہے کتنا ہی ہوتا ہو ؛ چاہے کتنے ہی بےشمار موجودات دنیا میں پہلے آئیں اور پہلے ہی سدھار جائیں تاکہ ان کے بعد انھی میں سے وہ حیوان اٹھیں جن کے پاس سوچنے قابل دماغ ہو ، اور تھوڑی سی مدت کے لئے انھیں زندگی گزارنے کے مناسب حالات میسر آئیں ، تاکہ پھر بےرحمی سے ان کا صفایا ہوجائے ؛ یہ سب کچھ سہی ، مگر ہمیں اتنا یقین ضرور نصیب ہے کہ مادہ کتنے ہی روپ بدل لینے پر بھی سدا جوں کا توں رہتا ہے ، کہ اس کی ایک بھی صفت یا خاصیت کبھی برباد نہیں ہونے پاتی اور اسی لئے ، اسی آهنی تلازم کے ساتھ ، جس کے بل پر وہ کبھی نہ کبھی زمین پر اپنی سب سے اعلا تخلیق ، یعنی سوچنے والے دماغ کو تباہ کرےگا ، وہ بہرحال اسے پھر کہیں نہ کہیں کسی اور مقام ، کسی اور وقت پر جنم دئے بغیر نہیں رہےگا۔

اینگلس نے ۷۶–۱۸۷۵ء میں تحریر کیا۔
پہلی اشاعت جرمن اور روسی زبانوں میں
''مارکس اور اینگلس کے
کاغذات کا محافظخانہ،، کی کتاب
دوم ، ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔

اصل مسودے کے مطابق
شائع کیا گیا۔

تشریحی نوٹ

۱ — ''سیاسی معاشیات (پولٹکل اکانومی) کی تنقید پر ،، کارل مارکس کی تصنیف مارکسی سیاسی معاشیات کے وجود میں ایک اہم مقام رکھتی ہے ۔ اس کتاب پر قلم اٹھانے سے پہلے مارکس نے پندرہ سال تحقیق اور تلاش میں بسر کئے ، بےشمار ادب چھان مارا ، تب جاکے وہ اپنے معاشی نظریے کا خاکہ تیار کرنے کے قابل ہوا ۔ شروع میں نیت یہ تھی کہ اپنی تحقیقات کے نتیجے ایک ایسی جامع تصنیف میں پیش کر دے جو خاص اسی مضمون سے متعلق ہو ۔ اگست ستمبر ۱۸۵۷ ء میں اس نے اپنے علمی ذخیرے کو ترتیب دینا اور پہلا کچا خاکہ پھیلانا شروع کیا ۔ چند مہینے گزرے ہوں گے کہ مارکس نے مفصل پلان تیار کر لیا اور فیصلہ کیا کہ اپنی تصنیف الگ الگ اشاعتوں کی صورت میں حصے کرکے شائع کر دے ۔ چناں چہ برلن کے ایک پبلشر ڈنکر سے ایک ابتدائی معاہدہ کرکے اس نے پہلے مضمون پر کام کا بیڑا اٹھایا اور یہ کتاب جون ۱۸۵۹ ء میں شائع بھی ہو گئی ۔

پہلی اشاعت کے فوراً بعد مارکس نے دوسری کی تیاری کی ، جس میں سرمائے کے مسائل سے بحث ہونی تھی ۔ لیکن آگے

کے مطالعے نے مصنف کو اپنے پہلے والا ارادہ بدل ڈالنے کی راہ سجھائی۔ اب صورت یہ بنی کہ الگ الگ کتاب لکھنے کے بجائے مارکس نے کتاب ''سرمایہ،، («Capital») لکھ دی جس میں اپنی کتاب ''سیاسی معاشیات کی تنقید پر،، کے خاص خاص خیالات بھی نظرثانی کے بعد شامل کر لئے۔ صفحہ ۷

۲ — یہاں اشارہ ہے اس نامکمل ''دیباچہ،، کی طرف جو مارکس نے سوچا تھا کہ معاشیات پر اپنی جامع تصنیف کے شروع میں دے گا۔ صفحہ ۷

۳ — «Rheinische Zeitung für Politik, Handel und Gewerbe» (''سیاست، تجارت اور صنعت کے مسائل پر رائنی اخبار،،) — یہ ایک روزنامہ تھا جو پہلی جنوری ۱۸۴۲ ء سے ۳۱ مارچ ۱۸۴۳ ء تک کولون سے جرمن زبان میں شائع ہوتا رہا۔ اپریل ۱۸۴۲ ء سے مارکس نے اس اخبار میں لکھنا شروع کیا اور اکتوبر میں وہ بھی اس کے اڈیٹروں میں شامل ہو گیا۔ صفحہ ۸

۴ — «Allgemeine Zeitung» (''عام اخبار،،) — یہ ایک رجعت‌پرست روز نامہ تھا جو ۱۷۹۸ ء سے شائع ہوا، ۱۸۱۰ ء سے ۱۸۸۲ ء تک وہ آگس‌برگ کے مقام سے چھپتا رہا۔ ۱۸۴۲ ء میں اس نے ایک مضمون میں یوٹوپیائی (قیاسی) کمیونزم اور سوشلزم کے خیالات توڑ مروڑ کر چھاپے۔ مارکس نے اپنے مضمون ''کمیونزم اور آگس‌برگ «Allgemeine Zeitung»،، میں اس بدعنوانی کا کچا چٹھا پیش کر دیا۔ صفحہ ۸

۵ — «Deutsch - Französische Jahrbücher» (''جرمن فرانسیسی سال‌نامہ،،) پیرس سے جرمن زبان میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ کارل مارکس اور آرنلڈ روگے اس کے اڈیٹر تھے۔ فروری ۱۸۴۴ ء میں اس کی ایک ڈبل اشاعت نکلی جس میں مارکس اور اینگلس کی وہ تحریریں شامل تھیں جن تحریروں سے ظاہر

ہوتا ہے کہ یہ دونوں مادیت کے فلسفے اور کمیونزم کے نظریے کی طرف کوچ کرنے کو تیار ہو چکے ہیں۔ سال‌نامہ اس کے بعد نہیں نکلا اور بڑی وجہ یہ کہ مارکس کے خیالات نے بورژوا ریڈیکل روگے کے خیالات سے میل نہیں کھایا اور اختلاف نے اشاعت روک دی۔ صفحہ ۹

٦ — جرمن ورکرز سوسائٹی کی بنیاد مارکس اور اینگلس نے اگست ۱۸۴۷ء میں بروسیلز میں اس نیت سے رکھی تھی کہ بلجیم میں جو جرمن ورکر بستے ہیں، ان کی سیاسی تعلیم ہو اور ان میں سائنسی کمیونزم کے خیالات کا پرچار کیا جائے۔ ان دونوں رہنماؤں اور ان کے حامیوں کی سرپرستی میں یہ سوسائٹی بلجیم میں جرمن انقلابی پرولتاریہ کو جوڑنے کا ایک قانونی مرکز بن گئی۔ اس کے بہترین کارکن بروسیلز میں کمیونسٹوں کی لیگ میں شامل ہوگئے۔ فروری ۱۸۴۸ء میں جب فرانس کا انقلاب برپا ہوا تو بلجیم کی پولیس نے اس سوسائٹی کے ممبروں کو جلاوطن کر دیا اور یوں بروسیلز میں اس جماعت کی سرگرمیاں بکھر کر رہ گئیں۔ صفحہ ۱۲

۷ — یہاں اشارہ ہے فروری ۱۸۴۸ء کے اس انقلاب کی طرف جو فرانس میں برپا ہوا تھا۔ صفحہ ۱۲

۸ — «Neue Rheinische Zeitung. Organ der Demokratie» ("نیا رائنی اخبار۔ ڈیموکریسی کا ترجمان")۔ جرمن زبان کا روزنامہ تھا جو کولون شہر سے مارکس کی ایڈیٹری میں پہلی جون ۱۸۴۸ء سے ۱۹ مئی ۱۸۴۹ء تک نکلتا رہا۔ اس کی ادارت میں مارکس کے ساتھ اینگلس بھی شریک تھا۔ صفحہ ۱۲

۹ — «The New York Daily Tribune» — یہ ایک ترقی‌پسند بورژوا روزنامہ تھا جو ۱۸۴۱ء سے ۱۹۲۴ء تک برابر شائع

ہوتا رہا - مارکس اور اینگلس نے اس کے کالموں میں اگست ۱۸۵۱ ء سے مارچ ۱۸۶۲ ء تک لکھا - صفحہ ۱۳

۱۰ — پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کا اجلاس جون ۱۸۶۵ ء لندن میں ہوا تھا جہاں مارکس نے یہ مقالہ اپنی تقریر کی صورت میں پڑھا تھا - مارکس نے پہلی بار اس موقع پر قدرزائد (surplus value) کے اپنے نظریے کی بنیاد مجمع عام میں پیش کی - اگرچہ اس مقالے کا روئےسخن انٹرنیشنل کے ایک ممبر جان ویسٹن کی طرف ہے ، جس کا کہنا تھا کہ اجرتیں بڑھوانے سے مزدوروں کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی لہذا ٹریڈیونین سرگرمی کو ورکروں کے مفاد کے خلاف سمجھنا چاہئے ، لیکن ساتھ ہی اس مقالے سے مارکس نے پرودھوں اور لاسال ، دونوں کے نظریات پر بھی سخت ضرب لگائی ، جنھیں مزدوروں کی معاشی جدوجہد اور ٹریڈیونینوں کی سرگرمی ناگوار تھی - مارکس نے یہاں اس بات کی ڈٹ کر مخالفت کی ہے کہ مزدوروں کو سرمائے کی لوٹ کھسوٹ کے سامنے بےبسی اور فرماںبرداری سکھائی جائے ، وہ نظریے کی بنیاد تیار کرکے بتاتے ہیں کہ مزدوروں کی معاشی جدوجہد کی کیا اہمیت ہے ، اس کا کیا رول ہے اور کیسے اس لڑائی کو پرولتاریوں کے اس مقصد کی پابندی کرنی اور اس منزل کی لگن رہنی چاہئے کہ اجرتی محنت (مزدوری) کے اس نظام کا ہی صفایا کر دیا جائے - اس تقریر کی اصل عبارت مارکس کے مسودوں میں محفوظ رہ گئی - پہلی بار ۱۸۹۸ ء میں لندن میں مارکس کی بیٹی ایلیونورا نے ”قدر ، قیمت اور منافع ،، کے عنوان اور اپنے شوہر انگریزی سوشلسٹ ایڈورڈ ایویلینگ کے دیباچے کے ساتھ یہ مقالہ شائع کرایا - مارکس کے مسودے میں تعارف اور شروع کے چھ بابوں کا کوئی عنوان نہیں تھا - ایویلینگ نے ان پر عنوان لگائے اور یہاں جس صورت میں شائع کیا جا رہا ہے بعینہ اصل کے مطابق ہے ، سوائے اس کے کہ مضمون کا نام بدل دیا گیا - صفحہ ۱۴

۱۱ — انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن (پہلی انٹرنیشنل) — یہ پرولتاریوں کی پہلی بین‌اقوامی جماعت تھی جس کی رہنمائی مارکس اور اینگلس کر رہے تھے (۱۸۶۴ ء — ۱۸۷۶ ء)۔ اس جماعت نے بڑے بڑے سرمایہ‌دار ملکوں کے ترقی‌یافتہ مزدوروں میں سائنسی سوشلزم کے خیالات پھیلائے اور (لینن کے الفاظ میں) ''محنت‌کشوں کی بین‌اقوامی انجمن کی بنیاد ڈالی تاکہ سرمائے پر انقلابی حملے کی تیاری کی جائے''۔ اس انٹرنیشنل کا تفصیلی بیان دیکھنا ہو تو ملاحظہ کیجئے اینگلس کا وہ دیباچہ جو اس نے ''کمیونسٹ پارٹی کے مینی‌فسٹو'' کے جرمن ایڈیشن ۱۸۹۰ ء پر لکھا ہے اور مارکس کا وہ خط، جو اس‌نے ۲۳ نومبر ۱۸۷۱ ء کو بولٹے کے نام بھیجا تھا (یہ تحریریں پہلی اور چوتھی جلد میں شامل ہیں)۔ صفحہ ۱۴

۱۲ — محنت‌کشوں نے کام کے دن پر دس گھنٹے روز کی قانونی پابندی لگوانے کے لئے ۱۸ ویں صدی کے آخر میں اور پھر ۱۸۳۰ ء کے بعد کے برسوں میں جو جدوجہد انگلینڈ میں چھیڑی اس نے پرولتاریوں کی بہت بڑی تعداد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

چناں‌چہ ۸ جون ۱۸۴۷ ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے بچوں اور عورتوں کے حق میں دس گھنٹے کی پابندی منظور کرلی۔ قانون منظور ہونے پر بھی بہت سے مالکان‌کارخانہ نے اس پر ایک عرصے تک عمل نہیں کیا۔ صفحہ ۲۵

۱۳ — فرانس بورژوا انقلاب ۱۷۹۳ — ۹۴ ء کے زمانے میں جیکوبین کنونشن نے ایک قاعدہ بنایا جس کے مطابق بازار کے بعض سامانوں پر قیمتوں کا کنٹرول کر دیا گیا اور اسی کے ساتھ اجرتوں کی بھی اونچی سے اونچی حد مقرر کر دی گئی۔ صفحہ ۲۵

۱۴ — سائنس کی ترقیوں کی برطانوی سوسائٹی ۱۸۳۱ ء میں بنی تھی اور آج تک چل رہی ہے۔ مارکس نے یہاں ایک تقریر کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس سوسائٹی کے معاشی بازو کے اجلاس

منعقدہ ستمبر ۱۸۶۱ء میں ایک شخص ڈبلیو۔ نیومین (نیومارچ) نے کی تھی (مارکس نے نام لکھنے میں زرا سی غلطی کی ہے)۔ صفحہ ۲۶

۱۵ — ملاحظہ ہو رابرٹ اووین کی کتاب ''کارخانہداری نظام کے اثر پر کچھ مشاہدے،، R. Owen «Observations on the Effect of the Manufacturing System», London, 1817 p. 76) صفحہ ۲۶

۱۶ — جنگ کرائمیا کا حوالہ آیا ہے جو ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۶ء تک چلی۔ صفحہ ۲۸

۱۷ — پچھلی صدی کے وسط میں دیہاتی علاقوں کے بہت سارے رہائشی مکان ڈھا دئے گئے۔ اس کی وجہ یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ جاگیرداروں سے جو ٹیکس غریبوں کی بھلائی کے لئے وصول کیا جاتا تھا، وہ بڑی حد تک غریبوں کی اس تعداد کے حساب سے ہوتا تھا جو ان کی زمین جائداد پر آباد ہو۔ جاگیرداروں نے ایسے مکانات، جن کی ضرورت نہ رہ گئی تھی، مگر جن میں دیہات کی زائد آبادی سر چھپانے کی جگہ پاتی تھی، جان‌بوجھ کر مسمار کرا دئے۔ صفحہ ۲۸

۱۸ — سوسائٹی آف آرٹس (Society of Arts)۔ یہ ایک بورژوا تعلیمی اور رفاہ عام کی سوسائٹی تھی جو لندن میں ۱۷۵۴ء میں قائم کی گئی۔ یہاں جس تقریر کا حوالہ آیا ہے وہ جان مارٹن کے صاحبزادے جان چالمرس مارٹن نے پڑھی تھی۔ صفحہ ۲۸

۱۹ — اناج کے قانون کے نام سے انگلینڈ نے قانون بنایا تھا تاکہ باہر ملکوں سے اناج کی درآمد پر پابندی لگائی جائے اور ملکی جاگیرداروں کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔ ۱۸۳۸ء میں مانچسٹر کے مل مالکوں کوبڈین اور برائٹ نے ایک انجمن بنائی ''اینٹی کورن لیگ،، کے نام سے، مقصد یہ کہ کھلی تجارت کے مطالبے پر زور دیا جائے۔ اس لیگ نے ''اناج کے قانون،، کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا تاکہ ایک طرف

مزدوروں کی اجرت گھٹائی جائے ، دوسری طرف جاگیرداروں کی معاشی اور سیاسی حیثیت گرائی جائے - چناں‌چه ۱۸۴۶ ء میں یه قانون منسوخ کر دیا گیا جس کے معنی تھے که صنعتی بورژوازی نے صاحب‌جائداد طبقے پر فتح پائی - صفحه ۲۹

۲۰ — ریاست‌هائے متحده امریکه کی خانه‌جنگی (۱۸۶۱ — ۶۵ ء) - اس میں ایک جانب شمال کی صنعتی ریاستیں تھیں اور دوسری جانب جنوب کی غلاموں سے محنت لینے‌والے شورش‌پسندوں کی ریاستیں - انگلینڈ کے مزدور طبقے نے اپنے یہاں کے سرمایه‌داروں کے خلاف آواز بلند کی جن کی پالیسی یه تھی که غلاموں والے فریق کی مدد کی جائے - مزدور طبقے نے انگلینڈ کو اس خانه‌جنگی میں دخل دینے سے روکا - صفحه ۲۹

۲۱ — Physiocrats — فرانس میں اٹھارویں صدی کے وسط میں بورژوا سیاسی معاشیات میں یه ایک رجحان چلا تھا - اس رجحان کے حامی بڑی سختی سے اس بات کے حق میں تھے که بڑے پیمانے پر سرمایه‌دارانه زراعت ہونی چاهئے ، بعض طبقوں کو جو خاص حقوق حاصل ہیں ، ان کا خاتمه اور حفاظتی محصولات کا خاتمه ہونا چاهئے - ان لوگوں کو جاگیرداری نظام کے خاتمے کی ضرورت کا پورا احساس تھا لیکن پرامن اصلاحات کے ذریعے اس طرح یه عمل کرنا چاهتے تھے جس سے حکمراں طبقے اور مطلق‌العنانی کو کوئی نقصان نه پہنچے - فزیوکریٹوں کے فلسفیانه خیالات تقریباً ویسے ہی تھے جیسے اٹھارویں صدی کے فرانسیسی روشن‌خیال اهل‌علم کے - اس صدی کے آخر میں جب انقلاب‌فرانس برپا ہوا تو ان لوگوں کی تجویز کی ہوئی اکثر معاشی اصلاحوں کو عملی جامه پہنا دیا گیا - صفحه ۵۱

۲۲ — آدم اسمتھ کی تصنیف ”فطرت اور قوموں کی دولت کے اسباب کی تحقیق“ (A. Smith «An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations». Vol I, Edinburgh, p. 93.) صفحه ۵۲

۲۳ — اٹھارویں صدی کے آخر میں انقلاب فرانس کے زمانے میں انگلینڈ نے فرانس سے جو جنگیں لڑی تھیں، ان کی طرف اشارہ ہے ۔ ان دنوں انگلینڈ میں حکومت نے دہشت کا دور دورہ کر رکھا تھا تا کہ محنت کشوں کی زباں‌بندی کی جائے، خاص کر عوامی شورشوں کو بےرحمی سے کچلا گیا اور مزدور یونینوں کی ممانعت کے قانون بنائے گئے ۔ صفحہ ۴۷

۲۴ — مارکس نے یہاں مالتھوس کے اس مشہور پمفلٹ کا حوالہ دیا ہے : '' لگان کی فطرت ، اس کے بڑھنے کی اور ان اصولوں کی تحقیق ، جو لگان کے قانون طے کرتے ہیں ،، (Malthus «An Inquiry into the Nature and Progress of Rent, and the Principles by Which it is Regulated». London, 1815.) صفحہ ۷۵

۲۵ — '' محنت گھر ،، سترھویں صدی کے انگلینڈ میں بنائے گئے تھے ۔ ۱۸۳۴ ء میں جب '' قانون مفلسی ،، جاری ہوئے تو پھر یہ محنت گھر صرف خیرات گھر رہ گئے ۔ ان کے قاعدے قانون جیلوں کی طرح اتنے کڑے تھے کہ بعد میں لوگوں نے انھیں ''غریبوں کے جیل گھر ،، کہنا شروع کر دیا ۔ صفحہ ۷۵

۲۶ — جگن‌ناتھ — ہندو مت میں بھگوان وشنو کا ایک روپ ۔ اس مت کے ماننےوالوں میں مذہبی جنون اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ رتھ یاترا کے موقع پر بعض لوگ خود کو جگن‌ناتھ کے بھاری بھرکم رتھ کے نیچے ڈال دیا کرتے تھے اور ایسی موت کو شبھ سمجھتے تھے ۔ اب بھی یہ تیوہار بڑے پیمانے پر منایا جاتا ہے ۔ صفحہ ۷۷

۲۷ — '' قانون مفلسی ،، جو ۱۶ ویں صدی کے انگلینڈ میں جاری تھا ، اس کے مطابق ہر ایک کھاتے پیتے زمیندار کو غریبوں کی بھلائی کے لئے ٹیکس دینا پڑتا تھا ۔ جو خاندان اپنی کفالت کے قابل نہ رہتے انھیں خیراتی سوسائٹیوں کے فنڈ سے مالی مدد دی جاتی تھی ۔ صفحہ ۸۲

۲۸ — حوالے کے لئے ملاحظہ ہو ڈیوڈ ریکارڈو کی تصنیف ''سیاسی معاشیات اور محصول لگانے کے اصولوں پر ،، (D. Ricardo «On the Principles of Political Economy, and Taxation». London, 1821, p. 479.) صفحہ ۸۴

۲۹ — کتاب ''سرمایہ ،، «Das Kapital» — مارکس کی وہ زبردست تصنیف ، جو اس کی عمر بھر کی محنت کا حاصل ہے ۔ ۱۸۴۰ ء کے بعد سے مارکس نے اس پر کام شروع کیا اور چالیس سال تک یہ تصنیف زیرنظر رہی (پھر مصنف کی عمر نے وفا نہ کی)۔

۱۸۴۳ ء کے آخر میں پیرس کے دوران‌قیام میں مارکس نے سیاسی معاشیات کے باضابطہ مطالعے کا بیڑا اٹھایا تھا ۔ شروع کی تحقیقات کا ثمرہ ان تصنیفوں میں ملتا ہے جن کے نام ہیں : ''۱۸۴۴ ء کے معاشیاتی اور فلسفیانہ مسودے ،، ، ''جرمن آئڈیالوجی ،، ، ''فلسفے کا افلاس ،، ، ''مزدوری اور سرمایہ ،، ، ''کمیونسٹ پارٹی کا مینی‌فسٹو ،، وغیرہ وغیرہ ۔ انھی تحریروں میں مارکس نے اس بنیاد کا کھوج لگایا جو سرمایہ‌دارانہ لوٹ کھسوٹ کی تہہ میں ہوتی ہے ، سرمایہ‌داروں کے مفاد اور محنت مزدوری پر کام کرنےوالوں کے مفاد میں جو ناقابل حل تضاد ہوتا ہے ، سرمایہ‌داری کے اقتصادی رشتوں میں جو ٹکراؤ اور عارضی کیفیت پائی جاتی ہے ، اس کا سراغ نکالا ۔

۱۸۴۸ — ۴۹ ء کے انقلاب نے کام کا تسلسل توڑ دیا، لیکن جب اگست ۱۸۴۹ ء میں مارکس ترک وطن کرکے لندن پہنچا تو پھر معاشی مطالعے اور چھان‌بین کی کڑیاں ملانے بیٹھ گیا۔

۱۸۵۷ — ۵۸ ء میں پچاس سے زیادہ فارم کا ایک مسودہ تیار کیا جسے کتاب ''سرمایہ ،، کا نقش اول کہنا چاہئے ۔ ۱۹۳۹ ء اور ۱۹۴۱ ء کے درمیان اصل جرمن زبان میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی جو سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے مارکسی لیننی انسٹی‌ٹیوٹ کی طرف سے عمل میں آئی تھی ۔ اور اس کا وہی نام بھی تھا : «Grundrisse der Kritik der politischen Oekonomie» (''سیاسی معاشیات

کی تنقید کے خاص پہلو،،) ۔ انھی دنوں مارکس نے پوری تصنیف کا پہلا مکمل خاکہ بھی تیار کر لیا تھا جسے بعد کے مہینوں میں تفصیلات سے آراستہ کیا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں مارکس کا خیال تھا کہ یہ کتاب چھ جلدوں میں شائع کی جائے۔ مگر ہوا یہ کہ الگ الگ جلدوں میں اس کی قسطوار اشاعت کا فیصلہ کر دیا۔

۱۸۵۸ ء میں اس سلسلے کی کتاب اول لکھنی شروع کی جس کا عنوان تھا ''سیاسی معاشیات کی تنقید پر ،،۔ ۱۸۵۹ء میں یہ کتاب شائع ہو گئی۔ ۱۸۶۱ ء اور ۱۸۶۳ ء کے درمیان جب اگلے حصوں کی تیاری جاری تھی مارکس نے کوئی ۲۰۰ فارموں کی ایک بڑی کتاب ۲۳ نوٹ‌بکوں پر لکھ لکھ کر پوری کر لی اور اس کا بھی وہی عنوان تھا جو ۱۸۵۹ ء والی کتاب کو دیا تھا۔ اور اس کا بیشتر حصہ (چھٹی سے پندرھویں نوٹ‌بک اور اٹھارویں نوٹ بک) معاشی نظریات کی تاریخ سے بحث کرتا تھا۔ یہ مسودہ اشاعت کے لئے تیار کیا گیا اور مارکسی لیننی انسٹی‌ٹیوٹ (ماسکو) کی طرف سے روسی زبان میں ''قدرزائد کے نظریے،، کے نام سے شائع ہوا (کتاب ''سرمایہ،، کی جلد چہارم)۔ دوسری نوٹ‌بکوں میں کم‌وبیش وھی موضوعات ھیں جن کا تفصیلی بیان کتاب ''سرمایہ،، کی پہلی تین جلدوں میں آچکا ھے۔

اپنے کام کا سلسلہ آگے بڑھاتے وقت مارکس نے تصنیف کا منصوبہ اس طرح بدل ڈالا کہ جتنا کچھ چھ جلدوں میں دینا تھا، وہ چار میں ھی مکمل کر دیا جائے۔ ۱۸۶۳ ء اور ۱۸۶۵ ء کے درمیان ایک تازہ اور جامع مسودہ تیار کیا جو کتاب ''سرمایہ،، کی اول تینوں جلدوں کا ایک مفصل بیان تھا۔ جب تصنیف کے سارے کاغذات جنوری ۱۸۶۶ ء میں مکمل ہو لئے، تب مارکس نے آخری قلم لگایا اور ترتیب ھاتھ میں لی۔ اینگلس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ پریس کے لئے پوری تصنیف کو ایک ساتھ اور ایک‌دم نہیں، بلکہ باری باری تیار کرے اور یوں وہ

جلد اول کو پہلے مکمل صورت دے دے۔ آخری قلم لگاتے وقت مارکس نے اتنی گہرائی اور بصیرت سے کام لیا کہ نتیجے میں کتاب ''سرمایہ،، کی جلداول بالکل نئی صورت میں ڈھل کر سامنے آئی۔

ستمبر ۱۸۶۷ء میں جلداول کی اشاعت کے بعد بھی مارکس اس پر کام کرتا رہا اور اسی عرصے میں جرمن زبان کے نئے ایڈیشن کی تیاری اور دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے کی ترتیب بھی جاری رکھی۔ ۱۸۷۲ء کے دوسرے ایڈیشن میں اس نے بہت سی تبدیلیاں کر ڈالیں، اور روسی ایڈیشن کی تیاری کے سلسلے میں مفصل ہدایات بھیجیں۔ یہ روسی ایڈیشن سینٹ پیٹرسبورگ (حال لینن گراد) سے ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا جو کتاب ''سرمایہ،، کا کسی غیرملکی زبان میں پہلا ترجمہ تھا۔ فرانسیسی ترجمے کی اشاعت ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۵ء تک جدا جدا حصوں میں ہوئی اور اس پر بھی مارکس نے کاٹ چھانٹ اور اہم تبدیلیوں کا عمل جاری رکھا۔

ساتھ ساتھ مارکس باقی جلدوں پر بھی برابر کام کرتا رہا تاکہ پوری کی پوری تصنیف تھوڑی مدت میں تیار ہو جائے۔ مگر اس ارادے کی تکمیل یوں نہ ہو سکی کہ اپنی تصنیف پر محنت کرنے کے علاوہ مصنف کو پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کی کارروائیوں میں وقت دینا پڑتا تھا۔ کثرت کار سے صحت بگڑتی گئی اور کام میں زیادہ سے زیادہ خلل پڑتا چلا گیا۔

پہلی جلد مارکس کے سامنے نکل چکی تھی، باقی کی دو جلدیں مارکس کی آنکھ بند ہونے کے بعد اینگلس نے پریس کے حوالے کیں۔ دوسری ۱۸۸۵ء میں اور تیسری ۱۸۹۴ء میں۔ اس کام کو تکمیل کے درجے تک پہنچانے میں اینگلس نے سائنسی کمیونزم کے خزانے میں بیش بہا جواہرات کا اضافہ کر دیا۔

اس حصۂ دوم میں کتاب ''سرمایہ،، کی جلداول کے ۲۴ ویں باب کا تھوڑا سا مضمون شامل ہوا ہے اور یہاں مارکس کے دئے ہوئے حاشیے جوں کے توں رہنے دئے گئے ہیں۔ صفحہ ۸۸

۳۰ — مارکس کا مطلب یہاں کتاب ''سرمایہ،، کے پہلے جرمن ایڈیشن کی جلد اول کے پہلے باب سے ہے (''مال اور زر،،)۔ اس جلد کے دوسرے ایڈیشن اور بعد کے جرمن اڈیشنوں میں یہی باب پہلا حصہ ہو جاتا ہے۔ صفحہ ۸۸

۳۱ — یہاں اشارہ ہے تیسرے باب کی طرف، ملاحظہ ہو فرڈنینڈ لاسال کی کتاب: ''باستیاشولتسے دیلیچ صاحب، معاشی جولیان یعنی سرمایہ اور محنت،، (Ferdinand Lassalle «Herr Bastiat-Schulze von Delitsch, der ökonomische Yulian, oder: Kapital und Arbeit». Berlin, 1864) صفحہ ۸۹

۳۲ — شمالی امریکہ کی جنگ آزادی جو ۱۷۷۵ء سے ۱۷۸۳ء تک چلی۔ انگلینڈ کی شمالی امریکی نوآبادیوں میں وہ امریکی بورژوا قوم ابھری جو برطانوی سلطنت سے آزادی پا کر اپنے ہاں سرمایہ‌داری کی اٹھان پر سے ایک بوجھ اتار دینا چاہتی تھی۔ امریکیوں کی فتح نے بالآخر ایک آزاد بورژوا ریاست کو جنم دیا جس کا نام رکھا گیا: ریاست‌ہائے متحدہ امریکہ۔ صفحہ ۹۲

۳۳ — کلیسائے اعلا — انگریزی کلیسا کا ایک فرقہ، جس میں زیادہ‌تر اشراف طبقے کے لوگ شامل تھے۔ اس نے پرانے شان‌وشکوہ کو قائم رکھا اور کیتھولک عقیدے سے اپنی وابستگی پر اصرار کیا۔ صفحہ ۹۳

۳۴ — نیلی کتاب (Blue Books) — برطانوی پارلیمنٹ اور وزارت‌خارجہ کے دستاویزی کاغذات کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو عموماً نیلی دفتی کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ ۱۷ ویں صدی سے اس کتاب کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ ملک کی اقتصادی حالت اور خارجہ پالیسی پر یہ کتاب خاص خاص معلومات کا ایک سرکاری دفتر سمجھی جاتی ہے۔ یہاں جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ لندن سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ صفحہ ۹۳

۳۵ — پیکر ''سماجی اور سیاسی معاشیات کا نیا نظریہ یا سماج کی تنظیم کا مطالعہ،، (C. Pecqueur «Théorie nouvelle d'économie sociale et politiques, ou Études sur l'organisation des sociétés». Paris, 1842, p. 435). صفحہ ۹۶

۳۶ — اینگلس نے اپنی تصنیف ''جرمنی میں کسانوں کی جنگ،، کے دوسرے ایڈیشن کے لئے فروری ۱۸۷۰ ء میں ایک دیباچہ لکھا تھا (۱۶ ویں صدی میں جرمن کسانوں نے جاگیرداری کے خلاف شورش اٹھائی تھی اسی پر یہ کتاب ہے)۔ اس دیباچے میں اینگلس نے ان تبدیلیوں کی باریکیاں ظاہر کی تھیں جو ۱۸۴۸ ء کے بعد سے ملک کی اقتصادی اور سیاسی زندگی میں رونما ہو چکی تھیں اور بتایا تھا کہ جرمن تاریخ کے اس دور میں مختلف طبقوں اور پارٹیوں کا کیا رول رہا ہے۔ مارکس اور اینگلس ۱۸۴۸—۴۹ء کے انقلابات کے تجربے سامنے رکھ کر اپنی کئی تصنیفوں میں پرولتاریوں اور کسانوں کے اتحاد کی ضرورت جتا چکے تھے۔ یہاں اس تصنیف میں اسی سمت میں نہایت اهم نظریاتی اور سیاسی نتیجے بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اینگلس نے اس بات کو ثابت کر کے دکھایا ہے کہ کسانوں کے معاملے میں بڑی چھان پھٹک کی ضرورت ہے اور تجزیے سے معلوم کیا ہے کہ کسانوں میں وہ کس درجے کے لوگ ہیں جو انقلابی جدوجہد میں پرولتاریہ کا ساتھ دیں گے اور کیوں ساتھ دیں گے۔ ۱۸۷۴ ء میں جب اینگلس اپنی اس تصنیف کے تیسرے ایڈیشن کی تیاری میں مصروف تھا تو اس نے ۱۸۷۰ء والے ایڈیشن کے دیباچے میں جا بجا کارآمد حاشیے بڑھا دئے، جہاں اشتراکی اور مزدور تحریک میں نظریے کی اهمیت پر زور دیا گیا اور یہ جتایا گیا کہ عوام کی ذهنی تربیت اس طرح کی جائے کہ ان میں پرولتاریائی انٹرنیشنلزم کا جذبہ بیدار ہو۔ انھی حاشیوں میں اینگلس نے مزدور طبقے اور اس کی پارٹی کے کردار، اس کے

فریضے اور جدوجہد کے طریقوں پر بھی نہایت قیمتی ہدایات کا خاکہ شامل کیا ہے۔ صفحہ ۱۰۱

۳۷ — «Neue Rheinische Zeitung. Politisch-ökonomische Revue» ('' نیا رائنی اخبار ، سیاسی معاشی تبصرہ ،،) — یہ اخبار '' کمیونسٹ لیگ ،، کے خیالات کا ترجمان تھا، مارکس اور اینگلس نے اس کی داغ بیل ڈالی تھی۔ دسمبر ۱۸۴۹ ء سے صرف ایک سال نکلا اور سب ملا کر چھ شمارے شائع ہوئے۔ صفحہ ۱۰۱

۳۸ — یہاں زیمرمین کی اس کتاب کا حوالہ ہے جو تین جلدوں میں اشٹوٹگارٹ شہر سے ۱۸۴۱ — ۴۳ ء میں شائع ہوئی تھی:
«Allgemeine Geschichte des großen Bauern Krieges»
('' کسانوں کی عظیم الشان جنگ کی عام تاریخ ،،)۔ صفحہ ۱۰۱

۳۹ — یہاں اشارہ ہے اس انتہائی بائیں‌بازو کی طرف جو کل جرمن قومی اسمبلی میں موجود تھا۔ اسمبلی فرینکفرٹ آن میئن میں ۱۸۴۸ — ۴۹ ء کے انقلاب کے زمانے میں قائم ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ اسمبلی چھوٹی بورژوازی کے مفاد کی ترجمان تھی، تاهم جرمن مزدوروں کا ایک حصہ بھی اس کی تائید میں تھا۔ اس قومی اسمبلی کے ذمے خاص یہ کام تھا کہ جرمنی کا سیاسی تفرقہ دور کرے اور پورے ملک کے لئے عام آئین بنائے۔ لبرل اکثریت کی بزدلی اور هچکچاهٹ کی وجہ سے اسمبلی نہ طاقت اپنے هاتھ میں لے سکی، نہ جرمن انقلاب کے بنیادی اصولوں پر کوئی پختہ فیصلہ کر کے اس پر ثابت قدم رہ سکی۔ ۳۰ مئی ۱۸۴۹ ء کو اسمبلی فرینکفرٹ چھوڑ کر اشٹوٹگارٹ اٹھ آئی اور پھر ۱۸ جون ۱۸۴۹ ء کو فوج نے اس کو درهم برهم کر دیا۔ صفحہ ۱۰۱

۴۰ — آسٹریا اور پروشیا کی جنگ ۱۸۶۶ ء میں پروشیا کی فتح پر تمام هوئی اور یوں ان دونوں ملکوں کی پرانی رسہ کشی کا خاتمہ

ہو گیا۔ اسی کے ساتھ پروشیا کی بالا دستی میں جرمنی کے متحد ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ کئی جرمن ریاستوں نے اس جنگ میں آسٹریا کا ساتھ دیا اور پروشیا کی طرفداری اٹلی نے کی۔ پراگ میں جو امن کا عہدنامہ طے پایا اس کے مطابق آسٹریا نے شلیزویگ اور ہولشٹن سے پروشیا کے حق میں دست‌برداری لکھ دی، تھوڑا بہت ہرجانہ ادا کرنا اپنے ذمے لیا اور وینس کا مقام اطالوی سلطنت کے حوالے کر دیا۔ ویانا کانگرس کے فیصلے کے مطابق ۱۸۱۵ء میں جو "جرمن یونین" بنی تھی اور جس میں تیس جرمن ریاستیں ملائی گئی تھیں، اسے منسوخ کرکے یہ طے پایا کہ شمالی جرمن کانفڈریشن بنایا جائے جو پروشیا کے اقتدار اعلا کے تحت رہے۔ آسٹریا اس کانفڈریشن سے الگ رہا۔ جنگ کے نتیجے میں پروشیا نے ہنوویر کی سلطنت، ہیسے کاسیل کا انتخابی حلقہ، نساؤ کا نوابی علاقہ اور فرینکفرٹ‌آن‌میئن کا آزاد شہر بھی اپنے اندر ضم کر لیا۔

جنگ میں اسٹریا کی تباہ‌کن شکست سے، اور قومی آزادی کی بڑھتی ہوئی تحریک سے ایسا سیاسی بحران اسنڈ آیا کہ ان حالات میں ملک کے رجعت‌پرست حلقوں کو ایک طرف تو ہنگری سے معاملہ کرنا پڑا کہ ایک مشترکہ آسٹریائی ہنگیرین بادشاہی قائم کریں، اور دوسری طرف انہیں بورژوازی کے ساتھ کئی سیاسی رعایتیں کرنی پڑیں۔ ۱۸۶۷ء کی نئی آئین نے رائخ‌ستاگ کے نمائندہ ادارے کو بھرپور اختیارات دے دئے، وزیروں کی ذمہ‌داریاں طے کر دیں، فوجی تربیت تمام شہریوں پر لازم کرکے لام‌بندی کا حکم عام کر دیا، اور حکومت کو مرکزی بنا دیا۔ حکومت میں اشرافیہ کے نمائندوں کے علاوہ آزادخیال بورژوازی کے آدمی بھی شریک ہو گئے۔صفحہ ۱۰۳

۴۱ — "نیشنل لبرل" — یہ جرمن بورژوازی کی پارٹی تھی جو ۱۸۶۶ء کے موسم خزاں میں بنی تھی۔ اس پارٹی کی منزل مقصود یہ تھی کہ جرمنی کو ملا کر پروشیا کے سائے میں

ایک کیا جائے ۔ ان کی پالیسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی کی آزادخیال بورژوازی نے بسمارک کے آگے ہتھیار ڈال دئے تھے ۔ صفحہ ۱۰۴

۴۲ — جرمن پیوپلز پارٹی ۱۸۶۵ ء میں قائم ہوئی ۔ اس میں زیادہ تر جنوبی جرمنی کی ریاستوں کے چھوٹی بورژوازی‌والے جمہوریت‌پسند لوگ اور کچھ اوپر کی بورژوازی کے آدمی شامل تھے ۔ یہ پارٹی پروشیا کے سایہ‌اقتدار کے خلاف یہ چاہتی تھی کہ ایک مہا جرمنی بنے جس میں پروشیا اور آسٹریا دونوں شامل ہوں ۔ ایک وفاقی جرمنی کا مطالبہ پھیلا کر یہ پارٹی درحقیقت جرمنی کو اس طرح ایک کرنے کے خلاف تھی جو مل جل کر مرکزی جمہوری ریپلک میں ڈھل جائے ۔ صفحہ ۱۰۵

۴۳ — ۱۹ ویں صدی کی ساتویں دھائی کے وسط میں پروشیا میں خاص لائسنسوں کا سسٹم چلایا گیا ۔ لائسنس لئے بغیر صنعت کی چند شاخوں میں داخل ہونا منع تھا ۔ اس نیم‌جاگیردارانہ پابندی نے سرمایہ‌داری کی ترقی میں ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ۔ صفحہ ۱۰۶

۴۴ — یہاں اشارہ ہے رائےدھندگی کے حق میں تحریک اصلاح کی طرف ۔ عوام کے دباؤ سے انگلینڈ کے ہاؤس آف کامنز نے یہ قانون ۱۸۳۱ ء میں پاس کر دیا ۔ جون ۱۸۳۲ ء میں ہاؤس آف لارڈز نے بھی اس کی منظوری دے دی ۔ اس قانون کا رخ تھا صاحب جائداد اشرافیہ اور مالیاتی شرفا کی سیاسی اجارہ‌داری کے خلاف ۔ اس قانون نے صنعتی بورژوازی پر پارلیمنٹ کے دروازے کھول دئے ۔ پرولتاریہ اور چھوٹی بورژوازی ، جنھوں نے تحریک اصلاح میں بڑھ‌چڑھ کر حصہ لیا تھا ، وہی حق رائےدھندگی سے محروم رہ گئے اور آزادخیال بورژوازی نے انھی کو فریب دے دیا ۔ صفحہ ۱۰۷

۴۵ — پیرس کے مزدوروں نے جو ۲۳ جون سے ۲۶ جون ۱۸۴۸ ء تک علم بغاوت بلند کیا اس کی طرف اشارہ ہے ۔ فرانسیسی

بورژوازی نے اس بغاوت کو انتہائی بےرحمی سے کچل ڈالا ۔ یہ بغاوت بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان پہلی زبردست خانہ جنگی تھی ۔ صفحہ ۱۰۸

۴۶ — یونکر — محدود معنوں میں اس لفظ کا مطلب ہے مشرقی پروشیا کے صاحب جائداد شرفا ، عام طور سے یہ لفظ جرمن جاگیرداروں کے طبقے کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ صفحہ ۱۰۸

۴۷ — سادووا کا معرکہ ۳ جولائی ۱۸۶۶ ء کو ہوا تھا ۔ یہ معرکہ تاریخ میں ''جنگ کونی گراٹز ،، کے نام سے یادگار رہ گیا ہے ۔ اس مقام تو اب گرادیز کرالوف کہا جاتا ہے ۔ آسٹریا اور پروشیا کی جنگ ۱۸۶۶ ء میں یہ معرکہ فیصلہ کن ثابت ہوا ۔ صفحہ ۱۰۸

۴۸ — جائداد غیرمنقولہ کے رہن اور قرقی کا رواج ۔ صفحہ ۱۱۰

۴۹ — یہاں مراد ہے انٹرنیشنل کی اس کانگرس سے جو ۶ ستمبر سے ۱۱ ستمبر ۱۸۶۹ ء تک بازل میں منعقد ہوئی تھی ۔ ۱۰ ستمبر کو بازل کانگرس نے زمینی جائداد کے متعلق یہ تجویز پاس کی جو مارکس کے ماننےوالوں نے کانگرس کے سامنے رکھی تھی :

''۱ ۔ سماج کو یہ حق پہنچتا ہے کہ زمین کی نجی ملکیت کا خاتمہ کردے اور اسے مشترکہ قومی ملکیت بنا دے ۔

''۲ ۔ لازمی ہے کہ زمین کی نجی ملکیت کا حق ختم کیا جائے اور اسے مشترکہ قومی ملکیت بنا دیا جائے ۔ ،،

اسی کانگرس نے ٹریڈ یونینوں کو قومی اور بین‌اقوامی پیمانے پر متحد کرنے کے فیصلے بھی کئے تھے اور ایسی تنظیمی کارروائیاں کرنی چاہی تھیں جن سے انٹرنیشنل مضبوط ہو اور جنرل کونسل کے اختیارات اور بڑھ جائیں ۔ صفحہ ۱۱۱

۵۰ — فرانس اور پروشیا کی جنگ ۱۸۷۰ — ۷۱ ء میں سیدان کے مقام پر جرمن فوجوں نے فرانسیسی فوج کو ایک بڑے معرکے میں شکست دےکر فوجیوں ، افسروں اور ان کے سپہ‌سالار

شہنشاہ نپولین سوم کو قید کر لیا۔ شہنشاہ اور اعلا افسروں کو ولہلم‌سہوئے میں کاسیل کے نزدیک، پروشیائی بادشاہوں کے ایک محل میں ۵ ستمبر ۱۸۷۰ ء سے ۱۹ مارچ ۱۸۷۱ ء تک قید رکھا گیا۔ سیدان کی شکست سے دوسری سلطنت (شہنشاہی) کے زوال کی رفتار تیز ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۴ ستمبر ۱۸۷۰ ء کو فرانس میں رپبلک قائم ہونے کا اعلان عام کر دیا گیا۔ رپبلک کا اعلان ہوتے ہی ایک نئی حکومت وجود میں آئی جس کا نام تھا قومی ڈیفنس کی حکومت۔ صفحہ ۱۱۳

۵۱ — ”پروشیائی قوم کی مقدس جرمن سلطنت،، کہہ کر اینگلس نے یہاں جرمن قوم کی اس مقدس سلطنت روما پر چھینٹا مارا ہے جو قرون‌وسطی میں موجود تھی (ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۷۶)، اور یہ جتایا ہے کہ جرمنی کا ایک ہونا، یعنی فرانس پر فتح حاصل ہونے کی بدولت ۱۸۷۱ ء میں جرمن سلطنت کا قائم ہونا، پروشیائی اقتدار کے سائے میں انجام پایا اور اسی کے ساتھ تمام جرمن ریاستوں کو پروشیائی رنگ میں رنگا جانے لگا۔ صفحہ ۱۱۳

۵۲ — پروشیا کی سرپرستی میں شمالی جرمن یونین (یا ریاستوں کا اتحاد) ۱۸۶۷ ء میں بنی۔ اس میں شمالی اور وسطی جرمنی کی ۱۹ ریاستیں اور تین آزاد شہر مل کر ایک ہو گئے تھے۔ یہ بسمارک کی تجویز پر ہوا تھا اور پروشیا کی سرپرستی میں سارے جرمنی کے متحد ہونے کی طرف یہ ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ جنوری ۱۸۷۱ ء میں اس یونین کا وجود ختم ہوا اور اس کی جگہ جرمن سلطنت قائم ہو گئی۔ صفحہ ۱۱۴

۵۳ — یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ۱۸۷۰ ء میں بویریا، بیڈن، ویورٹمبرگ اور ہیسن ڈرم‌شٹاڈٹ کا شمالی جرمن یونین سے الحاق کر لیا گیا۔ صفحہ ۱۱۴

۵۴ — شپی‌خیرن کے نزدیک (لورین میں) ۶ اگست ۱۸۷۰ء کو پروشیائی فوجوں نے فرانس کو ایک لڑائی میں سخت شکست دی۔ یہ معرکہ تاریخ میں جنگ فورباخ کے نام سے مشہور ہے۔

سارس لا تور کے مقام پر ۱۶ اگست ۱۸۷۰ء کو جرمن فوجوں نے میتز سے پیچھے ہٹتی ہوئی رائن علاقے کی فرانسیسی فوج کا راستہ کاٹنے میں کامیابی حاصل کی اور اس طرح پسپائی کی راہ بند کر دی۔ صفحہ ۱۱۷

۵۵ — «Der Volksstaat» (" عوامی ریاست ") جرمن سوشل ڈیمو کریٹک ورکرز پارٹی (آئزی‌ناخ والوں) کا ترجمان تھا جو لیپزگ شہر میں ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء سے ۲۹ ستمبر ۱۸۷۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ اخبار کی پالیسی کی باگ‌ڈور ولہلم لیبکنیخت کے ہاتھ میں تھی اور اس کا انتظام اگسٹ بیبل کے ہاتھ میں۔ مارکس اور اینگلس اس اخبار میں لکھتے بھی تھے اور اس کی ترتیب میں بھی مدد دیتے تھے۔ ۱۸۶۹ء سے پہلے یہ اخبار «Demokratisches Wochenblatt» کے نام سے نکلا کرتا تھا۔ صفحہ ۱۱۸

۵۶ — ۱۰ جنوری ۱۸۷۴ء کو رائخ‌ستاگ (پارلیمنٹ) کے انتخابات میں سوشل ڈیمو کریٹوں کو یہ کامیابی ہوئی کہ ان کے ۹ ممبر چنے گئے۔ ان میں بیبل اور لیبکنیخت بھی تھے جو انتخاب کے زمانے میں جیل کاٹ رہے تھے۔ صفحہ ۱۱۹

۵۷ — " فرانس میں خانہ‌جنگی "، سائنسی کمیونزم کے موضوع کی ایک نہایت اہم تصنیف ہے۔ یہاں طبقاتی کش‌مکش، ریاست، انقلاب اور پرولتاری ڈکٹیٹری کے تعلق سے خاص مارکسی اصول بڑی وضاحت کے ساتھ پیرس کمیون کے تجربے کی روشنی میں بیان ہوئے ہیں۔ ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کی جنرل کونسل کے تمام ممبروں کو یورپ اور امریکہ میں تقسیم کرنے کے لئے یہ تحریر ایک کھلے خط کے طور پر تیار کی گئی تھی

تاکہ سارے ملکوں کے مزدوروں کو کمیون‌والوں کی سرفروشی کی اصلیت سے ، اس کی عالمی اهمیت سے پوری طرح باخبر کہا جائے اور دنیا بھر کے پرولتاریہ میں یہ تاریخی تجربہ عام کر دیا جائے۔

اس تصنیف میں بھی مارکس نے اسی خیال کی تصدیق ، تائید اور تکمیل کی ھے جو ''لوئی بوناپارٹ کی ۱۸ ویں بروسیٹر ،، میں پیش کیا تھا کہ پرولتاریہ کے لئے بورژوازی کی سرکاری مشینری کا درهم برهم ضروری ھے (اس سلسلے کے حصۂ اول میں ملاحظہ ہو، صفحات ۲۹۷ — ۱۵۰)۔ مارکس اس نتیجے پر پہنچا ھے کہ ''مزدور طبقہ بنی بنائی سرکاری مشینری پر ھاتھ ڈال کر اس سے کام نہیں لے سکتا ،،۔ مزدور طبقے کا فرض ھے کہ اسے توڑپھوڑ کر برابر کر دے اور پیرس کمیون کے نمونے کی ریاست کو اس کی جگہ دے دے۔ مارکس نے یہاں جو یہ کلیہ قائم کیا ھے کہ پیرس کمیون قسم کی نئی ریاست ھی پرولتاری ڈکٹیٹری کی سرکاری شکل ھے ، یہ انقلابی نظریے میں اس کے نئے اضافے کا لب‌لباب ھے۔

مارکس کی اس تصنیف ''فرانس میں خانہ‌جنگی ،، کی بہت وسیع اشاعت ہوئی ھے۔ ۱۸۷۱ ء اور ۱۸۷۲ ء میں یورپ کے کئی ملکوں اور امریکہ کی زبانوں میں اس کا ترجمہ نکل چکا تھا۔ ۱۹۰۵ ء میں کتاب کا روسی ترجمہ لینن کی ترتیب کے ساتھ اودیسا سے شائع ہوا۔ صفحہ ۱۲۲

۵۸ — یہ دیباچہ اینگلس نے مارکس کی تصنیف ''فرانس میں خانہ‌جنگی ،، کے تیسرے جرمن ایڈیشن کے لئے لکھا تھا جو پیرس کمیون کی ۲۰ ویں سال‌گرہ کے موقع پر ۱۸۹۱ ء میں شائع کیا گیا تھا۔ پیرس کمیون کے تجربے کی تاریخی اهمیت پر پورا زور دینے کے بعد ، اور مارکس نے جو نظریاتی تجزیہ کیا ھے ، اسے اچھی طرح جتانے کے ساتھ اینگلس نے پیرس کمیون کی تاریخ پر ، بلانکی اور پرودھوں کے ماننے‌والوں کی سرگرمی پر

کئی نکتوں کا اضافہ کیا۔ اسی جرمن ایڈیشن میں اینگلس نے انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کی جنرل کونسل کا وہ پہلا اور دوسرا خط بھی شامل کر لیا جو فرانس اور پروشیا کی جنگ پر مارکس نے لکھا تھا۔ مختلف زبانوں میں اس تصنیف کے جتنے ایڈیشن بعد میں پمفلٹ کی صورت میں نکلے ہیں ، ان میں بھی دونوں خطوط شامل رہے۔ صفحہ ۱۲۲

۵۹ — یہاں جرمنوں کی اس قومی آزادی کی جنگ کی طرف اشارہ ہے جو ۱۳ — ۱۸۱۳ ء میں انھوں نے نپولین کے قبضے سے نکلنے کے لئے لڑی تھی۔ صفحہ ۱۲۳

۶۰ — ہنگامی قانون (The Exceptional Law or the Anti-Socialist Law) جرمنی میں ۲۱ اکتوبر ۱۸۷۸ ء کو بنا تھا۔ اس کے مطابق سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی تمام شاخیں ، عام مزدور انجمنیں ، مزدوروں کے اخبارات وغیرہ خلاف قانون قرار دئے گئے۔ اشتراکی خیال کی کتابوں ، رسالوں کو بحق سرکار ضبط کر لینے کا حکم ہوا اور سوشل ڈیموکریٹوں پر زیادتیاں گئیں۔ عام مزدور تحریک کے دباؤ سے یہ قانون پہلی اکتوبر ۱۸۹۰ ء کو منسوخ کر دیا گیا۔ صفحہ ۱۲۳

۶۱ — جرمنی میں Demagogue ۱۸۲۰ ء کے برسوں میں ان جرمن تعلیم‌یافتہ لوگوں کو کہا جاتا تھا جو جرمن ریاستوں کے رجعت‌پرست نظام کے خلاف بولتے تھے اور متحدہ جرمنی کی آواز بلند کرتے تھے۔ جرمن حکومت ان لوگوں کے ساتھ بڑی بےدردی سے پیش‌آئی۔ صفحہ ۱۲۳

۶۲ — یہاں جولائی ۱۸۳۰ ء کے انقلاب کی طرف اشارہ ہے۔ صفحہ ۱۲۵

۶۳ — یہ اشارہ ہے جائزوارث‌والوں ، اورلین‌والوں اور بوناپارٹ‌والوں کی طرف ، جو بوناپارٹ کی خاندانی بادشاہی کے حامی تھے۔ صفحہ ۱۲۶

۶۴ — دوسری دسمبر ۱۸۵۱ ء — وہ دن ہے جب فرانس میں انقلاب کے مخالفین کی طرف سے حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اس میں لوئی بوناپارٹ اور اس کے حمایتیوں کا ہاتھ تھا۔ صفحہ ۱۲۶

۶۵ — یہاں اس ابتدائی صلح نامے کا ذکر ہے جس پر فرانس اور جرمنی نے لڑائی بند کرکے ۲۶ فروری ۱۸۷۱ ء کو وارسائی میں دستخط کئے۔ دستخط کرنےوالوں میں ایک طرف سے تیئر اور ژیول فاور تھے اور دوسری طرف سے بسمارک۔ اس صلح نامے کی شرائط کے مطابق فرانس نے الزاس اور مشرقی لارین صوبے جرمنی کے حوالے کر دئیے اور ۵۰۰ کروڑ فرانک ہرجانہ ادا کرنا اپنے ذمے لےلیا۔ امن کا پکا عہد نامہ ۱۰ مئی ۱۸۷۱ ء کو فرینکفرٹ آن میئن میں لکھا گیا۔ صفحہ ۱۲۹

۶۶ — اکتوبر ۱۸۷۰ ء میں فرانسیسی فوج مارشل بازین کی سرکردگی میں میتز کے مقام پر نرغے میں آگئی اور اس نے شہر جرمنوں کے حوالے کر دیا۔ صفحہ ۱۳۲

۶۷ — یہاں پرودھوں کی تصنیف "۱۹ ویں صدی میں انقلاب کا عام خیال" («Idée générale de la Révolution au XIX siècle». Paris, 1851) کا ذکر ہے جو پیرس سے ۱۸۵۱ ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس تصنیف میں پرودھوں کے پیش کئے ہوئے نظریات پر تنقید دیکھنی ہو تو مارکس کا وہ خط پڑھنا چاہئے جو اس نے ۸ اگست ۱۸۵۱ ء کو اینگلس کے نام لکھا اور اینگلس کا وہ تنقیدی تبصرےوالا مضمون جو "پرودھوں کی کتاب '۱۹ ویں صدی میں انقلاب کا عام خیال'، پر تنقیدی تبصرہ" کے عنوان سے تحریر ہوا۔ صفحہ ۱۳۵

۶۸ — فرانس کی اشتراکی تحریک میں ایک موقع پرست رجحان تھا جسے "امکانی" (Possibilism) کہتے ہیں۔ بروس، میلون اور دوسرے لوگ اس کے لیڈر تھے جنھوں نے فرنچ ورکرز پارٹی میں ۱۸۸۲ ء میں پھوٹ ڈال دی۔ ان کا کہنا تھا کہ صرف

اتنا ھی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو ''امکان'' میں ھو ، اسی لئے ان کا یہ نام پڑا۔ صفحہ ۱۳۶

۶۹ — اینگلس کے اس دیباچہ کو شائع کرتے وقت اخبار «Die Neue Zeit» Bd. II کے ایڈیٹروں نے (جس کے ۲۸ ویں شمارے ۱۸۹۰ء — ۱۸۹۱ء میں یہ مضمون شائع ھوا تھا) اصل عبارت میں اپنی طرف سے کچھ تبدیلی کر دی۔ مثلاً اینگلس نے لفظ ''سوشل ڈیموکریٹک کم ظرف'' (Philistine) لکھا تھا ، انہوں نے یہاں ''جرمن کم‌ظرف'' چھاپا۔ فیشر نے ۱۷ مارچ ۱۸۹۱ء کو جو خط لکھا اس سے معلوم ھوتا ھے کہ اینگلس نے یہ یکطرفہ تبدیلی ناپسند کی تھی ، لیکن غالباً اس خیال سے کہ ایک بار جو عبارت چھپ چکی ھے ، اس میں ادل‌بدل نہ ھو ، اختلاف نہ پڑے ، پمفلٹ کی صورت میں اس کی اشاعت پر بھی اینگلس نے وھی لفظ رھنے دیا۔ موجودہ جلد میں ھم نے اینگلس کا اپنا لکھا ھوا لفظ رکھ دیا ھے۔ صفحہ ۱۳۹

۷۰ — پہلا اور دوسرا خط۔ فرانس اور پروشیا کی جنگ پر انٹرنیشنل کا رویہ کیا ھونا چاھئے ، اس کے متعلق جنرل کونسل کی ھدایت پر عمل کرتے ھوئے مارکس نے جنگ چھڑتے ھی فوراً ایک کھلا خط یا پیغام جاری کیا ، پھر ستمبر ۱۸۷۰ء میں دوسرا خط لکھا ، جن سے ظاھر ھوتا ھے کہ مزدور طبقے کو جنگجوئی اور خود جنگ سے کیسے پیش آنا چاھئے۔ ان دونوں خطوں میں مارکس اور اینگلس کی ان تمام کوششوں کی بھی جھلک ملتی ھے جو وہ دوسروں کے علاقۂ پر چڑھائی کرنے کی جنگ کے خلاف اور پرولتاری بین‌اقوامیت کے اصولوں کی تعمیل کے لئے کئے جا رھے تھے۔ مارکس نے دلیلیں دے کر ثابت کر دیا ھے کہ استحصال کرنےوالے طبقے اپنی ذاتی غرض کے لئے جو غاصبانہ جنگیں چھیڑتے ھیں ، ان کا مقصد دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے علاوہ خود انقلابی مزدوروں کی تحریک کو کچلنا بھی ھوتا ھے۔ اس قسم کی

جنگوں کی سماجی وجہوں پر مارکس نے اپنی تعلیم کا نہایت اہم باب کھول کر بیان کر دیا ھے۔ خاص طور سے اس نے زور دیا کہ جرمن اور فرانسیسی مزدوروں کا مفاد ایک ھی ھے اور انھیں چاھئے کہ دونوں ملکوں کے حاکم طبقوں کی جارحانہ پالیسی کا متحد ھو کر، ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

مارکس نے بےمثال دوراندیشی سے کام لیتے ھوئے اپنے پہلے خط میں آخر کا یہ نکتہ بھی جتا دیا کہ مزدوروں کے ھاتھ میں طاقت آجائےگی تو تمام جنگوں کا خاتمہ ھو جائےگا اور روئےزمین پر امن قائم ھونا آئندہ کی کمیونسٹ سوسائٹی کا ایک زبردست بین‌اقوامی اصول بن جائےگا۔ صفحہ ۱۳۱

۱۷ — عام رائے شماری نپولین سوم نے مئی ۱۸۷۰ ء میں کرائی تھی، گویا اپنی سلطنت کے بارے میں عام آبادی کی رائے معلوم کرنی چاھی ھو۔ لفظوں کے الٹ پھیر سے سوال‌نامے کی عبارت کچھ اس طرح رکھی گئی کہ اگر دوسری سلطنت کی پالیسی پر نامنظوری کا اظہار کیا جاتا تو تمام جمہوری اصلاحوں سے بھی منکر ھونا پڑتا تھا۔ فرانس میں پہلی انٹرنیشنل کی شاخوں نے اس لفظی الٹ پھیر اور چالبازی کا پردہ چاک کرتے ھوئے اپنے ممبروں سے اپیل کی کہ ووٹ کا بائیکاٹ کریں۔ رائے شماری شروع ھونے سے پہلے ھی انٹرنیشنل کی پیرس شاخ کی ممبر اس الزام میں گرفتار کر لئے گئے کہ وہ نپولین سوم کے خلاف سازش کر رھے تھے۔ حکومت کے ھاتھ ایک بہانہ آگیا تاکہ فرانس کے مختلف شہروں میں انٹرنیشنل کے ممبروں کو پھنسایا جائے، ان پر زیادتیاں کی جائیں۔ ۲۲ جون سے ۵ جولائی ۱۸۷۰ ء تک جب پیرس کے ممبروں پر مقدمہ چلا تو دنیا کو یہ پتہ چل گیا کہ سازش کے الزام کی حقیقت کیا تھی۔ پھر بھی انٹرنیشنل کے کئی ممبروں کو قید کی سزائیں دی گئیں صرف اس بنا پر کہ وہ انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کے ممبر تھے۔ فرانس کے مزدور طبقے نے عام جلسوں کے ذریعے اس ظلم کے خلاف احتجاج کیا۔ صفحہ ۱۳۲

۷۲ — فرانس اور پروشیا کی جنگ ۱۹ جولائی ۱۸۷۰ ء کو چھڑی تھی - صفحہ ۱۳۲

۷۳ — «Le Réveil» (" بیداری ") — یہ بائیں‌بازو کے رپبلکنوں کا فرانسیسی اخبار تھا جو پیرس میں جولائی ۱۸۶۸ ء سے جنوری ۱۸۷۱ ء تک شارل دیلک‌لوزے کی ادارت میں نکلتا رہا - اس اخبار میں انٹرنیشنل کی دستاویزیں اور مزدور تحریک کی معلومات شائع ہوا کرتی تھیں - صفحہ ۱۳۳

۷۴ — «La Marseillaise» — بائیں بازو کے رپبلکنوں کا روزنامہ، پیرس میں دسمبر ۱۸۶۹ ء سے ستمبر ۱۸۷۰ ء تک نکلا - اس میں انٹرنیشنل اور مزدور تحریک کے متعلق بھی معلومات اور سرگرمیوں کی تفصیل چھپا کرتی تھی - صفحہ ۱۳۴

۷۵ — یہاں مراد ہے " دس دسمبری سوسائٹی " — لوئی بوناپارٹ‌والوں کی خفیہ جماعت سے، جس میں زیادہ‌تر سماج کے فالتو، ٹوٹے پھوٹے عناصر جوڑے گئے تھے، سیاسی جواری اور فوج کے لوگ شامل تھے - ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ لوئی بوناپارٹ کو دس دسمبر ۱۸۴۸ ء کے صدارتی انتخاب میں فرانسیسی رپبلک کا صدر چنوا دیں - اسی لئے دس دسمبری نام پڑا - ان کی حرکتوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مارکس کا مقالہ " لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں برومیئر "، جو حصۂ اول میں شامل ہے - صفحہ ۱۳۴

۷۶ — یہاں مراد ہے جرمن قوم کی مقدس سلطنت روما جس کی بنیاد ۹۶۲ عیسوی میں رکھی گئی تھی اور جرمن علاقوں کے علاوہ اٹلی کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل تھا - بعد میں کچھ علاقے فرانس کے، بوھیمیا کے، آسٹریا، نیدرلینڈ، سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ملکوں کے بھی اسی میں شامل ہو گئے تھے - یہ سلطنت کوئی مرکزیت‌والی اسٹیٹ نہیں تھی - یہ چند رجواڑوں کی اور آزاد شہروں کی ملی جلی اور ڈھیلی ڈھالی

یونین تھی جو سلطنت کے صرف اختیاراعلا کو تسلیم کرتے تھے۔ ۹۶۲ سے ۱۸۰۶ء تک قائم رہی۔ آخرجب فرانس کے مقابلے میں جرمنی کو شکست ہوئی تو ہیپس‌برگ نے مقدس سلطنت روما کے شہنشاہ کا خطاب چھوڑ دیا۔ صفحہ ۱۵۱

۷۷ — ۱۶۱۸ء میں برانڈن‌برگ کا الکٹوریٹ پروشیا کی نوابی (مشرقی پروشیا) سے مل گیا جو ۱۶ ویں صدی کی ابتدا میں تیوتونی امارت کے علاقے سے بنی تھی اور تب تک پولینڈ کی بادشاہی کی دست‌نگر تھی۔ برانڈن‌برگ کا نواب (الکٹور) جو خود پروشیائی امیرزادہ تھا ۱۶۵۷ء تک پولینڈ کا باج گزار رہا۔ لیکن جب سویڈن سے جنگ میں پولینڈ مشکل میں پھنسا تو اس پروشیائی امیرزادے نے تمام پروشیائی علاقوں پر پھیل کر خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ صفحہ ۱۵۱

۷۸ — یہ اشارہ ہے بازل کے صلح‌نامے کی طرف، جو پروشیا نے ۵ اپریل ۱۷۹۵ء کو فرانسیسی ریپبلک سے اپنے طور پر کر لیا تھا، حالاں کہ پروشیا اس وقت فرانس کے مقابلے پر یورپی ریاستوں کے پہلے کولیشن میں شریک تھا۔ صفحہ ۱۵۲

۷۹ — تلست کا صلح‌نامہ ۷ اور ۹ جولائی ۱۸۰۷ء کے درمیان نپولین کے فرانس نے روس اور پروشیا سے کیا تھا۔ یہ دونوں ملک فرانس کے خلاف چوتھے کولیشن کے ممبر تھے اور جنگ میں شکست کھاکر اس صلح‌نامے پر مجبور ہوئے تھے۔ صلح‌نامے کی شرطوں نے پروشیا کی کمرتوڑ دی جسے اپنا بہت سا علاقہ ہاتھ سے دینا پڑا، اور روس کے ہاتھ سے اگرچہ کوئی علاقہ نہیں گیا لیکن اسے یورپ میں فرانس کی پوزیشن کا استحکام بھی ماننا پڑا اور یہ بھی کہ انگلینڈ کی ناکہ‌بندی میں (جسے براعظم یورپ کی ناکہ‌بندی کہتے ہیں) شریک ہوگا۔ نپولین‌اول کے حکم سے اس صلح‌نامے میں جو غاصبانہ

زبردستی رکھی گئی تھی ، اس کا انجام یہ ہوا کہ تمام جرمن آبادی میں غم‌وغصہ کی لہر دوڑ گئی ، جس نے نپولینی غلبے کے خلاف قومی آزادی کی تحریک کا راستہ ہموار کر دیا اور یہ تحریک ۱۸۱۳ ء میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ صفحہ ۱۵۴

۸۰ — تیوتونی (Teutons) کا لفظ جرمن نسل کے پرانے قبیلوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور اس دائرے میں تمام جرمن اصل نسل کے لوگ آتے ہیں۔ مارکس نے یہاں جرمن قوم‌پرستوں کی زبان سے اس لفظ کے استعمال کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ صفحہ ۱۵۴

۸۱ — مارکس کا مطلب یہ ہے کہ نپولین کا اقتدار ٹوٹتے ہی جرمنی میں جاگیرداری رجعت‌پرستی کی کمان پھر چڑھ گئی۔ پہلے کی سی جاگیری تفرقہ‌پردازی نے سر اٹھا لیا اور جرمن ریاستوں میں موروثی بادشاہیوں کا نظام پھر جم گیا ، جس نے امرا کے خاص حقوق اور کسانوں کی اندھی لوٹ ، نیم غلامی کا دور دورہ کر دیا۔ صفحہ ۱۵۶

۸۲ — یہ اشارہ ہے پیرس کے تویلری محل کی طرف جہاں نپولین سوم دوسری سلطنت کے زمانے میں رہا کرتا تھا۔ صفحہ ۱۵۷

۸۳ — اورلین‌والے — یعنی اورلین گھرانے کے حمایتی۔ اورلین — بوربون شاہی خاندان کی ایک نوجوان شاخ تھی۔ ۱۸۳۰ء کے انقلاب نے اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور ۱۸۴۸ ء کے انقلاب نے وہ چھین لیا۔ یہ لوگ مالیاتی شرفا (بڑے پیمانے پر روپیے کا کاروبار کرنےوالے) اور اوپر کی بورژوازی کے جاں نثار تھے۔ صفحہ ۱۵۷

۸۴ — یہاں انگریز مزدوروں کی اس تحریک کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے ۴ ستمبر ۱۸۷۰ ء کو قائم ہونےوالی فرانسیسی ریپبلک کو تسلیم کرانے کے لئے اٹھائی تھی۔ اعلان کے دوسرے ہی دن ، ۵ ستمبر کو لندن اور بڑے شہروں میں جلسے جلوس

شروع ہو گئے۔ جابجا تجویزوں اور مطالبوں میں مظاہرین نے اس پر زور دیا کہ برطانوی حکومت فرانسیسی ریپبلک کو فوراً تسلیم کرلے۔ اس تحریک کو رخ دینے میں پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل نے براہ‌راست شرکت کی۔ صفحہ ۱۵۸

۸۵ — مارکس کا اشارہ اس طرف ہے کہ جاگیردارانہ بادشاہتوں کا وہ کولیشن بنوانے میں انگلینڈ نے بڑھ‌چڑھ کر حصہ لیا تھا جس کولیشن نے ۱۷۹۲ ء میں انقلابی فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اور یہ بھی انگلینڈ کے حاکم لوگ تھے جنھوں نے سارے یورپ میں سب سے پہلے فرانس کی لوئی بوناپارٹ حکومت کو تسلیم کر لیا، ایسی حکومت کو جو ۲ دسمبر ۱۸۵۱ ء کو ریپبلکن حکومت کا تختہ الٹ کر وجود میں آئی تھی۔ صفحہ ۱۵۹

۸۶ — «Journal Officiel de la République Française» (”فرانسیسی ریپبلک کا سرکاری اخبار“) — پیرس کمیون کا سرکاری ترجمان تھا جو ۲۰ مارچ سے ۲۴ مئی ۱۸۷۱ ء تک شائع ہوتا رہا۔ پہلے سے یہ نام فرانسیسی ریپبلک کے سرکاری اخبار کا تھا جو پیرس میں ۵ ستمبر ۱۸۷۰ ء سے نکلنا شروع ہوا تھا (جب پیرس کمیون قائم ہوا تو کمیون کی مخالف تیئر گورمنٹ نے وارسائی سے اسی نام کا دوسرا اخبار نکالا)۔ ۳۰ مارچ کے شمارے پر اخبار کا نام یوں درج تھا: «Journal Officiel de la Commune de Paris» (”پیرس کمیون کا سرکاری اخبار“)۔ اسی اخبار کے ۲۵ اپریل ۱۸۷۱ ء کے شمارے میں سائمن کا خط چھپا تھا۔ صفحہ ۱۶۲

۸۷ — ۲۸ جنوری ۱۸۷۱ ء کو فاتح بسمارک اور قومی ڈیفنس کی حکومت کی طرف سے فاور نے ایک صلح‌نامے پر دستخط کئے جس کا عنوان تھا: ”جنگ‌بندی اور پیرس کے ہتھیار ڈالنے کا کنونشن“۔ اس حرکت نے فرانس کے قومی مفاد کو مٹی

میں ملا دیا۔ کنونشن کے مطابق فاور نے وہ تمام شرمناک شرطیں قبول کر لیں جو پروشیا گورمنٹ نے منوانی چاہی تھیں، مثلاً دو ہفتے کے اندر بیس کروڑ فرانک ہرجانہ ادا کرنا، پیرس کے بیشتر قلعے فاتح کے حوالے کرنا، پیرس کی فوج کا میدانی توپ خانہ اور اسلحہ پروشیا کے ہاتھ میں دے دینا۔ صفحہ ۱۶۲

۸۸ — ۷۱ — ۱۸۷۰ء میں جب پیرس محاصرے میں تھا تو وہ لوگ جو ہتھیار ڈال دینے کے حق میں تھے انہیں Capitulards کہا جاتا تھا۔ بعد میں ہر قسم کے شکست‌خوردہ ذہن‌والوں کا یہ نام پڑ گیا۔ صفحہ ۱۶۳

۸۹ — «L'Étendard» (”پرچم“) — بوناپارٹ کا طرفدار فرانسیسی اخبار جو پیرس میں ۱۸۶۶ء سے ۱۸۶۸ء تک نکلتا رہا۔ زیادہ رقم بٹورنے کے لئے جب اس کا ایک فریب پکڑا گیا تو اخبار نکلنا بند ہوگیا۔ صفحہ ۱۶۴

۹۰ — یہاں مراد ہے «Société Générale du Crédit Mobilier» — یہ ایک بڑا فرانسیسی جوائنٹ اسٹاک بینک تھا جو ۱۸۵۲ء میں قائم کیا گیا۔ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھا زر ضمانت (سکیوریٹیز) پر سٹہ چلانا۔ دوسری سلطنت کے سرکاری حکام سے اس بینک کا گہرا لین دین تھا۔ ۱۸۶۷ء میں اس کا دیوالہ نکلا اور ۱۸۷۱ء میں اس پر تالہ پڑ گیا۔ صفحہ ۱۶۴

۹۱ — «L'Électeur libre» (”آزاد ووٹر“) — داھنےبازو کا رپبلکن ترجمان جو پیرس میں ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۱ء تک نکلتا رہا۔ قومی ڈیفنس کی حکومت کی وزارت‌مالیات سے اس کا سمبندھ تھا۔ صفحہ ۱۶۴

۹۲ — ڈیوک دےبیری کی یاد میں جب سین‌ژرمین ل، اوسےروا گرجا گھر میں فاتحہ‌خوانی ہو رہی تھی تو جائزوارث‌والوں نے مظاہرہ کرکے اس میں گڑبڑ پھیلائی۔ اس پر غصے کا

اظہار کرنے کے لئے ۱۴ اور ۱۵ فروری ۱۸۳۱ ء کو پیرس میں لوگوں کا ایک ھجوم ٹوٹ پڑا، اس نے گرجا گھر اور پادری کیلین کا محل غارت کردیا۔ تیئر اس ھنگامے کے وقت وھاں بذات خود موجود تھا اور اس نے نیشنل گارڈ کو سمجھایا کہ وہ دخل نہ دے۔

۱۸۳۲ ء میں تیئر کے حکم خاص سے (وہ وزیر داخلہ تھا) فرانسیسی تخت‌وتاج کے جائزوارث والے دعویدار کاؤنٹ آف شمبور کی ماں شہزادی دی بیری گرفتار کرلی گئیں اور ان پر ایسی ڈاکٹری جرح کرائی گئی جس کی غرض یہ تھی کہ اس کی خفیہ شادی کا راز دنیا بھر پر افشا ھو جائے اور وہ سیاسی حیثیت سے منہ دکھانے قابل نہ رھے۔ صفحہ ۱۶۵

۹۳ — ۱۳ — ۱۴ اپریل ۱۸۳۴ ء کو پیرس میں عوامی شورش اٹھی تھی جولائی کی بادشاھت کے خلاف۔ تیئر اس وقت وزیرداخلہ تھا اور اس نے شورش کو کچلنے میں نہایت شرمناک رول انجام دیا تھا۔ فوج کے ھاتھوں یہ عام شورش اس سختی اور درندگی سے تہہ تیغ کی گئی کہ ٹرانسنونان‌والی سڑک کے ایک مکان میں تو تمام کے تمام باشندے بری طرح قتل کر دئیے گئے۔

ستمبر کے قانون کا حوالہ اسی سلسلے میں آیا ھے۔ ستمبر ۱۸۳۵ ء میں فرانسیسی حکومت نے پریس کے خلاف بڑے رجعت‌پرست قانون جاری کئے، جن کی رو سے، رائج الوقت سماجی اور سیاسی نظام پر نکتہ‌چینی شائع کرنے کی سزا قید اور بھاری جرمانے مقرر تھی۔ صفحہ ۱۶۵

۹۴ — جنوری ۱۸۴۱ ء میں تیئر نے ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ) میں ایک پلان پیش کیا تاکہ پیرس کے چوطرفہ فوجی قلعہ‌بندی کھڑی کی جائے۔ انقلابی اور جمہوری خیال کے لوگوں نے اس پلان کے پیچھے یہ نیت بھانپ لی کہ اس طرح عوامی مظاھروں کو کچلنا مقصود ھے۔ پلان میں خاص کر مزدور

علاقوں کے آس پاس زبردست قلعہ‌بندی اور مورچہ‌بندی کی تجویز تھی۔ صفحہ ۱٦٦

۹۵ — فرڈنینڈ دوم کی نیپلزوالی فوجوں نے جنوری ۱۸۴۸ ء میں پلیرمو پر توپخانے سے گولہ‌باری کی تاکہ اس عوامی بغاوت کو خاک‌وخون میں سلا دیا جائے جو ۱۸۴۸ — ۴۹ ء میں اٹلی کی مختلف ریاستوں میں بورژوا انقلاب کی آمد کی خبر دے رہی تھی۔ یہ وہی فرڈنینڈ ہے جس نے اسی سال موسم خزاں میں شہر مسینا پر گولہ‌باری کرائی تھی اور لوگوں میں ''شاہ‌بوسبا،، کا نام کمایا تھا۔ صفحہ ۱٦٦

۹٦ — اپریل ۱۸۴۹ ء میں فرانس نے آسٹریا اور نیپلز سے مل کر روم کی ریپبلک پر فوجی مہم بھیج کر مداخلت کی تاکہ ریپبلک کو بےدخل کرکے پوپ کی مذہبی حکومت جما دی جائے۔ فرانس کی فوجوں نے روم پر سخت گولہ‌باری کی۔ ریپبلک‌والوں نے جان پر کھیل کر مقابلہ کیا لیکن آخر شکست کھا گئے اور روم پر فرانسیسی فوج نے قبضہ کر لیا۔ مارکس نے اس واقعے پر اپنی تصنیف ''لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں برومیئر،، میں بھی تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حصۂ اول، صفحات ۲۹۷ — ۱۵۰ - صفحہ ۱٦۷

۹۷ — ضابطہ پارٹی — قدامت پسندانہ خیالات‌والی اوپر کی بورژوازی نے یہ پارٹی ۱۸۴۸ ء میں بنائی تھی۔ اس میں فرانس کی دو خاندانی بادشاہتوں کے طرفدار گروہ ملے ہوئے تھے۔ ایک جائزوارث‌والے (Legitimist) اور دوسرے اورلین‌والے۔ ۱۸۴۹ ء سے دوسری دسمبر ۱۸۵۱ ء تک (جب لوئی بوناپارٹ نے اندر سے حکومت کا تختہ الٹا) فرانس کی دوسری ریپبلک کی قانون‌ساز اسمبلی میں اس پارٹی کا بول بالا تھا۔ صفحہ ۱٦۸

۹۸ — ۱۵ جولائی ۱۸۴۰ ء کو انگلینڈ، روس، پروشیا، آسٹریا اور ترکی نے لندن میں ایک کنونشن (قرارنامے) پر دستخط کئے کہ

یہ طاقتیں سلطان ترکی کو مصری حکمراں محمد علی پاشا کے مقابلے پر مدد دیں گی۔ محمد علی کو فرانس کی تائید حاصل تھی۔ نتیجہ یہ کہ فرانس اور یورپی ملکوں کے اس کولیشن کے درمیان جنگ کی صورت پیدا ہو گئی۔ لیکن شاہ فرانس لوئی فلپ کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ جنگ چھیڑے اور اس نے محمد علی پاشا کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ صفحہ ۱۶۹

۹۹ – انقلابی پیرس کو دبانے کی خاطر وارسائی فوجوں کی طاقت بڑھانے کے لئے تیئر نے بسمارک سے درخواست کی کہ وہ ان فرانسیسی جنگی قیدیوں کو چھوڑ دے اور وارسائی کی فوج میں شریک ہو جانے دے جن میں سے اکثر سیدان اور میتز کے مقام پر ہتھیار ڈالنے والی فوج میں شامل تھے۔ صفحہ ۱۶۹

۱۰۰ – "جائزوارث والے" (Legitimists) – اسی بوربون خاندان کی بادشاہت کے حمایتی تھے جو ۱۸۳۰ ء میں بےدخل کی گئی اور جب تک رہی اوپر کے جاگیرداروں کا دم بھرتی رہی۔ پھر اورلین خاندان کی حکومت (۱۸۳۰ ء – ۱۸۴۸ ء) قائم ہو گئی تو اس کا تکیہ تھا اوپر کے مالیاتی شرفا اور بڑی حیثیت کی بورژوازی پر۔ ان کا زور توڑنے کے لئے جائزوارث والوں کے ایک حصے نے سماجی حقوق کی لفاظی سے کام لیا اور بڑے سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے مقابلے میں محنت کرنے والوں کے طرفدار بن کر کھڑے ہو گئے۔ صفحہ ۱۷۱

۱۰۱ – «Chambre introuvable» ("انوکھا دربار") – یہ ۱۸۱۵ء – ۱۸۱۶ء میں فرانس کا ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ کا ایوان) تھا جس میں پرلے درجے کے رجعت پرست بھرے ہوئے تھے (بادشاہی کی بحالی کے شروع برسوں میں)۔ صفحہ ۱۷۲

۱۰۲ – "چودھریوں کی چوپال" – ۱۸۷۱ ء کی اس قومی اسمبلی کا نام پڑ گیا تھا جس میں زیادہ تر فرانس کے دیہات کے رجعتی

شاہ‌پرست نمائندے، قصباتی زمیندار، سرکاری عہدہ‌دار، لگان‌دار (Rentiers) اور دوکاندار شامل تھے۔ بوردو کے مقام پر اس کا اجلاس ہوا۔ ٦۳۰ نمائندوں میں ۴۳۰ شاہ‌پرست ممبر چن کر آئے تھے۔ صفحہ ۱۷۲

۱۰۳ — ۱۰ مارچ ۱۸۷۱ء کو قومی اسمبلی نے ایک قانون پاس کیا جو پہلے کے چڑھے ہوئے قرضوں کی ادائگی کے بارے میں تھا۔ ۱۳ اگست اور ۱۲ نومبر ۱۸۷۰ء کے درمیان جو قرض‌نامے ہوئے تھے، صرف انھی کی ادائگی ملتوی کی گئی لیکن جو قرض‌نامے ۱۲ نومبر کے بعد ہوئے ان کی ادائگی میں کوئی چھوٹ نہیں دی گئی۔ چناں‌چہ ۱۰ مارچ کے اس قانون‌کی ضرب مزدوروں اور کم‌حیثیت لوگوں پر پڑی اور بہت سے چھوٹے موٹے کارخانہ‌دار اور دوکاندار دیوالیہ ہو گئے۔ صفحہ ۱۷۳

۱۰۴ — Décembriseur — وہ لوگ جنھوں نے ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو لوئی بوناپارٹ کے ہاتھوں حکومت کا تختہ الٹنے (Coup d'état) میں شرکت کی یا دل سے اس کے حامی تھے۔ صفحہ ۱۷۳

۱۰۵ — اخبارات کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیئر کی حکومت جو ملک کے اندرونی قرضے جاری کرنا چاہتی تھی ان سے تیئر اور اس کی گورمنٹ کے آدمیوں کو ۳۰ کروڑ فرانک سے زیادہ رقم کمیشن میں ملتی۔ پیرس کمیون کو کچل ڈالنے کے بعد ۲۰ جون ۱۸۷۱ء کو ان قرضوں کا قانونی اجرا ہو سکا۔ صفحہ ۱۷۴

۱۰٦ — کائینا — جنوبی امریکہ کے فرانسیسی گیانا کا وہ شہر جہاں فرانسیسی حکومت کالے پانی کے سزایافتہ لوگوں کو بھیجتی تھی۔ صفحہ ۱۷۵

۱۰۷ — «Le National» ("قومی اخبار") — فرانسیسی روزنامہ جو پیرس میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۱ء تک نکلا۔ معتدل بورژوا ریپبلکوں کا ترجمان تھا۔ اس خیال کے خاص خاص نمائندے

جو عارضی حکومت میں شامل ہوئے مراست، باستید، اور گرانئے پاژیس تھے - صفحہ ۱۷۸

۱۰۸ — ۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو جیسے ہی یہ خبر پھیلی کہ قومی ڈیفنس کی حکومت پروشیاوالوں سے گفت‌وشنید کا فیصلہ کر چکی ہے، پیرس کے مزدوروں اور نیشنل گارڈ کے انقلابیوں نے شورش برپا کر دی۔ انھوں نے ٹاؤن ہال پر قبضہ کیا اور اپنی انقلابی حکومت کا اعلان کر دیا جس کا نام تھا پبلک سلامتی کی کمیٹی۔ بلانکی اس کمیٹی کا سربراہ قرار پایا۔ مزدوروں کے دباؤ میں قومی ڈیفنس کی حکومت کو یہ قول دینا پڑا کہ وہ استعفا دے دےگی اور کمیون کے لئے پہلی نومبر کو عام چناؤ کا دن مقرر کر دےگی۔ پیرس کی انقلابی طاقتیں ابھی اچھی طرح منظم نہیں تھیں، اور بغاوت کے لیڈروں میں اختلاف رائے بھی تھا۔ ان میں بلانکی کے ماننےوالے اور چھوٹی بورژوازی کے جیکوبی خیالات‌والے جمہوریت‌پسند متفق نہ ہو سکے۔ حکومت نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور نیشنل گارڈ کے کچھ وفادار دستوں کو لے کر ٹاؤن ہال پر قبضہ کر لیا اور اپنی طاقت پھر سے جمالی۔ صفحہ ۱۷۸

۱۰۹ — ”برےتن“ — یہ صوبہ بریتان کا ایک گشتی دستہ تھا فوجی قسم کا، جو فرانس اور پروشیا کی جنگ ۱۸۷۰—۷۱ء کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ تروشیو نے اس سے سیاسی پولیس‌والوں (ژندارمی) کا کام لیا کہ پیرس کی انقلابی تحریک کو کچلا جائے۔

کورسیکن — ان کو دوسری سلطنت کے زمانے میں ژندارمی کی کافی جگہیں دی گئی تھیں۔ صفحہ ۱۷۸

۱۱۰ — ۲۲ جنوری ۱۸۷۱ء کو پیرس کے پرولتاریوں اور نیشنل گارڈوالوں نے بلانکی‌والوں کی ہدایت پر ایک انقلابی مظاہرہ کیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حکومت کو بےدخل کر کے کمیون قائم کیا جائے۔ قومی ڈیفنس کی حکومت نے حکم

جاری کیا اور بڑےتن گشتی دستے نے، جو ٹاؤن ہال کی حفاظت پر مامور تھا، مظاہرین پر گولی چلادی ۔ یوں دہشت سے انقلابی تحریک کو دبا لینے کے بعد حکومت نے پیرس دشمن کے حوالے کر دینے کی تیاری شروع کردی۔ صفحہ ۱۷۹

۱۱۱ — Sommations (منتشر ہونے کی وارننگ) — بہت سی بورژوا ریاستوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جلسے جلوس والوں کو تین بار وارننگ دی جاتی ہے کہ وہ منتشر ہو جائیں، اس پر بھی اگر لوگ نہ ہٹیں تو افسروں کو طاقت استعمال کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

بلوہ ایکٹ (Riot Act) — انگلینڈ میں ۱۷۱۵ء میں بنا تھا، اس کی رو سے بارہ آدمی سے زیادہ کا اجتماع خلاف‌قانون قرار پاتا تھا۔ اور یہ حکم تھا کہ اگر خاص وارننگ کے تین بار اعلان کئے جانے پر ایک گھنٹے کے اندر اندر منتشر نہ ہو تو حکومت کے آدمیوں کو طاقت استعمال کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ صفحہ ۱۸۰

۱۱۲ — ۳۱ اکتوبر کو جو واقعات گزرے (ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱۰۸) اس موقع پر ایک باغی کی رائے یہ تھی کہ قومی ڈیفنس کی حکومت کو گولی سے اڑا دیا جائے۔ لیکن فلورنس نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ صفحہ ۱۸۲

۱۱۳ — مارکس نے یہاں اس فرمان کا ذکر کیا ہے جو پیرس کمیون نے ۵ اپریل ۱۸۷۱ء کو یرغمال یا ضمانت کے آدمی پکڑنے کے متعلق جاری کیا تھا (مارکس نے وہ تاریخ دی ہے جب یہ فرمان انگریزی اخبارات میں شائع ہوا)۔ اس فرمان کی رو سے ایسے تمام لوگ جو وارسائی کی حکومت سے رابطہ رکھنے کے ملزم سمجھے جائیں، اگر ان پر الزام ثابت ہو جائے تو یرغمال میں پکڑے جائیں گے۔ اس تدبیر سے کمیون کی کوشش یہ تھی کہ اپنے آدمیوں کو وارسائی کے ہاتھوں مارے جانے سے بچالے۔ صفحہ ۱۸۳

۱۱۴ — «The Times» (''زمانے،،) — لندن کا مشہور قدامت‌پسند روزنامہ جو ۱۷۸۵ ء سے برابر نکل رہا ہے۔ صفحہ ۱۸۴

۱۱۵ — ''پشتینی منصب‌داری،، («Investiture») یہ سرکاری عہدہ‌دار مقرر کرنے کا ایک ایسا سسٹم ہے جس میں نیچے کے سرکاری ملازمین پوری طرح اوپر کے افسروں کے قبضہ قدرت میں ہوتے ہیں۔ صفحہ ۱۹۲

۱۱۶ — ژیروندیست — ۱۸ ویں صدی کے آخر میں فرانس کے بورژوا انقلاب کے وقت یہ ایک بورژوا سیاسی گروپ تھا، اعتدال پسندوں کے مفاد کا خیال رکھنےوالا، انقلابی اور انقلاب کی مخالف طاقتوں کے درمیان ڈانواڈول۔ اس گروپ نے شاہ‌پرستوں سے سمجھوتہ کرلیا۔ اس گروپ کا یہ نام پڑا ژیروندی حلقے کی وجہ سے کیونکہ جو لوگ اس حلقے سے چن کر قانون‌ساز اسمبلی میں اور قومی کنونشن میں آتے تھے، زیادہ‌تر وہی اس گروپ کے لیڈر تھے۔ صفحہ ۱۹۲

۱۱۷ — «Kladderadatsch» — اس نام کا ایک باتصویر جرمن مزاحیہ ہفتہ‌وار رسالہ برلن میں ۱۸۴۸ ء سے نکلتا تھا۔
«Punch, or the London Charivari» — لندن سے مزاحیہ ہفتہ‌وار ۱۸۴۱ ء سے شائع ہو رہا ہے جو ایک بورژوا آزادخیال پرچہ ہے۔ صفحہ ۱۹۳

۱۱۸ — یہاں مراد ہے پیرس کمیون کے اس فرمان سے جو ۱۶ اپریل ۱۸۷۱ ء کو نکلا تھا اور جس کی رو سے تمام قرضے آئندہ تین سال میں قسطوں سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور ان پر سارے سود منسوخ کر دئے گئے تھے۔ صفحہ ۱۹۷

۱۱۹ — ۲۲ اگست ۱۸۴۸ ء کو آئین‌ساز اسمبلی نے وہ مسودہ قانون نامنظور کر دیا تھا جس کی رو سے قرضے ملتوی کئے جاسکتے نتیجہ یہ نکلا کہ چھوٹی حیثیت کے کافی لوگ بری طرح تبا

ہوئے اور بڑے صاحب حیثیت لوگوں کے قرضوں میں پھنس کر بےبس ہو گئے۔ صفحہ ۱۹۷

۱۲۰ — Fréres Ignorantins ("بے علم بھائی") — یہ ایک مذہبی فرقہ تھا جس کی بنیاد ریمس کے مقام پر ۱۶۸۰ء میں رکھی گئی۔ اس فرقے کے لوگ عہد کرتے تھے کہ هم غریب گھروں کے بچوں کو تعلیم دیں گے۔ بچوں کو ان سے زیادہ تر دینی تعلیم هی ملا کرتی تھی، باقی تعلیم کے شعبے خالی رہ جاتے۔ اسی باعث بورژوا فرانس میں اس قسم کی ابتدائی تعلیم کو، جس کا معیار پست اور کردار دینی ہو، پھبتی کے طور پر مارکس نے "بے علم بھائی"، کہا رہے۔ صفحہ ۱۹۷

۱۲۱ — ڈپارٹمنٹوں کے ریپلکنوں کی انجمن — ایک سیاسی جماعت تھی جس میں چھوٹی بورژوازی کے وہ نمائندے شامل تھے جو فرانس کے مختلف حلقوں یا اضلاع (ڈپارٹمنٹوں) سے آئے ہوئے پیرس میں رہنے لگے تھے۔ انھوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ وارسائی حکومت، شاہ‌پرست قومی اسمبلی کے مقابلے پر نکل آئیں اور سارے اضلاع سے پیرس کمیون کی تائید کریں۔ صفحہ ۱۹۷

۱۲۲ — یہ ۲۷ اپریل ۱۸۲۵ء کے اس قانون کی طرف اشارہ هے جس کی رو سے ان تمام لوگوں کو، جو ملک چھوڑ کر نکل گئے تھے، بورژوا انقلاب فرانس کے زمانے میں ضبط کی ہوئی املاک اور جائداد کا معاوضہ دینا طے پایا تھا۔ صفحہ ۱۹۸

۱۲۳ — ویندوم کی لاٹ — یہ ۱۸۰۶ء اور ۱۸۱۰ء کے درمیان پیرس میں نصب کی گئی۔ نپولین نے جو فتوحات حاصل کیں ان کی یادگار کے طور پر مال غنیمت کی توپوں سے کانسی نکال کر یہ لاٹ ڈھالی گئی اور اس کے اوپر نپولین کا مجسمہ لگایا گیا۔ ۱۶ مئی ۱۸۷۱ء کو پیرس کمیون کے حکم سے یہ لاٹ زمین کے برابر کر دی گئی تھی لیکن ۱۸۷۵ء میں رجعت پرستوں کے غلبے نے اسے پھر اپنی جگہ جما دیا۔ صفحہ ۲۰۱

۱۲۴ — پکپیوس کی خانقاہ میں تلاشی لینے سے پتہ چلا کہ بعض راہباؤں کو برسوں بند کوٹھریوں میں قید رکھا گیا تھا اور جسمانی اذیتیں دینے کے اوزار بھی نکلے۔ سینٹ‌لارینت کے گرجا گھر میں ایک خفیہ قبرستان کا سراغ ملا جہاں مقتولین کو چپ چاپ دفن کر دینے کے ثبوت برآمد ہوئے۔ پیرس کمیون کے اخبار «Mot d'Ordre» (''پلول،،) نے ۵ مئی ۱۸۷۱ء کی اشاعت میں یہ واقعات پبلک تک پہنچائے۔ بعد میں ایک پمفلٹ بھی شائع کیا گیا «Les Crimes des congrégations religieuses» (''گرجا گھروں کے عملوں کے کرتوت،،) صفحہ ۲۰۲

۱۲۵ — Absentee — ان غیر حاضر تعلقہ‌داروں کے لئے بولا جاتا ہے جو کبھی بھولے بھٹکے ہی اپنی جاگیر کا دورہ کرتے تھے، زمین جائداد کا بندوبست یا تو ان کے ایجنٹ کیا کرتے، یا جوتداری کے طور پر کسی کو پٹے پر دے دی جاتی جو لگان بڑھا چڑھا کر اپنی طرف سے کسانوں کو دیا کرتا تھا۔ صفحہ ۲۰۳

۱۲۶ — جب لوئی شانزدہم ۱۶ کی حکومت نے ۲۰ جون ۱۷۸۹ء کو جنرل اسٹیٹس کے اجلاس میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی، کیونکہ اس ادارے نے خود کو قومی اسمبلی قرار دے دیا تھا، تو تیسرے سماجی درجے (یعنی بورژوازی) کے نمائندوں نے وارسائی محل کے اس ہال میں جو گیند کھیلنے کے لئے مقرر تھا، جمع ہو کر حلف اٹھایا کہ ہم جب تک آئین کا خاکہ تیار نہ کر لیں، یہیں ٹھیریں گے۔ یہ واقعہ بھی ایک سبب بن گیا جس سے ۱۸ ویں صدی کے آخر کا بورژوا انقلاب فرانس برپا ہوا۔ صفحہ ۲۰۵

۱۲۷ — Francs-fileurs کے لفظی معنی ہیں ''بے لگام مفرور،،۔ یہ بورژوازی کے ان لوگوں کا نام پڑ گیا تھا جو محاصرے کے زمانے میں پیرس چھوڑ کر نکل بھاگے تھے۔ فرانسیسی زبان کی ایک ترکیب francs-tireurs کی نسبت سے اس لفظ کی مزاحیہ

کیفیت ابھرتی ہے جس کے معنی ہیں ”تیر بےہدف،،۔ یہ ان فرانسیسی چھاپہ‌ماروں کا نام پڑ گیا تھا جو پروشیا کے مقابلے میں لڑ رہے تھے۔ صفحہ ۲۰۶

۱۲۸ — کوبلینتس — جرمنی کا ایک شہر ہے۔ ۱۸ویں صدی کے انقلاب فرانس کے زمانے میں یہ شہر بھاگے ہوئے جاگیردار اور بادشاہی کے حامیوں کا گڑھ بن گیا تھا جہاں سے وہ انقلابی فرانس پر چڑھائی کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ یہاں ملک سے باہر بنی ہوئی حکوست نے ڈیرا ڈالا تھا جس کا سربراہ ایک بدترین رجعت‌پرست، دی‌کلون تھا جو لوئی شانزدہم ۱۶ کی حکوست کا سابق وزیر رہ چکا تھا۔ صفحہ ۲۰۶

۱۲۹ — پیرس کمیون‌والے وارسائی کے ان فوجیوں کو ”شوآن،، کہتے تھے جن کی ہمدردیاں بادشاہی کے ساتھ تھیں اور جنھیں صوبہ‌بریتان میں بھرتی کیا گیا تھا۔ ان کی حالت بالکل ان باغیوں کی سی تھی جنھوں نے ۱۸ ویں صدی کے آخر میں انقلاب‌فرانس کے خلاف اور بادشاہی کی حمایت میں شمال‌مغربی فرانس سے سر اٹھایا تھا۔ صفحہ ۲۰۷

۱۳۰ — ”زوآو،، کے لفظ سے اس پاپائی گارڈ رجمنٹ کی طرف اشارہ ہے جس میں فرانسیسی شرفا کی اولاد بھری ہوئی تھی۔ اسے فرانس کے پیدل دستے کے انداز پر تربیت دے کر تیار کیا گیا تھا۔ ستمبر ۱۸۷۰ء میں جب پاپائے روم کے دنیاوی اختیارات کا خاتمہ کیا گیا تو پاپائی گارڈ کے پیدل دستے فرانس لائے گئے جہاں پہنچ کر انھوں نے پروشیا اور فرانس کی جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے بعد یہ رجمنٹ پیرس کمیون کو کچلنے کے لئے استعمال کی گئی۔ صفحہ ۲۰۷

۱۳۱ — پیرس میں پرولتاری انقلاب کے اثر سے، جب پیرس کمیون قائم ہو گیا، تو لیون اور مارسیلز میں بھی اسی قسم کی عام انقلابی کارروائیاں پھیلنے لگیں، لیکن انقلابی جلسے، جلوس اور مظاہروں کو سرکاری فوج نے بےدردی سے کچل ڈالا۔ صفحہ ۲۰۹

۱۳۲ — فوجی عدالت (کورٹ مارشل) کی کارروائی کے متعلق دیوفور نے قومی اسمبلی سے اس قاعدے کی منظوری لی تھی کہ جو مقدمات آئیں گے ان کی تحقیقات اور سزا کی تعمیل ۴۸ گھنٹے کے اندر کردی جائے گی۔ صفحہ ۲۱۰

۱۳۳ — انگلینڈ اور فرانس میں یہ تجارتی معاہدہ ۲۳ جنوری ۱۸۶۰ء کو ہوا تھا۔ معاہدے کے تحت طے پایا کہ فرانس چنگی کسٹم پر اپنی پابندیوں کی پالیسی ترک کر دے گا اور ان کی جگہ نئی امپورٹ ڈیوٹیاں (درآمد پر ٹیکس) لگایا کرے گا۔ نتیجہ یہ کہ فرانس میں انگلینڈ کا مال اس تیزی سے ڈھلنا شروع ہوا کہ خود ملک کے اندر انگریزی مال سے سخت مقابلہ کرنا پڑ گیا اور فرانسیسی کارخانہ‌داروں میں بےچینی پھیل گئی۔ صفحہ ۲۱۲

۱۳۴ — «Insurgent» — وہ لوگ جو حکومت کے مقابلے میں ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ صفحہ ۲۱۳

۱۳۵ — یہاں اشارہ ہے اس طرف کہ پہلی صدی قبل مسیح میں غلام‌دار رومن ریپلک میں جب بھی کوئی مشکل کا وقت آپڑتا تو دہشت کا بازار گرم کر دیا جاتا اور خوں‌ریزی کر کے شورش دبائی جاتی۔ باری باری کئی جنرلوں نے اس زمانے میں فوجی ڈکٹیٹری قائم کی : سولا کی ڈکٹیٹری (۸۲ سے ۷۹ ق م تک)؛ پہلی اور دوسری رومی تریوم‌ویرات (تین کی فوجی ڈکٹیٹری) (۶۰ سے ۵۳ اور ۴۳ سے ۳۶ ق م تک)۔ پہلی تریوم‌ویرات میں پومپئی، سیزر اور کراس کے نام آتے ہیں اور دوسری میں اوکتاویان، انتونئی اور لیپید کے نام۔ صفحہ ۲۱۵

۱۳۶ — «Journal de Paris» — اورلین‌والوں کا طرفدار، بادشاہی کا حامی ایک ہفتہ‌وار جو ۱۸۶۷ء میں پیرس سے نکلنا شروع ہوا۔ صفحہ ۲۱۶

۱۳۷ — اگست ۱۸۱۴ء میں جب انگلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جنگ چل رہی تھی، برطانوی فوجوں نے واشنگٹن قبضہ کرکے

''کیپٹول،، (امریکی کانگرس کی عمارت) کو ، وھائٹ ھاؤس کو اور راجدھانی کی کئی دوسری پبلک عمارتوں کو پھونک ڈالا۔

اکتوبر ۱۸۶۰ ء میں جب برطانیہ اور فرانس نے چین سے جنگ چھیڑی تو برطانوی اور فرانسیسی فوجوں نے چینی شہنشاھوں کے گرما محل کو، جو چینی آرٹ اور فن تعمیر کا ایک نایاب خزانہ تھا، پہلے لوٹ‌سار کی اور پھر جلا ڈالا۔ صفحہ ۲۱۸

۱۳۸ — ۱۸۱۲ ء کے موسم خزاں میں جب نپولین نے چڑھائی کی تو ماسکووالوں نے شہر کے اچھے خاصے علاقے کو آگ لگادی تاکہ دشمن کی فوج کو مکان اور خوراک کی آسانی نصیب نہ ھو۔ صفحہ ۲۱۹

۱۳۹ — پری‌ٹورین فوجی — روم قدیم میں سپہ‌سالار یا شہنشاہ کا خاص گارڈ۔ یہ پری‌ٹورین اکثر اندرونی شورشوں میں شریک ھوتے اور اپنی پسند کے آدمی کو تخت پر بٹھا دیا کرتے تھے۔ صفحہ ۲۲۰

۱۴۰ — مارکس نے پروشیا کی اسمبلی کو فرانسیسی ایوان‌نمائندگان سے مشابہت کی خاطر «Chambre introuvable» (انوکھا دربار) کہا ھے۔ یہ اسمبلی جس کا چناؤ ۱۸۴۹ ء کے جنوری فروری میں ھوا تھا، دو ایوانوں سے مل کر بنی تھی۔ پہلے ایوان میں خاص حقوق‌والے شرفا آئے اور یہ ''ایوان شرفا،، کہلایا، دوسرے کے لئے انتخاب دو مرحلوں سے گزرا اور صرف وھی پروشیائی اس میں حصہ لے سکے جنھیں ''آزاد،، کہا جاتا تھا۔ بسمارک اس دوسرے ایوان میں چن کر آیا اور انتہائی رجعت‌پرست ''یونکر،، گروہ کے لیڈروں میں شمار ھونے لگا۔ صفحہ ۲۲۱

۱۴۱ — «The Daily News» — لبرل انگریزی روزنامہ جو صنعتی بورژوا کا ترجمان تھا۔ لندن میں ۱۸۴۶ ء سے ۱۹۳۰ ء تک اسی نام سے نکلتا رہا۔ صفحہ ۲۲۶

۱۴۲ — «Le Temps» — فرانس کا قدامت‌پسند روزنامہ ، بڑی بورژوازی کا ترجمان۔ پیرس میں ۱۸۶۱ ء سے ۱۹۴۳ ء تک شائع ہوتا رہا۔ صفحہ ۲۲۶

۱۴۳ — «The Evening Standard» — قدامت‌پسند انگریزی اخبار «Standard» کا شام کا ایڈیشن - ۱۸۵۷ ء سے ۱۹۰۵ ء تک لندن میں شائع ہوتا رہا۔ صفحہ ۲۲۷

۱۴۴ — یہ خط مارکس اور اینگلس نے لکھا تھا۔ صفحہ ۲۲۷

۱۴۵ — سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد (L'Alliance de la Démocratie Socialiste) — یہ جماعت ۱۸۶۸ ء میں باکونین نے جنیوا میں قائم کی تھی۔ اس کے پروگرام میں صاف اعلان کیا گیا تھا کہ ہم تمام طبقوں کی مساوات اور اسٹیٹ کے خاتمے کے حق میں ہیں۔ اس ''الائینس،، کے ممبر اس بات کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ مزدور طبقہ سیاسی جدوجہد میں اترے۔ ''الائینس،، کے چھوٹی بورژوازی‌والے نراجی (انارکسٹ) پروگرام کو اٹلی ، سوئٹزرلینڈ ، اسپین اور دوسرے ملکوں کے ان علاقوں سے تائید نصیب ہوئی جہاں صنعت پست درجے میں تھی۔ ۱۸۶۹ ء میں اس جماعت نے پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل سے اپیل کی کہ وہ اسے اپنے اندر شامل کرلے۔ انٹرنیشنل‌والوں نے اس شرط پر ''الائینس،، کی الگ الگ شاخوں کا داخلہ منظور کیا کہ وہ خود کو علاحدہ جماعت کی حیثیت سے توڑ کر شامل ہوں۔ تاہم جب انٹرنیشنل سے منسلک ہو چکے تب بھی ''الائینس،، کے ممبروں نے انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کے اندر اپنی خفیہ تنظیم باقی رکھی اور ان کے لیڈر کی حیثیت سے باکونین نے جنرل کونسل پر نکتہ‌چینی اور حملوں کا ایک طومار باندھ دیا۔ پیرس کمیون کا ٹوٹنا تھا کہ یہ مہم اور تیز کر دی۔ باکونین اور اس کے ماننے‌والوں نے پرولتاری ڈکٹیٹری کے نظریے کو قطعی رد کرکے یہ کہنا شروع کیا کہ مزدور طبقے کی ایک الگ سیاسی

پارٹی بنانے کے کوئی معنی نہیں ہوتے ، ایسی پارٹی جو جمہوری مرکزیت کے اصولوں پر قائم کی گئی ہو ۔ آخر جب پہلی انٹرنیشنل کی کانگرس ستمبر ۱۸۷۲ ء میں ہیگ میں منعقد ہوئی تو زبردست اکثریت کے ساتھ " الائینس " کے لیڈروں — باکونین اور گیلیوم کو انٹرنیشنل سے خارج کر دیا گیا ۔ صفحہ ۲۲۸

۱۴۶ — «The Spectator» — آزادخیال انگریزی ہفتہوار ، جو لندن میں ۱۸۲۸ ء سے برابر شائع ہوتا رہا ۔ صفحہ ۲۲۹

۱۴۷ — پہلی انٹرنیشنل کی لندن کانفرنس ۱۷ سے ۲۳ ستمبر ۱۸۷۱ ء تک چلتی رہی ۔ یہ ایسا زمانہ تھا ، جب پیرس کمیون کی شکست کے بعد ہر طرف انٹرنیشنل والوں پر مظالم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اس لئے لندن کانفرنس میں حاضری بہت تھوڑی رہی : ۲۲ ڈیلی گیٹ ایسے تھے جنھیں ووٹ کا حق حاصل تھا اور ۱۰ کو اظہار رائے کا حق تھا ، ووٹ کا نہیں ۔ جن ملکوں سے ڈیلی گیٹ نہیں آسکے ، ان کی نمائندگی جنرل کونسل میں ان ملکوں کے سکریٹریوں نے کی ۔ مارکس نے اس کانفرنس میں جرمنی کی نمائندگی کی اور اینگلس نے اٹلی کی ۔

مارکس اور اینگلس ایک پرولتاری پارٹی کی بنیاد رکھنے کے لئے جو کوششیں کئے جا رہے تھے ، ان میں لندن کانفرنس کا خاص مقام ہے ۔ کانفرنس نے ایک تجویز پاس کی " مزدور طبقے کی سیاسی کارروائی " پر اور اس تجویز کا اصل حصہ ، ہیگ کانگرس کے فیصلے کے مطابق (ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱۵۲) انٹرنیشنل ورکنگ‌مینز ایسوسی‌ایشن کے عام قواعد وضوابط میں شامل کر لیا گیا ۔ اس کانفرنس میں پرولتاری پارٹی کے سلسلے میں کئی نہایت اہم عملی تدبیروں اور تنظیمی اصولوں کا فیصلہ ہوا جس سے فرقہ‌بندی اور اصلاح‌پسندی پر سخت ضرب لگی ۔ لندن کانفرنس نے انارکزم اور موقع‌پرستی کے مقابلے میں پرولتاری ذمہ‌داری کے اصولوں کو سنوانے میں اپنی اہمیت ثابت کردی ۔ صفحہ ۲۳۱

۱۴۸ — مارکس کی تصنیف '' گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر ،، ۱۸۷۵ ء میں تیار ہوئی تھی - جرمنی کی متحدہ مزدور پارٹی کا پروگرام کیا ہونا چاھئے ، اس پر مارکس نے تنقیدی روشنی ڈالی ھے - جو خاکہ '' گوتھا پروگرام ،، کے نام سے بنایا گیا تھا اس میں فاش غلطیاں بھی تھیں اور لاسال کے خیالات سے سمجھوتہ بھی - مارکس اور اینگلس کو یہ تو قبول تھا کہ جرمنی کی ایک متحدہ سوشلسٹ پارٹی بنے لیکن لاسال‌والے نظریے کو اپنے پروگرام میں داخل کرنا گوارا نہیں تھا ، انھوں نے اس سمجھوتہ‌بازی پر کڑی تنقید کی - '' گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر ،، میں مارکس نے سائنسی کمیونزم کے اھم سوالوں پر کئی بہت ھی کارآمد خیالات کو ایک واضح شکل دی ھے — مثلاً اشتراکی انقلاب ، پرولتاری ڈکٹیٹری ، سرمایہ‌داری نظام سے کمیونزم کی طرف آنے کا عبوری دور ، کمیونسٹ سماج کے دو مرحلوں ، سوشلزم آنے پر پیداوار اور تقسیم کا مسئلہ ، کمیونزم کی بنیادی خصوصیات ، پرولتاری بین‌اقوامیت اور مزدور طبقے کی پارٹی -

مارکس نے اس تصنیف میں اسٹیٹ اور پرولتاری ڈکٹیٹری پر بھی اپنا نظریہ بہت وضاحت سے پیش کیا ھے - یہیں اس نے یہ خیال بھی آگے بڑھایا ھے کہ سرمایہ‌داری سے کمیونزم میں داخل ہوتے ، یا اس مرحلے کو عبور کرتے وقت ایک خاص مقام سے گزرنا تاریخ کا لازمہ ھے جس سے کوئی مفر نہیں - اور یہ خاص مقام ھے اسٹیٹ (ریاست) کی وہ شکل جسے مارکس '' پرولتاریہ کی انقلابی ڈکٹیٹری ،، کہتا ھے - لینن نے اس مقالے کے بارے میں اظہارخیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ '' مارکس نے جو وضاحت پیش کی ھے ، اس کی زبردست اھمیت اس نکتے میں ھے کہ یہاں بھی وہ مادی جدلیات کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ھے ، ارتقا کے نظریے سے کام لیتے ہوئے کمیونزم کو ایسی چیز قرار دیتا ھے جو سرمایہ‌داری میں سے نکلتی ھے - کتابی علم سے سوچی ہوئی ' ایجادبندہ ' قسم کی

علمی تعریفوں کے پل باندھنے کے بجائے ، لاحاصل لفظوں کی تکراریں پڑنے کے بجائے (مثلاً یہ کہ سوشلزم کیا ہے ، کمیونزم کیا ہے) مارکس نے اس بات کا تجزیہ کرکے دکھا دیا جسے ہم کمیونزم کی معاشی پختگی کے مختلف درجے یا مرحلے کہہ سکتے ہیں ۔ ،، صفحہ ۲۳۳

۱۴۹ — اینگلس نے یہ دیباچہ مارکس کی تصنیف ،، گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر ،، کی ۱۸۹۱ء والی اشاعت کے لئے لکھا تھا ۔ پارٹی پالیسی کے بیان پر اس قابل‌قدر دستاویز کی اشاعت کا بیڑا اینگلس نے اس خیال سے اٹھایا کہ جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں جو موقع‌پرستوں کا زور ہو گیا ہے ، اسے اسی تصنیف سے توڑا جائے ۔ وقت کے لحاظ سے یہ نہایت اہم کارنامہ تھا ، کیوں کہ آئرفرٹ کے مقام پر جو پارٹی کانگرس ہونےوالی تھی ، اسے گوتھا پروگرام کی جگہ ایک نیا پروگرام بحث‌مباحثے سے طے کرنے اور اختیار کرنے کا مسئلہ درپیش تھا ۔ جب اس تصنیف کو پریس کے لئے تیار کرنے کی نوبت آئی تو سوشل ڈیموکریٹک لیڈروں کی طرف سے اینگلس کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ۔ «Die Neue Zeit» اخبار کے پبلشر دیتز نے اور اس کے ایڈیٹر کاؤتسکی نے اینگلس سے اصرار کیا کہ وہ کچھ حصے چھانٹ دے ، کہیں کہیں تبدیلی کرے اور اینگلس کو ان کی بات ماننی پڑی ۔ جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے عام ممبروں نے اور دوسرے ملکوں کے سوشلسٹوں نے مارکس کی اس تصنیف کی قدر کی اور اسے انٹرنیشنل اشتراکی تحریک کے لئے پارٹی پالیسی کی ایک قابل قدر دستاویز شمار کیا ۔ ،، گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر ،، کے ساتھ اینگلس نے مارکس کا وہ خط بھی منسلک کر دیا جو ۵ مئی ۱۸۷۵ء کو براکے کے نام لکھا گیا تھا اور جس کا اس تصنیف سے براہ‌راست تعلق تھا ۔

اینگلس کے جیتے جی اس تصنیف کا یہی ایک ایڈیشن ، اسی دیباچے کے ساتھ نکلا تھا ۔ بعد میں سوویت یونین سے ۱۹۳۲ء

میں ”گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر“، پہلی بار اصل کے مطابق شائع ہوا۔ صفحہ ۲۳۳

۱۵۰ — ۲۲ سے ۲۷ مئی ۱۸۷۵ ء تک گوتھا کے مقام پر کانگرس ہوئی تو وہاں جرمن مزدور طبقے کی تحریک میں دو رجحانوں کے لوگ جمع تھے: آگسٹ بیبل اور ولہلم لیبکنیخت کی رہنمائی میں سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی‌والے (جو آئزی‌ناخ والوں کا گروپ تھا) اور لاسال کے حامیوں میں جرمن جنرل ورکرز یونین‌والے (ملاحظہ ہو نوٹ ۱۵۳) ۔ جرمنی کی سوشلسٹ ورکرز پارٹی میں یہ دونوں متحد ہو گئے ۔ جرمن مزدور طبقے میں جو اختلافات چلے آ رہے تھے وہ یہاں پہنچ کر تمام ہو گئے۔ متحدہ پارٹی کے لئے پروگرام کے جس خاکے پر مارکس اور اینگلس نے ایسی کٹیلی تنقید کی تھی، وہ معمولی سی ترمیموں کے بعد کانگرس نے منظور کر لیا۔ صفحہ ۲۳۳

۱۵۱ — ۱۸۹۰ ء میں ۱۸ — ۱۲ اکتوبر تک ہالے کے مقام پر جرمن سوشل ڈیموکریٹک کانگرس منعقد ہوئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ نئے پروگرام کا خاکہ تیار کر کے، آئیرفرٹ میں ہونے‌والی کانگرس سے تین مہینے پیشتر شائع کر دیا جائے تاکہ اس پر مقامی پارٹی تنظیموں میں اور اخبارات میں کھل کر بحث ہو سکے ۔ صفحہ ۲۳۳

۱۵۲ — انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن کی کانگرس ہیگ میں ۱۸۷۲ ء میں ۲ اور ۷ ستمبر کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کانگرس میں پندرہ قومی پارٹیوں (ملکوں) کی طرف سے ۶۵ ڈیلی گیٹ آئے تھے۔ مارکس اور اینگلس نے کانگرس کی تمام کارروائیوں میں رہنمائی کا فرض انجام دیا تھا ۔ یہ دونوں رہنما اور ان کے حامی جو برسوں سے اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مزدور طبقے کی تحریک سے چھوٹی حیثیت کے بورژوا لوگوں کی تنگ‌نظری یا فرقہ‌بندی کی ہر شکل کو دور کر

دیں ، اس کانگرس میں وہ کوششیں اپنے انجام کو پہنچیں۔ انارکسٹوں (نراجیوں) کی تفرقہ‌پسندی کی حرکتوں سے بیزاری کا اظہار کرکے ، ان کے لیڈروں کو انٹرنیشنل سے نکال دیا گیا۔ ھیگ میں ہونےوالی اس کانگرس نے یہ راہ ھموار کر دی کہ مختلف ملکوں میں مزدور طبقے کی آزاد سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں اور آزادانہ اپنا کام کریں۔ صفحہ ۲۳۴

۱۵۳ — آئزی‌ناخ کے مقام پر جرمنی ، آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے سوشل ڈیموکریٹوں کی کانگرس ۱۸۶۲ ء میں ۷ سے ۹ اگست تک ہوئی تھی۔ وھیں جرمن سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی کا قیام عمل میں آیا اور شریک ہونےوالوں کو آئزی‌ناخ‌والے (Eisenachers) کہنے لگے۔ اس کانگرس میں جو پروگرام منظور ہوا وہ بڑی حد تک پہلی انٹرنیشنل کے پیش کئے ہوئے اصولوں سے مطابقت رکھتا تھا۔ صفحہ ۲۳۵

۱۵۴ — یہاں حوالہ ھے باکونین کی تصنیف کا ” ریاستی نظام اور نراج ،، («Statehood and Anarchy») جو سوئٹزرلینڈ سے ۱۸۷۳ ء میں شائع ہوئی تھی۔ صفحہ ۲۳۵

۱۵۵ — ” تعطیل کے بعد ،، کا مطلب ھے کہ کچھ تاخیر کے ساتھ۔ گوتھا کی اتحاد کانگرس ۱۸۷۵ ء میں ۲۲ سے ۲۷ مئی تک چلی۔ لاسال‌والوں کی کانگرس اس سے زرا پہلے مئی میں ہو چکی تھی ، اور آئزی‌ناخ‌والوں نے اپنی کانگرس بعد میں ۸ جون کو ھمبرگ میں کی۔ صفحہ ۲۳۶

۱۵۶ — امن اور آزادی کی لیگ — سوئٹزرلینڈ میں ۱۸۶۷ ء میں چھوٹی بورژوازی کے رپبلکنوں اور لبرلوں (آزادخیال لوگوں) نے یہ ایک بورژوا صلح‌پسند جماعت قائم کی تھی۔ یہ لوگ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ” ریاست‌ھائے متحدہ یورپ ،، بنالی جائے تو جنگوں کا امکان دور کیا جا سکتا ھے۔ اپنے اس پرچار سے امن اور آزادی کی لیگ نے عوام کو خوش‌فہمی میں مبتلا

کیا اور پرولتاریہ کو طبقاتی جدوجہد سے بھٹکانے کی کوشش کی۔ صفحہ ۲۵۲

۱۵۷ — «Norddeutsche Allgemeine Zeitung» — یہ رجعت‌پرست روزنامہ برلن میں ۱۸۶۱ء سے ۱۹۱۸ء تک نکلتا رہا۔ ۱۸۶۰ء کی دھائی اور ۱۸۸۰ء کے درمیان وہ بسمارک کی گورنمنٹ کا سرکاری ترجمان تھا۔ مارکس نے یہاں ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے جو اس اخبار میں ۲۰ مارچ ۱۸۷۵ء کو شائع ہوا تھا۔ صفحہ ۲۵۳

۱۵۸ — مالتھوس کی ایک مشہور تصنیف ہے ''آبادی کے قاعدے پر ایک مقالہ،، (Malthus «An Essay on the Principle of Population») جہاں وہ بنیادی قاعدہ پیش کرتا ہے کہ محنت کشوں کے افلاس کا سبب گویا یہ ہے کہ لوگوں کی آبادی اقلیدسی حساب (in geometrical progression) سے بڑھنے کی طرف مائل رہتی ہے، حالاں‌کہ ضروریات‌زندگی کا سامان بہت بڑھے تو بھی حسابی نسبت (arithmetical progression) سے بڑھ سکتا ہے۔ صفحہ ۲۵۴

۱۵۹ — «L'Atelier» (''مستری خانہ،،) — یہ ماہنامہ پیرس میں ۱۸۴۰ء سے ۱۸۵۰ء تک نکلتا رہا۔ دستکاریوں، کاری گروں اور مسیحی اشتراکی خیالات کے لوگوں کا ترجمان تھا۔ صفحہ ۲۵۷

۱۶۰ — «Kulturkampf» (''تہذیبی جدوجہد،،) — یہ نام بورژوا لبرلوں نے اصلاحات کے اس سسٹم کو دیا تھا جو بسمارک کی حکومت نے پچھلی صدی کی آٹھویں دھائی میں یہ کہہ کر جاری کی تھیں کہ سکیولر کلچر (غیر مذہبی تہذیب) پھیلانے کی خاطر اختیار کی جارہی ہیں۔ لیکن ابھی دس سال نہ گزرے تھے کہ رجعت‌پرست طاقتوں کا پایہ مضبوط کرنے کی خاطر ان اصلاحات کا بیشتر حصہ منسوخ کر دیا گیا۔ صفحہ ۲۶۳

۱۶۱ — آگسٹ بیبل کے نام اینگلس نے یہ خط ۱۸ سے ۲۸ مارچ ۱۸۷۵ ء کے درمیان لکھا تھا ، اور اس کا گہرا سمبندھ ہے مارکس کی تصنیف " گوتھا پروگرام پر تنقیدی نظر " سے ۔ اس خط میں جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی جو متحد ہونےوالی تھی ، اس کے پروگرام کے خاکے پر اینگلس نے اپنی اور مارکس کی مشترکہ رائے ظاہر کی ہے ۔ سمجھوتے کے اس خاکے میں ، جس میں لاسال کے اندھے عقیدوں کا پورا ڈھانچہ داخل ہو گیا تھا ، اسٹیٹ کے متعلق موقع پرستی کا بیوہار رکھا گیا تھا ، اور پرولتاری انٹرنیشنلزم کے اصولوں کو مٹی میں ملا دیا گیا تھا — اسے اینگلس نے اپنی بےباک اور بےلاگ تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔ صفحہ ۲۶۶

۱۶۲ — «Frankfurter Zeitung und Handelsblatt» (" فرینکفرٹ اخبار اور تجارتی پرچہ ") — یہ چھوٹی بورژوازی کا ایک جمہوری روزنامہ تھا جو ۱۸۵۶ ء سے شائع ہونا شروع ہوا (۱۸۶۶ ء میں اسی نام سے) اور ۱۹۴۳ ء تک نکلتا رہا ۔ صفحہ ۲۶۸

۱۶۳ — اینگلس نے یہاں گوتھا پروگرام کے خاکے کی حسب‌ذیل مدوں کا حوالہ دیا ہے :

" جرمن ورکرز پارٹی کی طرف سے اسٹیٹ کی آزاد بنیادوں کے بطور ان باتوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ : (۱) ۲۱ سال اور اس سے اوپر کے تمام مردوں کو ، تمام انتخابات میں ، چاہے وہ قومی ہوں یا مقامی ، برابر کا حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ خفیہ بیلٹ کے ذریعے براہ‌راست ووٹ دیا کریں ۔ (۲) لوگوں کو براہ‌راست قانون‌سازی کا حق حاصل ہو ، وہ قانون کا مسودہ پیش بھی کر سکیں اور اسے رد بھی کر سکیں ۔ (۳) فوجی تربیت عام ہونی چاہئے ۔ موجودہ باقاعدہ فوج کی جگہ عوامی ملیشیا (فوجی تربیت‌یافتہ رضاکار) کو ملنی چاہئے ؛ جنگ یا امن کا فیصلہ عوام کی نمائندہ اسمبلی کے ہاتھ میں ہونا چاہئے ۔ (۴) ہر قسم کے غیرمعمولی قانون ہٹائے جائیں ،

خاص کر وہ جو اخبارات، انجمن اور جلسے پر پابندی لگاتے ھیں۔ (۵) عدالت عوام کے ھاتھ میں ھو۔ عدالتی چارہ‌جوئی پر کوئی خرچ نہ آنا چاھئے۔

"جرمن ورکرز پارٹی کی طرف سے اسٹیٹ کی ذھنی اور اخلاقی بنیادوں کے بطور ان باتوں کا مطالبہ کیا جاتا ھے کہ: (۱) تمام لوگوں کے لئے مفت اور مساوی پبلک تعلیم کا بندوبست اسٹیٹ کرے، تعلیم سب کے لئے لازمی ھو اور مفت ھو۔ (۲) سائنسی یا علمی فکر کو آزادی ھو، ضمیر یا عقیدے کی آزادی ھو۔" صفحہ ۲۶۸

۱۶۴ — یہاں فرانس اور پروشیا کی اس جنگ کی طرف اشارہ ھے جو ۱۸۷۰ء—۱۸۷۱ء میں ھوئی تھی۔ صفحہ ۲۶۸

۱۶۵ — یہاں مراد ھے براکے کی کتاب "لاسال کی تجویز" سے («Der Lassalle'sche Vorschlag». Braunschweig, 1873) صفحہ ۲۷۰

۱۶۶ — «Demokratisches Wochenblatt» (ڈیموکریٹک ھفتہ‌وار) — جرمن مزدوروں کا اخبار تھا جو لیپزگ میں جنوری ۱۸۶۸ ء سے ستمبر ۱۸۶۹ ء تک نکلا۔ ولہلم لیبکنیخت اس کا ایڈیٹر تھا۔ اس اخبار نے جرمن سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی بنوانے میں بڑی خدمت انجام دی۔ ۱۸۶۹ ء میں جب آئزی‌ناخ مقام پر پارٹی کانگرس ھوئی تو اسی اخبار کو پارٹی کا مرکزی ترجمان بنا کر اس کا نام رکھا گیا «Volksstaat»۔ مارکس اور اینگلس اس اخبار کے لئے لکھا کرتے تھے۔ صفحہ ۲۷۳

۱۶۷ — "فطرت کی جدلیات" («Dialectics of Nature») اینگلس کی اھم تصنیفوں میں شمار ھوتی ھے۔ ۱۹ویں صدی کے وسط تک فطرت کے علم (نیچرل سائنسوں) میں جو اھم دریافتیں ھوئی تھیں، مصنف نے ان کا جدلیاتی مادی تجزیہ پیش کیا ھے۔ مادی جدلیات کو وضاحت سے پیش کرنے کے علاوہ ان

تصورات کا تنقیدی تجزیہ بھی کر دیا ہے جو نیچرل سائنس میں مابعد الطبیعیات اور عینیت کا نظریہ رکھتے ہیں۔

''فطرت کی جدلیات،، لکھتے وقت جو مواد تیار ہوا تھا، وہ اینگلس کے جیتے جی شائع نہیں ہوا تھا۔ یہ مکمل تصنیف پہلی بار سوویت یونین سے ۱۹۲۵ء میں شائع کی گئی۔ اصل جرمن عبارت اور ساتھ ھی اس کا روسی ترجمہ بیک وقت کتابی شکل میں نکلا۔ صفحہ ۲۷۷

۱۶۸ — اوجیائی اصطبل (Augean stables) — یہاں اینگلس نے یورپی زبانوں کا ایک محاورہ استعمال کیا ہے جو یونان قدیم کی داستانوں سے چلا آرہا ہے۔ ایلید کے بادشاہ اوجیی کے اصطبل میں سالہاسال کا گند جمع ہو گیا تھا، ہرکولیس (ہرقل) نے اسے ایک دن میں صاف کر ڈالا۔ کیچڑ اور گند کے ڈھیر یا بدنظمی اور انتہائی بےپروائی کے لئے یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ صفحہ ۲۷۹

۱۶۹ — پادری لوتھر کی عبادت میں یہ بھجن آتا ہے:
«Ein feste Burg ist unser Gott» (اے پروردگار ہماری صداقت قبول ہو)۔ جرمن شاعر ہنرخ ہائنے نے اپنی تصنیف ''جرمنی میں مذھب اور فلسفے کی تاریخ پر،، میں اس بھجن ''دور اصلاح (Reformation) کا مارسیلیئز رجز،، قرار دیا ہے۔ صفحہ ۲۷۹

۱۷۰ — کوپرنیکس کو اپنی اس تصنیف کی کاپی ۲۴ مئی ۱۵۴۳ء کو اس روز ملی جب مرنے میں کچھ گھنٹے رہ گئے تھے۔ اس تصنیف میں (اجرام فلکی کی گردش کے بارے میں) کوپرنیکس نے کائنات میں سورج کے گرد ہر وجود کی گردش کا نظام پیش کیا ہے۔ صفحہ ۲۸۰

۱۷۱ — ۱۸ ویں صدی کی کیمسٹری میں یہ نظریہ رائج تھا کہ جسموں کے اندر ایک خاص قسم کا آتش گیری مادہ (Phlogiston) پہلے سے موجود ہوتا ہے اور آگ پکڑنے کے وقت وہ نکل پڑتا

ہے۔ ممتاز فرانسیسی عالم کیمیا لاووآزئے نے اس تصور کی غلطی پکڑی۔ اس نے بتایا کہ جلتی ہوئی کوئی چیز جب کسی وجود میں آکسی جن سے ملتی ہے تو اس کے اثر سے آگ لگ جاتی ہے، جسے ہم آگ پکڑنے کا عمل کہتے ہیں۔ صفحہ ۲۸۲

۱۷۲ — دینیات یا Theology میں فقہ اور اصول فقہ دونوں شامل ہیں یعنی مذہبی تعلیمات، عقیدوں اور اخلاقیات کو ایک باقاعدہ اصول میں پرو کر ''علمی بنیاد،، سے استوار کیا جائے۔ صفحہ ۲۸۴

۱۷۳ — یہاں مراد ہے اس غیر علمی، عینیت پرست (idealist) نظرئیے سے جس کا کہنا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ مشیت ایزدی میں پہلے سے موجود ہے۔ اس سے مذاہب کے نقطۂ نظر کو تائید حاصل رہی ہے اور اب بھی ہے۔ صفحہ ۲۸۴

۱۷۴ — کانٹ کی تصنیف جو مصنف کا نام دئے بغیر ۱۷۵۵ء میں شائع ہوئی تھی «Allgemeine Naturgeschichte und Theorie des Himmels» (''عام فطری تاریخ اور افلاک کا نظریہ،،)۔ اس کتاب میں کانٹ نے خلا کی زندگی کے بارے میں اپنا یہ قیاس ظاہر کیا تھا کہ نظام شمسی کسی ابتدائی دھند کے ہیولے سے بن کر ابھرا ہے۔ لپلاس نے نظام شمسی کی تشکیل کے متعلق اپنا قیاس، اپنی تصنیف کے بالکل آخری باب میں وضاحت سے ظاہر کیا۔ تصنیف کا نام تھا: «Exposition du système du monde» (''کائنات کے نظام کا بیان،،، جلد اول — دوم، پیرس، ۱۷۹۶ء)۔ صفحہ ۲۸۴

۱۷۵ — انسائیکلوپیڈسٹ (قاموسی علما یا علم کی روشنی پھیلانے والے)۔ ۱۸ ویں صدی کے آخر میں انقلاب فرانس سے زرا پہلے کے وہ فرانسیسی بورژوا علما جنھوں نے فن و ہنر کے جامع علوم قاموس (Encyclopaedia of Arts and Crafts) شائع کرنے کی خاطر اپنی قوتیں یکجا کرلی تھیں۔ اس کتابی سلسلے کا چیف ایڈیٹر مشہور مادیت پسند فلسفی دیدرو تھا۔ اگرچہ ان لوگوں کے

سیاسی اور فلسفیانہ خیالات میں اختلاف رہا ، تاہم بعض باتوں میں وہ ہم‌خیال تھے ، مثلاً جاگیرداری سے بیزاری ، تیسرے سماجی گروہ (چھوٹی حیثیت کے اور معمولی کاروباری ، پیشہ‌ور لوگوں) کو حقوق دئے جانے کی تبلیغ جس کی سربراھی بورژوازی کر رھی تھی ، قرون وسطی کے مذھبی‌فلسفے اور کتھولک کلیسا سے انکار — ان سب میں مشترک تھا۔ اینگلس نے ان کی سرگرمیوں کا بیان اپنی تصنیف ”یوٹوپیائی اور سائنسی سوشلزم،، میں کیا ھے (جو اس سلسلے کے حصہٴسوم میں شامل ھے)۔ صفحہ ۲۸۵

۱۷۶ — انگریز سائنس‌داں اسحاق نیوٹن نے اپنی تصنیف ”نیچرل سائنس کے حسابی اصول،، کی کتاب سوم ”عام نظریہ،، میں جو خیال ظاھر کیا ھے، یہاں اس کی طرف اشارہ ھے۔ نیوٹن کے اسی خیال کا حوالہ دیتے ھوئے فلسفی ھیگل نے اپنی کتاب ”فلسفیانہ سائنس کا قاموس،، میں یہ لکھا تھا : ”نیوٹن نے ... صاف صاف فزیکس (طبیعیات) کو خبردار کیا ھے کہ وہ مابعد الطبیعیات کی طرف نہ پھسل پڑے...،، صفحہ ۲۸۶

۱۷۷ — Amphioxus (جسے Lancelet بھی کہتے ھیں) مچھلی جیسا پانی کا جانور ھے۔ ریڑھ کی ھڈی‌والے اور بےھڈی کے جانداروں کے بیچ کی مخلوق جو سمندروں اور بحراعظم میں پائی جاتی ھے۔ Lepidosiren بھی ایک قسم کی مچھلی ھے جس کے پھیپھڑے بھی ھوتے ھیں اور گل پھڑے بھی۔ جنوبی امریکہ میں ملتی ھے۔ صفحہ ۲۹۰

۱۷۸ — Ceratodus (سینگ جیسے دانت‌والی) ایک قسم کی مچھلی، اس کے بھی پھیپھڑے اور گل پھڑے ھوتے ھیں۔ آسٹریلیا میں پائی جاتی ھے۔

Archaeopteryx ریڑھ کی ھڈی‌والا ایسا جانور جو پرندوں کی اس قدیم‌ترین قسم کا نمائندہ زمین میں دبا رہ

گیا ھے جس میں اڑنے کے علاوہ رینگنے کی بھی خصوصیات موجود تھیں۔ صفحہ ۲۹۰

۱۷۹ — یہ ک۔ وولف کے اس تحقیقی مقالے کی طرف اشارہ ھے: «Theorie generationis» (''ابتدا کا نظریہ،،) جو ۱۷۵۹ ء میں شائع ھوا تھا۔ صفحہ ۲۹۰

۱۸۰ — چارلس ڈارون کی تصنیف «Origin of Species» (''نوعوں کی ابتدا،،) ۱۸۵۹ ء میں نکلی۔ صفحہ ۲۹۱

۱۸۱ — Protista — سائنس‌داں هیکیل کی درجه بندی کے مطابق ایک خلیئے اور بےخلیے کے جانداروں کی عام اور پھیلی ھوئی قسم۔ نباتات اور حیوانات، جو بہت سے خلیئے رکھتے ھیں، ان کے علاوہ یہ جانداروں کی تیسری قسم ھے جو عالم فطرت میں نامیاتی جسم رکھتی ھے۔ صفحہ ۲۹۱

۱۸۲ — Eozoon canadense — جاندار جسم کی ایک بالکل ابتدائی حالت میں پڑی ھوئی یہ قسم کناڈا میں ملی ھے۔ لیکن جرمن ماهر حیوانات میوبی‌اوس نے ۱۸۷۸ ء میں اس کو جاندار جسم ماننے سے انکار کیا ھے۔ صفحہ ۲۹۴

ناموں کا اشاریہ

— ا —

اسپارتیرو (Espartero) ، بالدومیرو (۱۷۹۳ء — ۱۸۷۹ء) — ہسپانوی جنرل اور مدبر۔ ۱۸۴۱ — ۴۳ء میں ریجنٹ رہا۔ پھر ۱۸۵۴ء سے دو سال کے لئے حکومت کا سربراہ ہو گیا تھا۔ یہ بھی بورژوا ترقی‌پسندوں (progressists) کی پارٹی کا لیڈر تھا۔ صفحہ ۱۶۷

اسپینوزا (Spinoza) ، باروخ بینےدکت (۱۶۳۲ء — ۱۶۷۷ء) — ہالینڈ کا شہرۂآفاق مادیت‌پسند فلسفی دہریہ۔ صفحہ ۲۸۴

اسمتھ (Smith)، آدم (۱۷۲۳ء — ۱۷۹۰ء) — مشہور انگریز ماہرمعاشیات جس نے بورژوا کلاسیکی سیاسی معاشیات کی بنیاد ڈالنے میں کار نمایاں انجام دیا۔ صفحات ۳۲، ۵۱، ۵۲، ۸۴

آفرے (Affre)، دینی اوگوست (۱۷۹۳ء — ۱۸۴۸ء) — فرانسیسی روحانی پیشوا۔ ۱۸۴۰ء سے آٹھ سال تک پیرس کا لاٹ پادری رہا۔ جون ۱۸۴۸ء کی بغاوت کے دنوں میں سرکاری فوج کے سپاہیوں کی گولی سے ہلاک ہوا۔ صفحہ ۲۲۱

اقلیدس (Euclid) (چوتھی صدی ق‌م کے آخر اور تیسری صدی ق‌م کے اول میں) — یہ قدیم یونان کا لازوال ریاضی‌داں گزرا ہے۔ صفحہ ۲۸۱

الیکساندر دوم (Alexander II) (۱۸۱۸ء — ۱۸۸۱ء) — روسی شہنشاہ جس نے ۱۸۸۱ء تک ۲۶ سال حکومت کی۔ صفحہ ۱۰۵

الیکساندرا (Alexandra) (۱۸۴۴ء — ۱۹۲۵ء) — ڈچ بادشاہ کرسٹیان نہم کی بیٹی۔ ۱۸۶۳ء سے پرنس آف ویلز کی اور پھر ۱۹۰۱ء سے شاہ انگلستان ایڈورڈ ہفتم کی بیوی رہی۔ صفحہ ۱۷۹

اورکارٹ (Urquhart)، داؤد (۱۸۰۵ء — ۱۸۷۷ء) — انگریز ڈپلومیٹ، رجعت‌پرست سیاسی شخصیت، ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۲ء تک برطانوی پارلیمنٹ کا ممبر۔ صفحہ ۲۹

اورلین خاندان (Orleans) — فرانس کا ایک شاہی خاندان جو ۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۸ء تک صاحب اختیار رہا۔ صفحات ۱۵۸، ۱۷۱، ۲۰۹، ۲۱۱

اورلین شاہزادہ — ملاحظہ ہو لوئی فلپ۔

اوریل دی پلادین (Aurelle de Paladines)، لوئی ژاں باتیست دے (۱۸۰۴ء — ۱۸۷۷ء) — فرانسیسی جنرل، کلیسائی حلقے کا آدمی تھا۔ مارچ ۱۸۷۱ء میں اس نے پیرس کے نیشنل گارڈ کی کمان کی۔ اسی سال وہ قومی اسمبلی کا بھی ممبر تھا۔ صفحات ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۷

اوکن (Oken)، لورینز (۱۷۷۹ء — ۱۸۵۱ء) — جرمن نیچرلسٹ اور نیچرل فلسفی۔ صفحہ ۲۹۰

اووین (Owen)، رابرٹ (۱۷۷۱ء — ۱۸۵۸ء) — انگلستان کا مشہور یوٹوپیائی سوشلسٹ۔ صفحات ۲۶، ۱۱۹

آئر (Auer)، اگناتس (۱۸۴۶ء — ۱۹۰۷ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے اہم لیڈروں میں سے تھا، کئی بار جرمن رائخ‌ستاگ (پارلیمنٹ) کا ممبر چنا گیا۔ بعد میں اصلاح پسندی کا حامی ہو کر رہ گیا۔ صفحہ ۲۳۵

اینگلس (Engels) ، فریڈرک، ۱۸۲۰ء سے ۱۸۹۵ء تک زندہ رہا۔ صفحات ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۰۳ ، ۱۲۱ ، ۱۳۰ ، ۲٦٦ ، ۲۷۳ ، ۲۷۸ ، ۲۸۲ ، ۲۸۵

— ب —

بارٹن (Barton) ، جان (۱۸ویں صدی کے آخر سے ۱۹ویں صدی کے اول تک) — انگریز اکانوسسٹ ، بورژوا کلاسیکی سیاسی معاشیات کا نمائندہ۔ صفحہ ۸۵

باکونین ، میخائیل الیکساندرووچ (۱۸۷٦ء — ۱۸۱۴ء) — روسی ڈیموکریٹ، مضمون‌نگار ، جس نے جرمنی میں ۴۹ — ۱۸۴۸ ء کے انقلاب میں حصہ لیا۔ انارکزم (نراج‌پسندی) کا ایک اہم نظریہ‌ساز۔ پہلی انٹرنیشنل میں اس نے مارکس‌ازم کی سخت مخالفت کی۔ جب ہیگ میں ۱۸۷۲ ء کی کانگرس ہوئی تو اسے تفرقہ‌پردازی کے الزام میں انٹرنیشنل کی ممبری سے خارج کر دیا گیا۔ صفحات ۱۱۹ ، ۲۳۴ ، ۲۷۳

براکے (Bracke) ، ولہلم (۱۸۸۰ء — ۱۸۴۲ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، آئزناخ کے پروگرام کا حامی ، جو سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی کے بانیوں اور رہنماؤں میں شامل تھا۔ مارکس اور اینگلس سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔ لاسال کے حامیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ صفحات ۲۳۳ ؛ ۲۳۷ — ۲۳۵ ، ۲۷۰

برائٹ (Bright) ، جان (۱۸۸۹ء — ۱۸۱۱ء) — انگریز مل مالک ، آزاد تجارت کا حامی۔ اناج کے قانونوں کی مخالف لیگ بنوانے‌والا۔ ۱۸٦۰ء کے بعد سے وہ لبرل پارٹی کا ایک لیڈر رہا اور لبرل حکومتوں میں وزارت کے عہدے سنبھالے۔ صفحہ ۱۰۷

برژیرے (Bergeret) ، ژول وکٹر (۱۹۰۵ء — ۱۸۳۹ء) — پیرس کمیون کا ایک اہم نام۔ نیشنل گارڈ کا جنرل تھا ، بعد میں ترک‌وطن کر دیا۔ صفحہ ۱۸۰

برونو (Bruno) ، جیوردانو (۱۵۴۸ء — ۱۶۰۰ء) — اطالیہ کا مشہور مادیت‌پسند مفکر ، جو اپنے ملحدانہ خیالات پر قائم رہا اور مسیحیت کی احتسابی عدالت نے اسے زندہ جلوا دیا۔ صفحہ ۲۸۰

برونیل (Brunel) ، آن‌توآن مگلوآر (پیدائش ۱۸۳۰ء) — فرانسیسی فوجی افسر ۔ بلانکی کا حامی۔ پیرس کمیون کے وقت میں نیشنل گارڈ کی مرکزی کمیٹی کا ممبر تھا۔ مئی ۱۸۷۱ ء میں وارسائی‌والوں کے حملے میں بری طرح زخمی ہوا۔ صفحہ ۲۲۶

بسمارک (Bismark) ، اوٹو (۱۸۱۵ء — ۱۸۹۸ء) — پرنس تھا جس نے پروشیا اور جرمنی کی سیاسی زندگی میں تاریخی نام پیدا کیا۔ پروشیائی امرا کا نمائندہ۔ پہلے ۱۸۷۱ء — ۱۸۶۲ء میں پروشیا کا منسٹر پریسیڈنٹ رہا ، پھر جرمن سلطنت کا چانسلر ہو گیا اور ۱۸۹۰ء تک اس عہدے پر رہا۔ صفحات ۱۲۳ ، ۱۲۷ ، ۱۴۴ ، ۱۵۵ ، ۱۶۳ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱ ، ۱۷۴ ، ۱۹۳ ، ۲۰۳ ، ۲۰۶ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۲۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۹ ، ۲۵۱ ، ۲۵۳ ، ۲۷۵

بطلیموس (Ptolemy) ، کلاودی (دوسری صدی) — یونان قدیم کا ماہر علم ریاضی ، ماہر فلکیات ، جغرافیہ‌داں ، جس نے سب سے پہلے زمین کی مرکزیت کا وہ نظام سوچا (heliocentric theory) جسے نظام بطلیموس کہتے ہیں۔ صفحہ ۲۸۱

بلانشے (Blanchet)، استانیسلاف (اصلی نام تھا پوریل) ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوا فرانسیسی راہب۔ پولیس کا خاص آدمی، جو پیرس کمیون میں شامل ہو گیا تھا۔ راز کھلنے پر گرفتار کر لیا گیا۔ صفحہ ۲۰۳

بلانکی (Blanqui) ، لوئی اوگوست (۱۸۰۵ء — ۱۸۸۱ء) — فرانسیسی انقلابی ، قیاسی (یوٹوپیائی) کمیونسٹ۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے زمانے میں فرانس کی جمہوری اور پرولتاری تحریک کے انتہائی بائیں‌بازو پر رہا اور زندگی میں کئی بار سزائے‌قید کاٹی۔ صفحات ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۱۳۶ ، ۱۷۳ ، ۱۷۸ ، ۲۲۰

بوناپارٹ — ملاحظہ ہو آگے نپولین سوم۔

بے ایر (Baer)، کارل ارنسٹ (کارل میکسمووچ) (۱۷۹۲ء — ۱۸۷۶ء) —
عالم فطرت کا مشہور روسی سائنس‌داں، جس نے تشکیلی کیفیت (embryonic stage) کا پتہ لگایا۔ جرمنی اور روس میں علمی کام کرتا رہا۔ صفحہ ۲۹۰

بیبل (Bebel)، آگسٹ (۱۸۴۰ء — ۱۹۱۳ء) — بین‌اقوامی اور جرمن مزدور تحریک کا ایک اہم لیڈر۔ ۱۸۶۷ء سے وہ جرمن ورکرز ایسوسی‌ایشن کا رہنما، پہلی انٹرنیشنل کا ممبر اور جرمن پارلیمنٹ کا ممبر رہا۔ جرمن سوشل ڈیموکریسی کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔ مارکس اور اینگلس کا دوست اور رفیق کار۔ دوسری انٹرنیشنل میں بھی سرگرم رہا۔ صفحات ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۷۶ — ۲۹۶

بیری دے (Berry)، ماریا کرولینا فرڈیننڈا لوئیزا (۱۷۹۸ء — ۱۸۷۰ء) — خود نواب‌زادی اور گراف شمبور کی ماں۔ فرانسیسی تخت‌وتاج کی Legitimist دعویدار۔ ۱۸۳۲ء میں اس نے لوئی فلپ کا تختہ الٹنے کی نیت سے ویندیئے کے مقام پر شورش برپا کرانی چاہی تھی۔ صفحہ ۱۶۵

بیکر (Becker)، برن‌هارڈ (۱۸۲۶ء — ۱۸۹۱ء) — جرمن اهل قلم اور مورخ۔ لاسال کے خیالات کا حامی تھا، بعد میں آئزناخ‌والوں سے مل گیا۔ صفحہ ۲۳۷

بیلے (Beslay)، شارل (۱۷۹۵ء — ۱۸۷۸ء) — فرانسیسی کارخانہ‌دار اور سیاسی لیڈر، انٹرنیشنل کا ممبر، پرودھوں کا حامی۔ پیرس کمیون کے وقت مالیاتی کمیشن کا ممبر۔ بینک آف فرانس میں ایک ڈیلی‌گیٹ تھا، بینک کے قومی ملکیت بنائے جانے کے حکم کی سیاسی مخالفت کی اور اس کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دئے جانے پر زور دیا۔ صفحہ ۱۷۰

بیوشے (Buchez) ، فلپ (۱۷۹۶ء — ۱۸۶۵ء) — فرانسیسی سیاست‌دان اور مورخ ، بورژوا ریپلکن ، جس نے کرسچین سوشلزم کا نظریہ ایجاد کرنے میں نام پایا۔ صفحہ ۲۰۷

— پ —

پرنسس آف ویلز — دیکھئے الیکساندرا۔

پالیکاؤ —(Palikao) ملاحظہ ہو کوزین مونٹے‌بان۔

پرودھوں (Proudhon) ، پیئر ژوزف (۱۸۰۹ء سے ۱۸۶۵ء) — مشہور فرانسیسی ماہر معاشیات‌وعمرانیات۔ چھوٹی بورژوازی کا نظریہ‌ساز۔ انارکزم یا نراج کا نظریہ تیار کرنے‌والوں میں وہ بھی تھا۔ صفحات ۱۲ ، ۱۱۹ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۲۷۲

پویے کرتییے (Pouyer-Quertier) ، اگوستین توما (۱۸۲۰ء — ۱۸۹۱ء) — فرانس کا بڑا مل مالک اور سیاسی لیڈر۔ ۱۸۷۱ء — ۷۲ میں وزیرمالیات رہا۔ صفحات ۱۷۳ ، ۲۱۲

پیات (Pyat) ، فیلکس (۱۸۱۰ء — ۱۸۸۹ء) — فرانسیسی مضمون نگار ، چھوٹی بورژوازی کا ڈیموکریٹ۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب میں شریک ہوا اور اگلے سال ترک‌وطن کر گیا۔ لندن میں فرانسیسی سیکشن کو استعمال کر کے مارکس اور انٹرنیشنل کے خلاف کئی سال تک جھوٹا سچا پروپیگنڈا کرتا رہا۔ یہ شخص بعد میں پیرس کمیون میں شریک ہوا۔ صفحہ ۲۳۲

پیک ، (Pic) ، ژول — فرانسیسی اخبارنویس۔ لوئی بوناپارٹ کا حامی ، اخبار «Etendard» کا مینجنگ ڈائرکٹر۔ صفحہ ۱۶۴

پی‌کار (Picard) ، ابژین آرتھر (پیدائش ۱۸۲۵ء) — فرانس کا ایک سیاسی رہنما اور اسٹاک اکسچینج کا بروکر۔ معتدل خیالات کا بورژوا ریپلکن۔ صفحہ ۱۶۴

پی کار (Picard) ، ارنسٹ (۱۸۷۷ء — ۱۸۲۱ء) — فرانس کا مشہور وکیل اور سیاست‌داں، معتدل خیالات کا بورژوا رپبلکن ، قومی ڈیفنس کی حکومت میں وزیر مالیات (۱۸۷۰ — ۷۱ء) ، تیئر کی حکومت میں وزیر داخلہ رہا (۱۸۷۱ء) ، کمیون کے خون ناحق میں شریک تھا۔ ایژین آرتھر اس کا بھائی تھا۔ صفحات ۱٦۴ ، ۱۷۳ ، ۱۸۲ ، ۲۲۳

پیکر (Pecqueur) ، کونستانتین (۱۸۰۱ء — ۱۸۸۷ء) — فرانسیسی اکانومسٹ (ماہر معاشیات)، سماجی یوٹوپیائی۔ صفحہ ۹۲

پین (Péne) ، آنری دی (۱۸۳۰ء — ۱۸۸۸ء) — فرانسیسی اخبار نویس ، موروثی بادشاہی کا حامی۔ پیرس میں ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو جو مخالف انقلاب کارروائی ہوئی اس میں آگے آگے تھا۔ صفحہ ۱۸۰

پیئتری (Pietri) ، ژوزف ماری (۱۸۲۰ء — ۱۹۰۲ء) — فرانس کا سیاسی لیڈر۔ لوئی برناپارٹ کا حامی۔ ۱۸٦٦ — ۷۰ء کے برسوں میں پیرس کا پولیس‌پریفیکٹ۔ صفحات ۱۴۴ ، ۲۰۷

— ت —

تاسیت (Tacitus) ، پوبلی کارنیلی (تقریباً ۵۵ء سے تقریباً ۱۲۰ء تک زندہ رہا) — روم کا عظیم مورخ، جس کی تصانیف ''جرمنی،، ، '' تاریخ ،، ، «Annals» مشہور ہیں۔ صفحہ ۲۱٦

تائفیر (Taillefer) جس نے بوناپارٹ کے اخبار «Etendard» کی اشاعت کے سلسلے میں بہت جوڑ توڑ دکھائے۔ صفحہ ۱٦۴

تروشیو (Trochu)، لوئی ژول (۱۸۱۵ء — ۱۸۹٦ء) — فرانسیسی جنرل اور سیاست‌داں، اورلین کی بادشاہی کا حامی، قومی ڈیفنس کی حکومت کا صدر۔ ستمبر ۱۸۷۰ء سے جنوری ۱۸۷۱ء تک پیرس کی ہتھیاربند فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ اور شہر کے بچاؤ

میں اندر سے رخنہ ڈالا۔ ۱۸۷۱ء کی قومی اسمبلی کا ممبر بھی رہا۔ صفحات ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۰، ۱۷۶، ۲۱۹

تمیزیے (Tamisier)، فرانسوا لوران الفونس (۱۸۰۹ء—۱۸۸۰ء) — فرانسیسی جنرل اور سیاسی شخصیت، رپبلکن، پیرس کے نیشنل گارڈ کی کمان ستمبر سے نومبر ۱۸۷۰ء تک اسی کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۸۷۱ء میں قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ صفحہ ۱۷۸

توری‌چیلی (Torricelli)، ایوانجیلستا (۱۶۰۸ء—۱۶۴۷ء) — اطالیہ کا زبردست ماہر طبیعیات و ریاضی۔ صفحہ ۲۸۲

ٹوک (Took)، تھومس (۱۷۷۴ء—۱۸۵۸ء) — انگریز بورژوا ماہر معاشیات، کلاسیکی معاشیات سے تعلق رکھتا ہے۔ ریکارڈو کے نظریہ‌زر کا نکتہ‌چین۔ صفحات ۲۶، ۵۲

تولین (Tolain)، آنری لوئی (۱۸۲۸ء—۱۸۹۷ء) — فرانس کا مشہور کندہ‌کار، پرودھوں کا داھنے بازووالا حامی، انٹرنیشنل کے پیرس سیکشن کے لیڈروں میں سے تھا۔ ۱۸۶۵ء میں لندن کی کانفرنس میں ڈیلی‌گیٹ ہوکر آیا اور کئی کانفرنسوں میں شریک ہوا۔ ۱۸۷۱ء میں قومی اسمبلی کے لئے چنا گیا۔ پیرس کمیون کے وقت کمیون سے کٹ کر وارسائی‌والی حکومت سے مل گیا اور انٹرنیشنل سے نکالا گیا۔ صفحہ ۱۸۴

تھارن‌ٹن (Thornton)، ولیم تھامس (۱۸۱۳ء—۱۸۸۰ء) — انگریز بورژوا ماہر معاشیات۔ صفحہ ۸۱

تھامس (Thomas)، کلیماں (۱۸۰۹ء—۱۸۷۱ء) — فرانسیسی سیاست‌داں، فوجی جنرل، معتدل بورژوا رپبلکن، جون ۱۸۴۸ء کی بغاوت کے کچلنے میں بڑھ کر حصہ لیا۔ نومبر ۱۸۷۰ء—فروری ۱۸۷۱ء تک پیرس کے نیشنل‌گارڈ کی کمان سنبھالے رہا۔ شہر کے ڈیفنس میں دغا سے کام لیتا رہا اور آخر ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کو باغی سپاھیوں نے اسے گولی سے اڑا دیا۔ صفحات ۱۷۷، ۱۸۴، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۳

تیمورلنگ (۱۳۳۶ء — ۱۴۰۵ء) — وسط ایشیا کا مشہور سپہ‌سالار اور جنگجو ، جس نے مشرق میں عظیم‌الشان سلطنت قائم کی۔ صفحہ ۱۸۳

تیولکے (Tölcke) ، کارل ولہلم (۱۸۱۷ء — ۱۸۹۳ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ ، لاسال‌والوں کی کل‌جرمن ورکرز ایسوسی‌ایشن کے لیڈروں میں سے تھا۔ صفحات ۲۶۶ ، ۲۷۴

تیئر (Thiers) ، ادولف (۱۷۹۷ء — ۱۸۷۷ء) — فرانس کا بورژوا مورخ اور ریاستی معاملات میں سرگرم ، ۵۱ — ۱۸۴۹ء میں قانون‌ساز اسمبلی کا ممبر۔ اورلین‌والوں کا حامی ، ۷۳ — ۱۸۷۱ء میں ریپبلک کا صدر رہا۔ پیرس کمیون کو خون میں ڈبونےوالا۔ صفحات ۱۲۹ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۵ ، ۱۶۷ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۷ ، ۱۸۱ ، ۱۸۳ ، ۲۰۷ ، ۲۰۸ ، ۲۰۹ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۲۰

— ج —

جونس (Jones) ، رچرڈ (۱۷۹۰ء — ۱۸۵۵ء) — انگریز بورژوا ماہر معاشیات۔ سیاسی معاشیات کا کلاسیکی مکتب‌فکر اس کی تحریروں میں زوال‌آمادہ اور منتشر نظر آتا ہے۔ تاہم کئی سوالوں میں اس کی نگاہ ریکارڈو سے آگے پہنچی ہے۔ صفحہ ۸۵

جوؤل (Joule) ، جیمس پریسکوٹ (۱۸۱۸ء — ۱۸۸۹ء) — انگریز ماہر طبیعیات جس نے برقی مقناطیسی اور حرارت پر تحقیق کی۔ صفحہ ۲۸۸

— د —

دانتے (Dante) ، الی گیئری (۱۲۶۵ء — ۱۳۲۱ء) — اطالیہ کا عظیم شاعر۔ صفحات ۱۳ ، ۹۴

دربوئی (Darboy)، جارج (۱۸۱۳ء — ۱۸۷۱ء) — فرانسیسی فقیہ۔
۱۸٦۳ء سے پیرس کا لاٹ پادری تھا۔ مئی ۱۸۷۱ء میں ضمانتی قیدی (یرغمال) کی حیثیت سے پیرس کمیون کی گولی کا شکار ہوا۔
صفحات ۱۳۲، ۲۲۰

دوال (Duval)، ایمیل وکٹر (۱۸۴۱ء — ۱۸۷۱ء) — فرانس کی مزدور تحریک میں ایک اہم شخصیت، پیشے کے لحاظ سے ڈھلائی مزدور، انٹرنیشنل کا ممبر، نیشنل‌گارڈ کی مرکزی کمیٹی اور پیرس کمیون کا ممبر، نیشنل گارڈ کا جنرل۔ ۴ اپریل ۱۸۷۱ء کو قید ہوا اور وارسائی فوج نے اسے گولی مار دی۔ صفحہ ۱۸۲

دومبروفسکی، یاروسلاف (۱۸۳٦ء — ۱۸۷۱ء) — پولینڈ کا انقلابی ڈیموکریٹ جس نے ۱۹ ویں صدی کی ساتویں دھائی میں پولینڈ کی قومی آزادی کی تحریک میں بڑھ کر حصہ لیا تھا، بعد میں پیرس کمیون کے وقت مئی ۱۸۷۱ء کے شروع سے تمام ھتھیاربند طاقت کی کمان سنبھال لی اور لڑتے ہوئے ھی جان دے دی۔
صفحہ ۲۰۰

دوئے (Douay)، فیلکس (۱۸۱٦ء — ۱۸۷۹ء) — فرانسیسی جنرل جو سیدان میں قید ھوا تھا، بعد میں پیرس کمیون پر وارسائی کی فوج لے کر بڑھا اور قتل‌وغارت‌گری میں آگے آگے رہا۔ صفحہ ۲۱۴

دیمارے (Desmaret) — فرانس‌کا ژندارمی (سیاسی پولیس) افسر جس نے فلورنس کو قتل کیا۔ صفحہ ۱۸۲

دیورير (Dürer)، البرخت (۱۴۷۱ء — ۱۵۲۸ء) — ریناساں (نشاۃ ثانیہ) کے‌زمانے کا عظیم جرمن مصور۔ صفحہ ۲۷۹

دیوفور (Dufaure)، ژول آرمان استانیسلس (۱۷۹۸ء — ۱۸۸۱ء) — فرانسیسی قانون‌داں اور مدبر، اورلین‌والوں کا حامی، ۱۸۴۸ — ۴۹ء میں وزیرداخلہ رہا۔ ۱۸۷۱ء سے ۱۸۷۹ء تک تین بار وزیر عدل رہا۔ یہ نام بھی پیرس کمیون کے قاتلوں میں شامل ھے۔ ۱۸۷٦ء

میں اور پھر ۷۹–۱۸۷۷ء میں وزیراعظم بھی ہوا۔ صفحات ۱۷۳، ۱۸۱، ۲۰۸، ۲۰۹

— ڈ —

ڈالٹن (Dalton)، جان (۱۸۴۴ء – ۱۷٦٦ء) — مشہور انگریز عالم طبیعیات اور ماہر کیمیا، جس نے کیمسٹری میں ذرات کے تجزیے کا نظریہ آگے بڑھایا۔ صفحہ ۲۸۹

ڈیکارٹ (Descartes)، رینے (۱٦۵۰ء – ۱۵۹٦ء) — فرانس کا ثنویت‌پسند (dualist) فلسفی، ماہر علم ریاضی و طبیعیات۔ صفحہ ۲۸۱

— ر —

رام (Ramm)، ہرمن — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، اخبار «Volksstaat» (عوامی ریاست) کے ایڈیٹوریل بورڈ میں شامل تھا (۱۸۷۵ء)۔ صفحہ ۲۷۵

روبس‌پیری (Robespierre)، میکسی‌میلین (۱۷۹۴ء – ۱۷۵۸ء) — اٹھارویں صدی کے آخر میں انقلاب فرانس کی زبردست شخصیت۔ جیکوبی گروہ کا لیڈر، ۹۴ – ۱۷۹۳ء میں انقلابی حکومت کا سربراہ۔ صفحہ ۲۵

روبینے (Robinet)، ژاں فرانسوا ایژین (۱۸۹۹ء – ۱۸۲۵ء) — فرانسیسی مورخ، positivist۔ ۷۱ – ۱۸۷۰ء کے محاصرے کے زمانے میں پیرس کے ایک حلقے کا میئر تھا۔ صفحہ ۲۲۳

روز (Rose)، جارج (۱۸۱۸ء – ۱۷۴۴ء) — ٹوری خیالات کا انگریز مدبر۔ ۱۷۸۲ء سے ۱۸۰۱ء تک دو بار چانسلر آف اکس‌چیکر (وزیر مالیات) رہا۔ صفحہ ۸۱

ریکارڈو (Ricardo)، ڈیوڈ (۱۸۲۳ء – ۱۷۷۲ء) — انگریز ماہر معاشیات۔ بورژوا کلاسیکی سیاسی معاشیات کا سب سے اہم نمائندہ۔ صفحات ۴۲، ۸۴، ۸۵، ۲۷۰

ریمزے (Ramsey) ، جارج (۱۸۷۱ء — ۱۸۰۰ ء) — انگریز ماہر معاشیات، بورژوا کلاسیکی سیاسی معاشیات کا ایک آخری ترجمان - صفحہ ۸۵

روسو (Rousseau) ، ژاں ژاک (۱۷۷۸ء — ۱۷۱۲ء) — فرانس کا مشہور روشن‌خیال ، جمہوریت‌پسند ، خالق کا عقیدہ (* Deism) رکھنے‌والا فلسفی ، اور عملی اصلاحات میں سرگرم حصہ لینے‌والا ، چھوٹی بورژوازی کا نظریہ‌ساز - صفحہ ۲۳۰

— ز —

زیمرمین (Zimmermann) ، ولہلم (۱۸۷۸ء — ۱۸۰۷ء) — جرمن مورخ ، چھوٹی بورژوازی کا جمہوریت‌پسند نمائندہ ، جس نے ۴۹ — ۱۸۴۸ء کے انقلاب میں شرکت کی - فرینکفرٹ کی قومی اسمبلی کا بائیں‌بازو کی طرف سے ممبر تھا - ”جرمنی میں کسانوں کی جنگ کی تاریخ“ کا مصنف - صفحات ۱۰۱ ، ۱۰۲

— ژ —

ژاکمے (Jacquemet) — فرانسیسی پادری ، ۱۸۴۸ء میں پیرس کے بڑے پادری کا نائب اعظم - صفحہ ۲۲۱

ژوبر (Jaubert) ، اپولیت فرانسوا گراف (۱۸۷۴ء — ۱۷۹۸ء) — فرانس کی سیاست میں ایک نمایاں حیثیت کا مالک ، موروثی بادشاہی کا حامی ، ۱۸۴۰ء میں سماجی معاملات کا وزیر رہا - ۱۸۷۱ ء کی قومی اسمبلی کا ممبر چنا گیا - صفحہ ۲۲۳

سروے (Servetus) ، میگیل (۱۵۵۳ء — ۱۵۱۱ء) — پیشے سے طبیب تھا - اسپین کا وہ زبردست عالم، جس نے نشاۃ‌ثانیہ کے دور میں دوران‌خون کے سلسلے میں اہم انکشاف کئے - صفحہ ۲۸۰

---

* Deism — یہ فلسفیانہ مذہبی عقیدہ کہ خداوند عالم خالق کائنات ہے ، لیکن تخلیق کے بعد دنیا اپنے اندرونی نظام کے مطابق چلتی رہتی ہے -

— س —

سسماندی (Sismondi)، ژاں شارل لیونار سموند دے (۱۸۴۲ء — ۱۷۷۳ء) — سوئٹزرلینڈ کا ماہر معاشیات، سرمایہ‌داری نظام کا نکتہ چین چھوٹی بورژوازی کے نقطۂ نظر سے۔ صفحہ ۸۵

سولا (Sulla)، لوسی کارنیلی (۱۳۸ سے ۷۸ ق م) — روم کا مشہور سپہ‌سالار اور مدبر، سفیر بھی رہا اور بعد میں (۸۲ سے ۷۹ ق م) ڈکٹیٹر ہوگیا۔ صفحات ۱۷۰، ۲۱۵

سیسے (Saisset)، ژاں (۱۸۷۹ء — ۱۸۱۰ء) — فرانس کا ایڈمرل (امیر بحریہ) اور سیاسی لیڈر۔ موروثی بادشاہی کا حامی، ۲۰ — ۲۵ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیرس کے نیشنل گارڈ کا سپہ‌سالار۔ ۱۸ مارچ کو ہونے‌والے پرولتاری انقلاب کو کچلنے کے لئے اس نے تمام رجعت‌پرست طاقتوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۷۱ء میں قومی اسمبلی کا ممبر بھی تھا۔ صفحہ ۱۸۱

سیککی (Secchi)، انجیلو (۱۸۷۸ء — ۱۸۱۸ء) — فلکیات کا اطالوی عالم، جس نے علم ہئیت میں اپنے کارناموں سے لافانی شہرت حاصل کی۔ یسوعی فرقے سے تعلق تھا۔ صفحات ۲۹۲، ۲۹۸، ۳۰۰

سیموں (Simon)، ژول (۱۸۹۶ء — ۱۸۱۴ء) — فرانس کا مشہور مدبر، معتدل بورژوا ریپبلکن، ۱۸۷۰ — ۷۳ء میں وزیر تعلیم بھی رہا۔ پیرس کمیون کے خلاف زورآزمائی پر ابھارنے‌والوں میں سے تھا۔ ۱۸۷۶ — ۷۷ء میں وزیراعظم کا عہدہ بھی سنبھالا۔ صفحہ ۱۷۳

سین‌سائمن (Saint-Simon)، آنری (۱۸۲۵ء — ۱۷۶۰ء) — فرانس کا زبردست یوٹوپیائی اشتراکی۔ صفحات ۱۱۹، ۲۸۵

سیوزن (Susane)، لوئی (۱۸۷۶ء — ۱۸۱۰ء) — فرانسیسی جنرل، وزارت جنگ میں توپخانے کا انچارج تھا، اس نے فرانس کی فوجی تاریخ پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ صفحہ ۱۶۲

— ش —

شاپیر (Schaper)، فون — پروشیائی رجعت‌پرست نوکرشاہی کا ایک نمائندہ۔ رائن صوبے کا ۴۵ — ۱۸۴۲ء میں لارڈ لفٹننٹ تھا۔ صفحہ ۸

شربولیئے (Cherbuliez)، آنتوآن ایلیزے (۱۸۶۹ء — ۱۷۹۷ء) — سوئٹزرلینڈ کا ماہر معاشیات، سسماندی کا پیروکار۔ صفحہ ۸۵

شنگارنیے (Changarnier)، نکولا آن تیودیول (۱۸۷۷ء — ۱۷۹۳ء) — فرانسیسی جنرل اور بورژوا سیاسی لیڈر، شاہی کا حامی۔ جون ۱۸۴۸ء کی بغاوت کے بعد پیرس کی چھاونی فوج اور نیشنل گارڈ کا کمانڈر۔ ۱۳ جون ۱۸۴۹ء کو پیرس کے جلوس کو درہم برہم کرنے میں اسی کا ہاتھ تھا۔ صفحہ ۱۸۱

شولتسے دیلیچ (Schulze-Delitzsch)، ہرمن (۱۸۸۳ء — ۱۸۰۸ء) — جرمن سیاسی رہنما، اور گھٹیا بورژوا معاشیات کا ماہر۔ ۱۸۴۸ء میں پروشیا کی قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ ۱۸۶۰ء والی دہائی میں بورژوازی کی ترقی‌پسند پارٹی کا ایک لیڈر تھا۔ اس نے کوآپریٹیو سوسائٹیوں کا جھمیلا کھڑا کرکے مزدوروں کی توجہ انقلابی سرگرمی کی طرف سے پھیرنے کی پوری کوشش کی۔ صفحہ ۸۹

شیکسپئیر (Shakespeare)، ولیم (۱۶۱۶ء — ۱۵۶۴ء) — لافانی انگریز ڈرامہ نگار۔ صفحات ۸۲، ۲۷۴

— ف —

فاور (Favre)، ژول (۱۸۸۰ء — ۱۸۰۹ء) — فرانسیسی بیرسٹر اور سیاست‌داں، معتدل بورژوا ریپبلکن کے لیڈروں میں شمار ہوتا ہے۔ ۷۱ — ۱۸۷۰ء میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے اس نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور صلح کرنے کی گفت‌وشنید کی۔ پیرس کمیون کے قاتلوں میں اور پھر انٹرنیشنل کے خلاف ہنگامہ برپا کرانے میں

اس کا نام نمایاں ہے۔ صفحات ۱۴۲ ، ۱۶۴ — ۱۶۱ ، ۱۶۹ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۲۰۳ ، ۲۱۲ ، ۲۳۰ — ۲۲۷ ، ۲۳۲

فرانکیل (Frankel) ، لیو (۱۸۹۶ء — ۱۸۴۴ء) — ھنگری کی اور بین اقوامی مزدور تحریک میں اھم حیثیت کا مالک۔ پیرس کمیون کا ممبر ، لیبر اور اکسچینج کمیشن کا صدر رھا۔ پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کا ۷۲ — ۱۸۷۱ء میں ممبر رھا۔ ھنگری کی جنرل ورکرز پارٹی کا بانی مبانی ، مارکس اور اینگلس کا رفیق کار۔ صفحہ ۲۰۰

فرینکلین (Franklin) ، بنجامن (۱۷۹۰ء — ۱۷۰۶ء) — امریکی سیاست کی مشہور تاریخی شخصیت ، سائنس داں اور ڈپلومیٹ ، بورژوا جمہوریت پسند ، جس نے شمالی امریکہ کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صفحہ ۳۶

فلورنس (Flourens) ، گوستاف (۱۸۷۱ء — ۱۸۳۸ء) — فرانسیسی انقلابی اور فطرت کا مطالعہ کرنے والا (naturalist) ، بلانکی کا حامی ، ۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء اور ۲۲ جنوری ۱۸۷۱ء کو پیرس کی بغاوت میں آگے آگے تھا ، پیرس کمیون میں شریک رھا۔ اپریل ۱۸۷۱ء میں وارسائی فوج کے ھاتھوں وحشیانہ قتل ھوا۔ صفحات ۱۷۳ ، ۱۷۸ ، ۱۸۲

فیری (Ferry) ، ژول فرانسوا کامل (۱۸۹۳ء — ۱۸۳۲ء) — فرانس کا مشہور وکیل ، مضمون نگار ، اور سیاسی لیڈر۔ معتدل بورژوا ریپبلکنوں میں نمایاں حیثیت کا مالک ، قومی ڈیفنس کی حکومت کا ایک وزیر۔ ۷۱ — ۱۸۷۰ء میں پیرس کا میئر ، انقلابی تحریکوں کے خلاف صف آرائی کرتا رھا ، بعد میں ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۵ء تک دوبار وزارت میں شامل ھوا۔ نوآبادیات فتح کرنے کی سیاست میں بہت سرگرم تھا۔ صفحہ ۱۶۴

— ک —

کابے (Cabet) ، ایتئن (۱۷۸۸ء — ۱۸۵٦ء) — فرانس کا ایک اهل قلم جو ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۰ء کے درمیان پرولتاریوں کی سیاسی تحریک میں شریک رھا۔ پرامن قیاسی (یوٹوپیائی) کمیونزم کا ممتاز ترجمان، جس کی ایک کتاب مشہور ہے ''ایکاریا کا سفر''۔ صفحہ ۲۲۷

کالوین (Calvin) ، ژاں (۱۵۰۹ء — ۱۵٦۴ء) — تحریک اصلاح کا مشہور رهنما، حس نے مسیحی مذھب میں پروٹسٹنٹ‌ازم کے ایک الگ فرقے ''کالوین‌ازم'' کی بنیاد رکھی۔ یہ تحریک سرمایہ جمع ھونے کے ابتدائی مرحلے میں بورژوا مفاد کی ترجمان تھی۔ صفحہ ۲۸۰

کانٹ (Kant) ، ایمانوئیل (۱۷۲۴ء — ۱۸۰۴ء) — کلاسیکی جرمن فلسفے کا بانی مبانی۔ عینیت‌پرست فلسفی۔ صفحات ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۹، ۲۹۰

کلون (Calonne) ، شارل الیکساندر دے (۱۷۳۴ء — ۱۸۰۲ء) — فرانسیسی مدبر - ۱۸ ویں صدی کے آخر میں انقلاب فرانس کے وقت تارک‌وطن انقلاب‌دشمنوں کا ایک لیڈر تھا۔ صفحہ ۲۰٦

کوپرنیکس (Copernicus) ، نکولائی (۱۴۷۳ء — ۱۵۴۳ء) — پولینڈ کا عظیم الشان ماهر فلکیات، دنیا میں سورج کے گرد ستاروں کی حرکت کا نظریہ (Heliocentrik System) اسی نے دیا۔ صفحات ۲۸۰، ۲۸۴

کوربوں (Corbon) ، کلود انتیم (۱۸۰۸ء — ۱۸۹۱ء) — فرانس کا ایک سیاسی لیڈر ، ریبلکن ، ۱۸۴۸ — ۴۹ء میں آئین ساز اسمبلی کا ممبر - بعد میں پیرس کے ایک علاقے کا میئر ھو گیا۔ ۱۸۷۱ء کی قومی اسمبلی کے لئے چنا گیا۔ صفحہ ۱٦۲

کوزین‌مونٹےباں (Cousin Montauban)، شارل ہیوم ماری اپولینر آنتوآن کاؤنٹ آف پالیکاؤ (۱۷۹۶ء — ۱۸۷۸ء) — فرانسیسی جنرل ، بوناپارٹ کا حامی۔ ۱۸۶۰ء میں جو اینگلو فرانسیسی فوجی مہم چین پر بھیجی گئی تھی ، یہ اس کا کمانڈر انچیف تھا۔ اگست ستمبر ۱۸۷۰ء میں وزیر جنگ اور حکوست کا سربراہ رہا۔ صفحہ ۱۷۳

کوےنیاک (Cavaignac) ، لوئی ایژیں (۱۸۰۲ء — ۱۸۵۷ء) — فرانس کا ایک جنرل اور سیاسی لیڈر ، اعتدال‌پسند بورژوا ریپبلکن۔ مئی ۱۸۴۸ء سے وہ وزیر جنگ رہا اور پیرس کے مزدوروں نے جون میں بغاوت کی تو اسے انتہائی بےدردی سے کچل ڈالا۔ جون ۱۸۴۸ء سے دسمبر تک انتظاسیہ کمیٹی کا سربراہ وہی تھا۔ صفحہ ۲۲۰

کیپلر (Kepler) ، یوگان (۱۵۷۱ء — ۱۶۳۰ء) — فلکیات کا عظیم الشان جرمن عالم ، جس نے سیاروں کی حرکت کے قانون معلوم کئے۔ صفحہ ۲۸۱

کیوت‌لوگاں (Coëtlogon) ، لوئی شارل ایمانوئیل ، کانٹ دے (۱۸۱۴ء — ۱۸۸۶ء) — فرانسیسی عہدہ‌دار ، بوناپارٹ کا حامی۔ ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیرس کی انقلابی طاقتوں پر چڑھائی میں پیش پیش تھا۔ صفحہ ۱۸۰

کیووئیے (Cuvier) ، ژورژ (۱۷۶۹ء — ۱۸۳۲ء) — مشہور فرانسیسی نیچرلسٹ ، جس نے Cataclism کا غیر علمی اور عینیت‌پرست نظریہ پیش کیا۔ صفحہ ۲۸۷

— گ —

گانیسکو (Ganesco) ، گرےگوری (تقریباً ۱۸۳۰ء — ۱۸۷۷ء) — فرانسیسی اخبارنویس ، اصل نسل سے روسانیائی۔ دوسری شہنشاہی کے زمانے میں بوناپارٹ کا حامی ، بعد میں تیئر کی حکوست کا طرفدار ہو گیا۔ صفحہ ۲۰۰

گرچاکوف الیکساندر میخائیلووچ (۱۷۹۸ء — ۱۸۸۳ء) — روسی مدبر اور ڈپلومیٹ، ۱۸۵۴ — ۵۶ء میں وی آنا میں سفیر اور پھر ۱۸۵۶ء سے ۱۸۸۲ء تک روس کا وزیرخارجہ رہا۔ صفحہ ۱۰۰

گلیڈسٹن (Gladstone)، رابرٹ (۱۸۱۱ء — ۱۸۷۲ء) — انگلستان کا مشہور تاجر، کارخیر میں رقم دینےوالا بورژوا۔ ولیم گلیڈسٹن کا رشتے کا بھائی۔ صفحہ ۲۶۱

گلیڈسٹن (Gladstone)، ولیم ایوارٹ (۱۸۰۹ء — ۱۸۹۸ء) — مشہور انگریز مدبر۔ ۱۹ ویں صدی کے دوسرے ادھے میں لبرل پارٹی کا لیڈر رہا۔ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۶ء تک دوبار وزیر مالیات اور پھر ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۴ء تک وقفوں سے چار بار وزیراعظم رہا۔ صفحہ ۲۶۱

گمبیٹا (Gambetta)، لیون (۱۸۳۸ء — ۱۸۸۲ء) — فرانس کا مدبر، بورژوا ریپبلکن، قومی ڈیفنس کی حکومت میں شامل تھا (۱۸۷۰ء — ۱۸۷۱ء)۔ صفحہ ۱۶۲

گوئیٹے (Goethe)، یوگان والف‌گانگ (۱۷۴۹ء — ۱۸۳۲ء) — جرمن زبان کا عظیم شاعر، ادیب اور مفکر۔ صفحہ ۲۹۷

گیزو (Guizot)، فرانسوا پیئر هیوم (۱۷۸۷ء — ۱۸۷۴ء) — فرانس کا بورژوائی مورخ اور ریاستی معاملات میں ممتاز۔ ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۹ء تک فرانس کی اندرونی اور بیرونی سیاست کے تار اسی کے هاتھ میں رهے۔ صفحات ۹، ۱۶۷

گیلی‌فے (Galliffet)، گلستن، الیکساندر اوگوست۔ مارکوئیس دے (۱۸۳۰ء — ۱۹۰۹ء) — فرانسیسی جنرل، پیرس کمیون کے قاتلوں میں شمار هوتا هے۔ صفحات ۱۸۲، ۱۸۴، ۲۲۵، ۲۲۶

گئیو (Guiod)، الفونس سیموں (پیدائش ۱۸۰۵ء) — فرانسیسی جنرل، پیرس کے محاصرے ۱۸۷۰ — ۷۱ء کے زمانے میں توپ‌خانه اسی کی کمان میں تھا۔ صفحہ ۱۶۲

گیوگ (Gögg) ، اماندوس (۱۸۲۰ء — ۱۸۹۷ء) — جرمن جرنلسٹ ، چھوٹی بورژوازی کا جمہوریت‌پسند ۔ ۱۸۴۹ء میں باڈن کی عارضی حکومت میں شریک ہوا ۔ انقلاب کی شکست پر ملک چھوڑ کر نکل گیا ۔ ۱۸۷۰ء کے بعد سے جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہو گیا ۔ صفحہ ۲۷۰

— ل —

لاسال (Lassalle) ، فرڈیننڈ (۱۸۲۵ء — ۱۸۶۴ء) — چھوٹی بورژوازی کا جرمن مضمون‌نگار ، بیرسٹر ، ۱۸۴۸ — ۴۹ء میں اس نے رائن صوبے کی جمہوری تحریک میں حصہ لیا ، ۱۸۶۰ء کے شروع برسوں میں وہ مزدور تحریک سے وابستہ ہوگیا ۔ ۱۸۶۳ء میں وہ کل جرمن ورکرز یونین کی بنیاد رکھنے میں شریک تھا ۔ پورے جرمنی کو پروشیائی اقتدار کے سائے میں "اوپر سے" ملا کر ایک کرنے کی سیاست کا روح رواں تھا اور جرمن مزدور تحریک میں موقع‌پرستی کی بنیاد رکھنے میں بھی پیش پیش تھا ۔ صفحات ۸۹ ، ۲۳۳ ، ۲۳۶ ، ۲۳۷ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ، ۲۴۵ ، ۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۵۴ ، ۲۵۵ ، ۲۶۷ ، ۲۶۹ ، ۲۷۰ ، ۲۷۴

لافیت (Laffitte) ، ژاک (۱۷۶۷ء — ۱۸۴۴ء) — فرانس کا زبردست ساہوکار اور سیاسی رہنما ۔ اورلین‌والوں کا حامی ۔ صفحہ ۱۶۵

لامارک (Lamarck) ، ژاں باتیست پیئر آنتوآں (۱۷۴۴ء — ۱۸۲۹ء) — شہرہ آفاق فرانسیسی نیچرلسٹ ، جس نے حیاتیات میں ارتقا کا نظریہ پہلی بار مکمل اور مربوط طریقے سے پیش کرکے چارلس‌ڈارون کی راہ ہموار کی ۔ صفحہ ۲۹۰

لانگے (Lange) ، فریڈرک البرٹ (۱۸۲۸ء — ۱۸۷۵ء) — جرمن بورژوا فلسفی ، کانٹ کے خیالات بطرز جدید اپنانےوالا ، مادیت کے فلسفے اور سوشلزم کا سخت مخالف ۔ صفحہ ۲۵۴

لائل (Lyell) ، چارلس (۱۸۷۵ء — ۱۷۹۷ء) — مشہور انگریز عالم ، طبقات الارض کا ماہر - صفحہ ۲۸۸

لپلاس (Laplace) ، پیئر سیموں (۱۸۲۷ء — ۱۷۴۹ء) — فرانس کا ممتاز ماہر فلکیات ، ریاضی‌داں اور عالم طبیعیات - اس نے کانٹ کی تحقیقات سے بے‌نیاز ہوکر اس قیاس علم ریاضی کی بنیاد مہیا کی اور اسے ترقی دی کہ ہمارا نظام شمسی ابخرات جیسے دھند میں سے ابھرا ہے - صفحات ۲۸۴ ، ۲۸۵ ، ۲۹۲

لوتھر (Luther) ، مارٹن (۱۵۴۶ء — ۱۴۸۳ء) — تحریک اصلاح کا زبردست علمبردار جس نے جرمنی میں پروٹسٹنٹ فرقے کی (لوتھرین خیالات کی) بنیاد رکھی - جرمن شہری رئیسوں کا نظریہ‌ساز - صفحات ۲۷۹ ، ۲۸۰

لوئی بوناپارٹ — ملاحظہ ہو نپولین سوم -

لوئی نپولین — ملاحظہ ہو نپولین سوم -

لوئی شانزدھم (Louis XVI) (۱۷۹۳ء — ۱۷۵۴ء) — ۱۷۷۴ء سے ۱۷۹۲ء تک فرانس کا بادشاہ تھا - ۱۸ ویں صدی کے بورژوا انقلاب فرانس کے وقت اسے تخت سے اتار کر پھانسی دے دی گئی - صفحہ ۱۳۱

لوئی فلپ (Louis Philippe) (۱۸۵۰ء — ۱۷۷۳ء) — اورلین شاھی خاندان کا چشم و چراغ جو ۱۸۳۰ ء سے ۱۸۴۸ء تک فرانس کا بادشاہ رہا - صفحات ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۶۷ ، ۱۶۹ ، ۱۷۸ ، ۱۹۳ ، ۲۰۹ ، ۲۵۷ ، ۲۶۰

لیبکنیخت (Liebknecht) ، ولہلم (۱۹۰۰ء — ۱۸۲۶ء) — جرمنی کی اور بین‌اقوامی مزدور تحریک کا ممتاز رہنما - ۱۸۴۸ء — ۴۹ کے

انقلاب میں شریک ۔ کمیونسٹ لیگ اور پہلی انٹرنیشنل کا ممبر ۔ جرمنی کی سوشل ڈیموکریسی کے بانیوں اور لیڈروں میں شمار ہوتا ہے ۔ مارکس اور اینگلس کا دوست بھی تھا اور ان کے کام کو آگے بڑھانےوالا بھی ۔ صفحات ۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۲۶۶ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵

لیبنز (Leibniz) ، گوتفرید ولہلم (۱۶۴۶ء — ۱۷۱۶ء) — علم ریاضی کی مشہور جرمن شخصیت ، عینیت‌پرست فلسفی ۔ صفحہ ۲۸۱

لےفلو (Le-Flô) ، ادولف ایمانوئیل شارل (۱۸۰۴ء — ۱۸۸۷ء) — فرانسیسی جنرل اور سیاسی لیڈر ، ضابطہ پارٹی کا نمائندہ ، دوسری ریپبلک کے زمانے میں یہ شخص آئین‌ساز اور قانون‌ساز اسمبلیوں کا ممبر چنا گیا ۔ صفحات ۱۷۹ ، ۱۸۴

لیکونت (Lecomte) ، کلود مارتن (۱۸۱۷ء — ۱۸۷۱ء) — فرانسیسی جنرل ، نیشنل گارڈ سے توپ‌خانہ چھیننے کی جو کوشش تیئر کی حکومت نے کی تھی ، اس کی ناکامی پر ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کو باغی فوجیوں نے جنرل کو گولی مار دی ۔ صفحات ۱۷۷ ، ۱۸۴ ، ۲۰۹ ، ۲۱۱ ، ۲۱۳

لینئی (Linnaeus) ، کارل (۱۷۰۷ء — ۱۷۷۸ء) — سویڈن کا مشہور نیچرلسٹ ، پودوں اور جانوروں کی درجہ‌بندی کا ایک باقاعدہ نظام اسی نے تیار کیا ہے ۔ صفحات ۲۸۱ ، ۲۸۲

لیوناردو داونچی (Leonardo da Vinci) (۱۴۵۲ء — ۱۵۱۹ء) — ریناساں (نشاۃ ثانیہ) کے دور کا شہرہ آفاق اطالوی مصور ، عالم ، انسائیکلوپیڈسٹ (قاموسی) اور ماہر تعمیرات ۔ صفحہ ۲۷۹

— م —

مارٹن (Morton) ، جان چالمرس (۱۸۲۱ء — ۱۸۸۸ء) — زراعتی مسائل کا انگریز عالم ، جس نے اپنے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ صفحہ ۲۸

مارکس (Marx) ، کارل ، ۱۸۱۸ء سے ۱۸۸۳ء تک زندہ رہا۔ صفحات ۷ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۴ ، ۸۸ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۳۵ ، ۲۳۳ ، ۲۳۷ ، ۲۶۷ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵ ، ۲۷۶

مارکوفسکی — فرانس میں زار روس کا ایجنٹ جس نے ۱۸۷۱ء میں تیئر کا ہاتھ بٹایا۔ صفحہ ۲۰۰

مالتھوس (Malthus) ، تھامس رابرٹ (۱۷۶۶ء — ۱۸۳۴ء) — انگلستان کا مشہور اہل علم ، پادری اور ماہر معاشیات۔ آدم بیزاری کا نظریہ آبادی اسی نے پیش کیا تھا۔ صفحات ۴۷ ، ۲۵۴ ، ۲۶۹ ، ۲۷۰

مائیر (Mayer) ، جولیس رابرٹ (۱۸۱۴ء — ۱۸۷۸ء) — ممتاز جرمن نیچرلسٹ۔ وہ ان اولین لوگوں میں سے ہے جنھوں نے یہ اصول دریافت کیا کہ قوت (انرجی) برقرار بھی رہتی ہے اور دوسری صورتوں میں ڈھل بھی جاتی ہے۔ صفحہ ۲۸۸

مراٹ (Marat) ، ژاں پول (۱۷۴۳ء — ۱۷۹۳ء) — فرانسیسی اہل قلم ، اٹھارویں صدی کے آخر میں بورژوا انقلاب فرانس کی نمایاں شخصیت ، جیکوبی تحریک کا ایک اہم لیڈر۔ صفحہ ۲۵۱

منتس کیو (Montesquieu) ، شارل (۱۶۸۹ء — ۱۷۵۵ء) — فرانس کا نمایاں بورژوا سماجیات کا ماہر ، معاشیات کا عالم اور ادیب ، ۱۸ ویں صدی میں بورژوا روشن‌خیالی پھیلانے‌والا۔ آئینی بادشاہی کے حق میں نظریہ ساز۔ صفحہ ۱۹۲

منینی آگریپا (Menenius, Agrippa) (وفات ۴۹۳ ق م) روم کا پتریشین۔ صفحہ ۱۹

مونتالیمبر (Montalembert) ، شارل (۱۸۱۰ء — ۱۸۷۰ء) — فرانسیسی اہل قلم ، دوسری رپبلک کے زمانے میں دستورساز اور قانون‌ساز اسمبلی کا ممبر چنا گیا ، اورلین‌والوں کا حامی اور کیتھولک پارٹی کا سربراہ تھا۔ صفحہ ۲۶۹

میڈلر (Mädler) ، یوگان ھنریخ (۱۷۹۴ء — ۱۸۷۴ء) — جرمن ماہر فلکیات ۔ صفحات ۲۹۲ ، ۳۰۰

میکاویلی (Machiavelli) ، نکولو (۱۴۶۹ء — ۱۵۲۷ء) — اطالیہ کا شہرہ آفاق سیاست‌داں ، مورخ اور مصنف ۔ صفحہ ۲۷۹

میک موھن (Mac Mahon) ، ماری ایدم ، پاتریس موریس (۱۸۰۸ء — ۱۸۹۳ء) — فرانس کا رجعت‌پرست جنگجو اور سیاست‌داں ، بوناپارٹ کا حامی ۔ پیرس کمیون کو غارت کرنےوالوں میں وہ بھی شریک تھا ۔ بعد میں ۱۸۷۳ — ۷۹ء کے زمانے میں فرانس کی تیسری ریپبلک کی صدارت سنبھالی ۔ صفحات ۲۱۳ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱

میلیئر (Millière) ، ژاں باتیست (۱۸۱۷ء — ۱۸۷۱ء) — فرانس کا ممتاز اخبارنویس ، صاحب قلم ۔ پرودھوں کے بائیں‌بازووالے حامیوں میں تھا۔ مئی ۱۸۷۱ء میں وارسائی والوں کی گولی کا نشانہ بنا ۔ صفحات ۱۶۳ ، ۲۲۹

میونتسر (Münzer) ، تھومس (تقریباً ۱۴۹۰ء — ۱۵۲۵ء) — جرمنی کا زبردست انقلابی ، اصلاحی تحریکوں کے زمانے میں اور ۱۵۲۵ء کی کسانوں کی جنگ کے دنوں میں غریب کسانوں کا لیڈر اور ذھنی رھنما ۔ یوٹوپیائی مساواتی کمیونزم کے خیالات کی تبلیغ کیا کرتا تھا ۔ صفحہ ۱۰۱

— ن —

نپولین اول (Napoleon) ، بوناپارٹ (۱۷۶۹ء — ۱۸۲۱ء) — فرانسیسی سپہ‌سالار جو ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۴ء تک اور پھر ۱۸۱۵ء میں فرانس کا شہنشاہ رھا ۔ صفحات ۱۳۰ ، ۱۳۶ ، ۱۴۷ ، ۱۶۸ ، ۲۰۰

نپولین سوم (Napoleon) ، لوئی نپولین بوناپارٹ (۱۸۰۸ء — ۱۸۷۳ء) — نپولین اول کا بھتیجا ۔ ۱۸۴۸ — ۵۱ء میں دوسری ریپبلک کا صدر

تھا۔ پھر ۱۸۵۲ء سے ۱۸۷۰ء تک فرانس کا شہنشاہ بنا رہا۔
صفحات ۱۰۷، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۴،
۱۳۹-۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۳-۱۶۱، ۱۶۸،
۱۶۹، ۱۹۹، ۲۰۹، ۲۱۳-۲۱۱، ۲۲۸، ۲۶۰

نیوٹن (Newton)، اسحاق (انزک) (۱۶۴۲ء - ۱۷۲۷ء) - شہرہ آفاق عالم طبیعیات، انگریز ماہر فلکیات، ریاضی کے علوم پر حاوی، کلاسیکی میکانیکس کا موجد اور بانی۔ صفحات ۲۸۱-۲۸۶

نیومارچ (Newmarch)، ولیم (۱۸۲۰ء - ۱۸۸۲ء) - انگریز بورژوا معاشیات کا عالم اور اعدادوشمار کا ماہر۔ صفحہ ۲۶

نیومین (Newman)، فرینسیس ولیم (۱۸۰۵ء - ۱۸۹۷ء) - انگریز بورژوا ریڈیکل جس نے مذہب، سیاست اور معاشیات پر بہت ھی تصانیف چھوڑی ھیں۔ صفحہ ۲۶

نیپئر (Napier)، جان (۱۵۵۰ء - ۱۶۱۷ء) - اسکاٹلینڈ کا عالم ریاضی، جس نے logarithms کی ایجاد کی۔ صفحہ ۲۸۱

— و —

والتیئر (Voltaire)، فرانسوا ماری (اصل خاندانی نام آروے) (۱۶۹۴ء - ۱۷۷۸ء) - نمایاں فرانسیسی روشن خیال، خالق کا عقیدہ رکھنے والا فلسفی، طنزیہ کتابوں کا مصنف، مورخ۔ صفحہ ۱۸۳

والن تین (Valentin)، لوئی ایرنسٹ - فرانسیسی جنرل، بوناپارٹ کا حامی، ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کی بغاوت سے پہلے پیرس کا پولیس پریفکٹ تھا۔ صفحات ۱۷۳، ۲۰۷

وروبلیفسکی (Wróblewski)، والیری (۱۸۳۶ء سے ۱۹۰۸ء تک) - پولینڈ کا انقلابی ڈیموکریٹ، پیرس کمیون کا جنرل، انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کا ممبر اور پولینڈ کی طرف سے سکریٹری کورسپونڈنٹ (۱۸۷۱ء - ۱۸۷۲ء)، باکونین کے حامیوں کا مخالف۔ صفحہ ۲۰۰

ولہلم اول (Wilhelm) (۱۷۹۷ء سے ۱۸۸۸ء تک) — پروشیا کا پرنس اور بادشاہ (۱۸۶۱ء — ۱۸۸۸ء)، جرمن شہنشاہ (۱۸۷۱ء — ۱۸۸۸ء) — صفحہ ۱۵۰

وولف (Wolf)، کرستیان (۱۶۷۹ء سے ۱۷۵۴ء تک) — جرمن عینیت پرست فلسفی، مابعد الطبیعیات کا عالم۔ صفحہ ۲۸۴

وولف (Wolf)، کسپار فریڈرک (۱۷۳۳ء سے ۱۷۹۴ء) — نمایاں ماہر حیاتیات، اجسام کی نشوونما کے نظریے کا بانی۔ صفحہ ۲۹۰

ویڈ (Wade)، بنجمین فرینکلین (۱۸۰۰ء — ۱۸۷۸ء) — امریکہ کا ۱۸۶۷ء سے دو سال تک نائب صدر رہا۔ ریپلکن پارٹی کے بائیں بازو کا لیڈر تھا۔ صفحہ ۹۴

ویسٹن (Weston)، جان — انگریز مزدور تحریک کا ایک سرگرم کارکن، رابرٹ اووین کا حامی۔ انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کا ممبر (۱۸۶۴ء — ۱۸۷۲ء)۔ برطانیہ کی فیڈرل کمیٹی کا ممبر۔ ریفارم لیگ کی انتظامیہ کمیٹی کا ممبر۔ لیگ آف لینڈ اینڈ لیبر کا خاص رہنما۔ صفحات ۱۹ — ۱۴، ۲۶ — ۲۳، ۳۱ — ۲۸، ۳۵ — ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۸۳

وینوآ (Vinoy)، ژوزف (۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۰ء تک) — فرانسیسی جنرل، بوناپارٹ کا حامی، ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو حکومت کا تختہ پلٹنے میں شریک، ۲۲ جنوری ۱۸۷۱ء سے پیرس کا گورنر، پیرس کمیون کے قاتلوں میں سے ایک، وارسائی‌والوں کی رزیرو فوج کا کمانڈر۔ صفحات ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۹، ۱۸۰

— ہ —

ہاسیل‌مان (Hasselmann)، ولہلم (پیدائش ۱۸۴۴ء) — لاسال خیالات کی جرمن ورکرز یونین کے لیڈروں میں سے تھا۔ ۱۸۷۱ء — ۷۵ میں «Neuer Social Demokrat» کا ایڈیٹر۔ ۱۸۷۵ء — ۸۰ میں جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا ممبر تھا، بعد میں نراجی

ہونے کی بنا پر پارٹی سے نکال دیا گیا۔ صفحات ۲۰۱، ۲۶۶، ۲۷۴

ہاؤسمان (Haussmann)، ژورژ ایژیں (۱۸۰۹ء — ۱۸۹۱ء) — فرانس کی ایک سیاسی شخصیت، بوناپارٹ کا حامی، ۱۸۵۳ء — ۷۰ کے زمانے میں سین حلقے کا پریفیکٹ تھا، جس نے پیرس کو پھر سے تعمیر کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ صفحات ۲۰۱، ۲۱۸، ۲۱۹

ہرشل (Herschel)، ولیم (۱۷۳۸ء — ۱۸۲۲ء) — مشہور انگریز ماہر فلکیات۔ صفحہ ۲۸۶

ہروے (Hervé)، ایڈورڈ (۱۸۳۰ء سے ۱۸۹۹ء) — فرانسیسی مضمون‌نگار اخبار «Journal de Paris» کا ایک بانی بھی تھا اور وھی اس کا چیف ایڈیٹر ھوا۔ بورژوا لبرل خیالات کا آدمی، دوسری شہنشاھی ٹوٹنے کے بعد اورلین‌والوں کا طرفدار ھوگیا۔ صفحہ ۲۱۶

ھکسلے (Huxley)، تھومس ھنری (۱۸۲۵ء — ۱۸۹۵ء) — مشہور انگریز عالم، نیچرلسٹ، چارلز ڈارون کی تحقیقات کو آگے بڑھانےوالا، اس کی مادیت‌پسند فلسفیانہ نظر میں استقلال نہیں رھا۔ صفحہ ۱۹۶

ھوبس (Hobbes)، تھومس (۱۵۸۸ء — ۱۶۷۹ء) — ممتاز انگریز فلسفی۔ میکانیکی مادیت‌پسندی کا نمائندہ۔ صفحہ ۵۵

ھوھینزولرن (Hohenzollern) برانڈن‌برگ کے تعلقہ‌داروں کا خاندان (۱۴۱۵ء — ۱۷۰۱ء)، بعد میں وہ پروشیا کے بادشاہ ھوئے (۱۷۰۱ء — ۱۹۱۸ء) اور اسی سے جرمن شہنشاہ اٹھے (۱۸۷۱ء — ۱۹۱۸ء)۔ صفحات ۱۴۵، ۲۰۰

ھیزن‌کلیور (Hasenclever)، ولہلم (۱۸۳۷ء — ۱۸۸۹ء) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، لاسال کا حامی۔ ۱۸۷۱ء — ۷۵ میں جرمن ورکرز یونین کا صدر تھا۔ صفحات ۲۶۶، ۲۷۴

هیکرین (Heckeren)، ژورژ شارل دانتس، بیرن دے (۱۸۱۲ء — ۱۸۹۵ء) — فرانس کا سیاسی عہدہ‌دار جو کچھ عرصے روس میں رہا اور یہیں عظیم روسی شاعر پوشکن اس کے ہاتھوں مارا گیا ۔ بوناپارٹ کا حامی ، ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیرس کے انقلاب پر چڑھائی کرنے میں پیش پیش تھا ۔ صفحہ ۱۸۰

ہیگل (Hegel) ، گیورگ ولہلم فریڈرک (۱۷۷۰ء — ۱۸۳۱ء) — کلاسیکی جرمن فلسفے کا سب سے بڑا نمائندہ ، معروضی عینیت‌پرست ۔ صفحات ۹ ، ۲۸۵

ہیلز (Hales) ، جان (پیدائش ۱۸۳۹ء) — برطانوی ٹریڈیونین لیڈر ۔ ۱۸۶۶ء — ۷۲ میں انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کا ممبر اور سکریٹری ۔ ریفارم لیگ کا ممبر ، لینڈ اینڈ لیبر لیگ کا ممبر ۔ ۱۸۷۲ء کے شروع سے ہی برطانوی فیڈرل کونسل کے اصلاح‌پسند بازو کا لیڈر بنتا گیا ، مارکس اور اس کے حامیوں سے مستقل لڑتا رہا تاکہ انگلینڈ میں انٹرنیشنل کی شاخوں کو اپنے ہاتھ لےلے ۔ صفحہ ۲۲۹

— ی —

یودے (Eudes) ، ایمیل دزیرے فرانسوا (۱۸۴۳ء — ۱۸۸۸ء) — فرانس کا مشہور انقلابی ، بلانکی کا حامی ، نیشنل گارڈ کا جنرل ، پیرس کمیون کا ممبر ۔ کمیون کے خاتمے کے بعد ترک وطن کرکے سوئٹزرلینڈ چلا گیا ، وہاں سے انگلینڈ نکل گیا ۔ جب ۱۸۸۰ء میں عام معافی کا حکم نکلا تو وہ فرانس واپس آیا اور بلانکی کے حامیوں کی مرکزی انقلابی کمیٹی قائم کرنے میں پیش پیش رہا ۔ صفحہ ۱۳۱

یور (Ure) ، اندریو (۱۷۷۸ء — ۱۸۵۷ء) — انگریز عالم ، کیمسٹ ، گھٹیا معاشیات کا ماہر ۔ صفحہ ۲۵

ادبی اور افسانوی شخصیتیں

پستول (Pistol) — شیکسپیئر کے ڈراموں ''شاہ ہنری چہارم،، ''ہنری پنجم،، اور ''ونڈسور کی شادکام بیویاں،، میں یہ کردار آیا ہے۔ دغاباز ، بزدل اور شیخی‌باز۔ صفحہ ۲۲۶

پیرسئی (Perseus) — زیوس دیوتا اور دنائی کا بیٹا ، جس نے کارهائے نمایاں انجام دئے اور میدوزا کا سر اڑا دیا۔ صفحہ ۹۲

دون کارلوس (Don Carlos) — کہتے هیں که اسپین کے بادشاہ فلپ دوم (۱۵۶۸ء — ۱۵۴۵ء) کا اصول‌پرست بیٹا تھا جس نے باپ کی مخالفت میں هر طرح کے ظلم سہے اور قید میں جان دے دی۔ مغربی ادب میں اس کا نام اسی حیثیت سے آیا هے جیسے حضرت ابراهیم کا نام مشرقی ادب میں۔ صفحہ ۱۶۸

شائی‌لاک (Shylock) — شیکسپیئر کے ڈرامے ''وینس کا سوداگر،، کا بے رحم ، لالچی ساهوکار جو اپنے قرضے کی دستاویز دکھا کر مقروض کے جسم کا آدھ سیر گوشت اتارنا چاهتا هے۔ صفحات ۱۷۲ ، ۲۷۴

میدوزا (Medusa) — یونانی صنمیات کا مشہور راکھشس ، که اس پر نظر پڑتی تو آدمی پتھر کا هو جاتا۔ صفحہ ۹۱

یسوس نوین (یوشع بن نون) — انجیل میں اس نام کے رستم وقت کا ذکر آیا هے جس نے مقدس طبل بجا بجا کر اور اپنے جواں مردوں کے نعروں سے یری‌هون شہر کی دیواریں گرادی تھیں۔ صفحہ ۱۸۱

پڑھنے والوں سے

دارالاشاعت ترقی آپ کا بہت شکر گذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار۔ نمبر ۲۱، ماسکو، سوویت یونین

21, Zubovsky Boulevard, Moscow, USSR